شمائلِ علی مرتضیٰ

(مشکلاتِ حضرتِ مشکل کشا)

از

حضرت نذیر احمد صاحب شاکر

(بی۔ اے، جی۔ ڈی۔ اے مدراس)

ناشر

مکتبہ جام الحق۔ کراچی ۱۸۱۳

نام کتاب ــــــــــــ شمائلِ علی مرتضےٰ

نام مصنف ــــــــــــ حضرت نذیر احمد صاحب شاکر

ناشر ــــــــــــ مکتبۂ جاء الحق کراچی-۱۸۱۳

تعدادِ اشاعت ۱۰۰۰ ــ سال ۱۴۰۰ھ

قیمت [illegible]/- روپے

ملنے کا پتہ

عثمانیہ اکیڈمی ۔ کراچی ۱۸

۱۶/۴ مسلم لیگ کوارٹرز کراچی

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بُت شِکن کی ضرورت

قرآنِ حکیم کا انتباہ تھا۔ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (۷۲/۱۷)
یعنی جو اپنے رب کی یاد بھلا دے گا وہ مصائب کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔
اتفاق سے آج دنیائے اسلام ہی اس عذاب میں مبتلا ہے۔ فلسطین سے کبھی یہودیوں کو قدرتِ خائنین (بے ملک بے وطن) بنا کر نکالا گیا تھا۔ اب یہودیوں نے وہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا ہے۔ جو ان کی طرح آوارۂ وطن عرب دنیا میں گھوم رہے ہیں۔ ہندوستان، چین، روس، افریقہ، فلپائن، برما میں مسلمان خوار و ذلیل ہو رہے ہیں۔ عراق، شام، مصر، یمن اور ایران میں یہ آپس میں دست و گریباں ہیں۔ افغانستان میں ان پر روسی بے دینوں کو مسلط کیا گیا ہے۔ جو اللہ کا عذاب ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس عذاب سے بچنے کی کیا صورت ہے۔ ان سوالوں کا جواب دینے والا تو آج مکہ و مدینہ میں بھی دستیاب نہیں ہے۔ البتہ قرآنِ حکیم نے جو قیامت تک اقوام عالم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تھا۔ یہودیوں پر اللہ کے غضب کے جو اسباب بتائے تھے۔ شاید مسلمان ان سے عبرت حاصل کریں۔ ہم سورۂ بقرہ کی چند آیات کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

(۴۷) اے بنی اسرائیل ہماری مہربانیاں یاد کرو۔ ہم نے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دی تھیں اور تم کو اہلِ عالم پر فضیلت دی تھی۔

(۴۸) تم اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور کسی کی سفارش نہ چلے گی نہ کسی کی عوضی قبول ہوگی نہ کوئی مدد کو آ سکے گا۔

(۴۹) ہم نے تم کو آلِ فرعون کی غلامی سے نکالا جو تمہیں سخت عذاب میں ڈالے ہوئے تھے۔ وہ تمہارے بیٹے ذبح کر ڈالتے اور بیٹیاں چھوڑ دیتے تھے

یہ عذاب تمہارے رب کی طرف سے تھا۔ اور بڑا عذاب تھا۔

(٥٠) ہم نے تمہارے لئے سمندر پھاڑا اور تمہیں بچا لیا۔ اور آلِ فرعون کو ڈبا دیا۔ اور تم دیکھ رہے تھے۔

(٥١) پھر ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کے لئے طور پر بلایا۔ تو تم اُس کے پیچھے بچھڑا پوجنے لگے۔ اور تم ظالم تھے۔

(٥٤) تو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ بھائیو بچھڑے کو پوج کر تم نے خود پر ظلم کیا ہے۔ اللہ سے توبہ کرو بلکہ اپنے نفسوں کو مار ڈالو تو بہتر ہے تاکہ اللہ تم سے خوش ہو جائے۔ اور تم کو معاف کر دے۔ بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

(٥٥) تب تم کہنے لگے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک تمہارے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ بس تم پر بجلی گری اور تم دیکھتے رہ گئے۔

(٦١) پھر تم کہنے لگے ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہمارے لئے دعاء کرو کہ زمین سے اُگنے والی ترکاریاں۔ ککڑی۔ گیہوں مسور اور پیاز بھی دے۔ موسیٰ نے کہا تم اچھی چیزیں (مَن وسلویٰ) چھوڑ کر معمولی چیزیں مانگتے ہو۔ تو مصر واپس چلے جاؤ۔ وہاں جو چاہو گے ملے گا تو ہم نے اُن پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے۔ اسی لئے وہ اللہ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں۔

یعنی چند روز بچھڑا پوج لینے اپنے رسول کا حکم نہ ماننے اور اللہ کے رزق کی ناشکری کرنے کی وجہ سے یہودی جیسی فضیلت یاب قوم مقہور و مردود ہوگئی حالانکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھی۔ جو اقوامِ عالم کے امام تھے۔ قرآن کہتا ہے۔

(١٢٤) اور ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ تو وہ آزمائش میں پورے اترے۔ ہم نے کہا میں تم کو بنی نوعِ انسان کا امام بناتا ہوں۔ پوچھنے لگے اور میری اولاد کو ــــ؟ ہم نے کہا۔ ہمارا وعدہ ظالموں کے لئے نہیں ہے۔

(١٢٥) پھر ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ مقرر کیا۔ اور اسے امن کا مقام بنا دیا اور ابراہیم کے ٹھہرنے کی جگہ کو عبادت گاہ قرار دے دیا۔ اور ابراہیم و اسماعیل سے کہا کہ طواف کرنے والوں۔ اعتکاف کرنے والوں اور سجدے کرنے والوں کے لئے اسے پاک صاف رکھیں۔

(١٢٦) ابراہیم نے کہا۔ یارب اس شہر کو بھی امن کی جگہ بنا دے اور یہاں رہنے والوں کو جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھیں اس کے پھل کھلا اللہ نے کہا ہاں۔ جو نافرمانی بھی کرے گا اُسے بھی چند دن فائدہ اٹھانے دوں گا۔ پھر اُسے عذابِ جہنم میں ڈال دوں گا۔ اور وہ بُری جگہ ہے۔

(سورۂ بقرہ)

اب سوچئے مسلمانوں کے لئے ان آیاتِ کریمہ میں کوئی عبرت کا پیغام ہے یا نہیں۔ جو گذشتہ ہزار سال سے رسوائی پر رسوائی برداشت کرتے رہے ہیں۔ کبھی ہلاکو نے قتلِ عام کیا، کبھی تیمور نے پھر انگریزوں نے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لیا تو کیوں۔ اس لئے کہ انہوں نے قرآن سے ہدایت لینا ترک کر دیا ہے۔ قرآن کو یہ صرف ایصالِ ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ ہدایت کے لئے وہ اپنے سلف صالحین کی روایات مانیہ احادیث اور تفاسیر دیکھتے ہیں یا اپنے اپنے اماموں کے اقوال و ملفوظات۔ جن کی رو سے ہمارے رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لاکھوں جان نثار صحابہ کرام نے اسلام کو دو بھاری پتھروں (ثقلین) کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یعنی ایک کتاب جو اب معدوم ہو چکی ہے یا امام غایب کی بغل میں ہے۔ اور دوسرے اپنے اہلِ بیت یعنی پنج تن اور بارہ امام جن کے نام کے ہم تعزیئے۔ دُلدل اور شیرِ خدا نکالتے ہیں۔ جن سے اسلام کی رونق باقی ہے۔

کہتے ہیں یہ نوازش اسلام پر دو یہودی بزرگوں عبداللہ بن سبا اور اس کے بعد میمون القداح کی ہے جو باطنی اسلام کے بانی تھے۔ ان کی ذریت تین چار سو سال تک مصر اور بغداد میں اولیاء۔ داعی مولائی (مولوی) مُلّا اور امام بناتی اور دنیاء اسلام میں پھیلاتی رہی۔ علوم اہلِ بیت اور آلِ محمد

ہندوستان پر ان کی .

خاص یلغار رہی۔ چنانچہ ہم اپنی مجلسوں میں آج بھی سنتے ہیں کہ مسلمانوں نے علی کا مرتبہ نہ پہچانا۔ ان کو معمولی انسان سمجھا۔ حالانکہ علی ولی اللہ (خدا کے بیٹے) اور خلیفہ بلا فصل (بے موسم کے)۔ اور امام المشارق و معارب تھے۔ (غالباً مراد امام باڑوں اور جماعت خانوں سے ہے) وہ مظہر العجایب والغرایب بھی تھے (جو مولوی دیکھتا اور جانتا ہے)

یہ باتیں مسلمان گذشتہ ایک ہزار سال سے سنتے چلے آرہے ہیں۔ اس لئے باور کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت علی بہادری میں شیرِ خدا (Lion God) یا وشنوجی تھے۔ عقلمندی میں وہ سلیمان ولقمان سے بڑھ کر تھے۔ سیاسیات میں چانکیہ جی اور میکاولی ان کے شاگرد تھے۔ معاشیات میں وہ کارل مارکس کے استاد تھے۔ حرب وضرب وجدلیات میں دارا وسکندر رستم وسہراب ان کے آگے پانی بھرتے تھے۔ مگر کشور کشائی اور ملک گیری سے آپ کو نفرت تھی۔ بلکہ سنا ہے کہ زندگی وفا کرتی تو مسلمانوں کے تمام مفتوحہ علاقے ان کے وارثوں کو واپس فرما دیتے۔

انسانی مساوات کا تصور اُن کے پاس اس قدر بلند تھا کہ وہ کافر و مومن میں امتیاز برتنا گناہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنے مجوسی استاد ہرمزان کی خاطر اپنے سوتیلے نواسے (عبید اللہ بن عمر) کو پندرہ سال بعد صفین میں قتل کروا دیا۔ کہتے ہیں اسی ہرمزان نے موصوف کو رمل جفر نجوم و اعداد کے باطنی علوم سکھائے بلکہ زائچہ بنانا اور قیافہ شناسی و دست شناسی بھی سکھائی جو ہندی و ایرانی اسلام کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔ (دیکھئے کوئی تحفہ عوام)

اس طرح ہمارا تمام دینی سرمایہ حضرت علی اور اُن کی اصلی و نقلی اولاد (مجوسی اور یہودی بھی بنو فاطمین بن بیٹھے تھے) کے مناقب و فضائل۔ کرامات و خوارق سے بھرا پڑا ہے جس میں آپ کو دیومالائی انداز میں اسلامی ابوالہول یا شیر خدا بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ پروپیگنڈا بھی ملتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کرام نے علی کے اسلام کو قبول نہ کیا یقیناً وہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دین توحید کے علم بردار تھے۔ کفر و شرک کے فساد کو مٹانے والے جھوٹ اور مکاری سے نفرت کرنے والے سچ کے لئے جان دیدینے والے قرآن کی تعلیم پھیلانے والے شخصیت پرستی اور توہم پرستی سے بیزار اصلی بُت شکن تھے۔

وہ کسی مشرکانہ خفیہ تحریک میں کیسے شامل ہو سکتے تھے۔ خواہ وہ حضرت علی کی معرفت ہی اسلام میں لائی جارہی ہو۔

بدقسمتی سے حضرت علی ایک کمزور اور معذور فرد ہوتے ہوئے بھی محض اپنے پروہتی ورثے کی بنیاد پر اقتدار اور لیڈری کے خواب دیکھتے تھے۔ اُن کو اپنی نسبتی قرابت پر ناز تھا۔ یہودیوں اور مزدکیوں نے اُن کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ اُنہیں مدینہ سے اغوا کر لے گئے اور کوفہ میں بٹھا کر انہیں بابل و نینوا کی میراث دیدی۔ اس طرح کوفی اسلام کی بنیاد پڑ گئی اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ رسول عربی کے اسلام پر غالب آگیا۔ مسلمان ایک ہزار سال کے لئے یہودیوں کی طرح مغضوب و مردود قوم بن گئے۔ ان پر چنگیز خان، ہلاکو تیمور اور شیخ الجبل حسن بن صباح کو مسلط کیا گیا۔ اور بالآخر انہیں انگریزوں کا غلام بنا دیا گیا۔ جنہوں نے ان کو پھر پڑھا لکھا کر اس قابل بنایا کہ وہ اپنے ماضی کو کُریدنے لگے۔ اپنی ذلت و مسکنت کے اسباب پر غور کرنے لگے۔

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے ہزار سال بعد اسلامی دنیا میں پہلی بار مسلمانوں کے اصلی قومی ہیرو فاروق اعظم کے حالات زندگی پیش کئے۔ تو اسلامی دُنیا میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ مسلمان اپنا ماضی ٹٹولنے لگے پھر محسن الملک۔ الطاف حُسین حالی۔ اور محمد حسین آزاد جیسے شیعہ بزرگ بھی فضائل صحابہ اور عظمت اسلام کے گُن گانے لگے۔ اور یہ سلسلہ چل پڑا۔ محسن الملک نے آیات بینات کی تین جلدیں حکیم مرزا حیرت دہلوی نے کتاب شہادت کی چھ جلدیں شائع کیں۔ نصیحت الشیعہ اور فتنہ ابن سبا جیسی کتابیں بھی بازار میں آگئیں۔ (بدبخت مغلوں کے دور میں قرآن کا ترجمہ پیش کر دینے کی سزا میں شاہ ولی اللہ کے انگوٹھے توڑ دیئے گئے تھے) اس طرح اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے نوازنا شروع کر دیا۔ اور آج بفضلہٖ ۴۰ - ۵۰ اسلامی ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔

مگر مسلمانوں کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ آزادی کے بعد پاکستان میں ایک کتاب بنام خلافت معاویہ و یزید شائع ہوئی۔ تو یہودی ذریت کا خون کھول گیا۔ ہر طرف سے "اسلام خطرے میں" کا شور بلند

بلند ہوا۔ ایک مولوی صاحب اپنی خاندانی گندگی (خلافت و ملوکیت) کی بالٹی لے کر دوڑے اور ٹھوکر کھا کر گرے تو لت پت ہو گئے۔ بیچارے شرم سے اپنے لوگوں میں جا کر مر گئے۔ گویا ابھی مسلم معاشرہ یہودی ریشہ دوانیوں سے پاک نہیں ہوا ہے۔ جب ہی تو ہمارے ایک دوست مصباح الاسلام نے یہودی سازش سے پردہ اُٹھانے کے لئے اُن کا منشور (Manifesto) شائع کر دیا۔ تو حکومت نے وہ کتاب ضبط کر لی۔ لوگ حیران ہوئے کہ پاکستان کو یہودیوں کی پردہ داری کی کیا ضرورت تھی۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ فری میسن تحریک میں ہمارے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے۔ جنرل موسیٰ اُس کے ۳۰ درجے کے عہدیدار تھے۔ اور شاہِ ایران ۳۳ درجے کے جو سب سے بڑا عہدہ تھا۔ یہ ضبطی اُن دونوں کے حکم سے ہوئی تھی جو یہودیوں کے ایجنٹ تھے لیکن اب سچ اور جھوٹ کی چھانٹی شروع ہو گئی ہے۔ یعنی مُسلم معاشرہ صاف کیا جا سکتا ہے شاید جلد ہی معلوم ہو جائے کہ حتیٰ یمیز الخبیث مِن الطیب۔ ۳/۱۷۹ کا مطلب کیا ہے۔

ہمارے رسولِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی تھے۔ وہ اللہ کا آخری پیغام اہلِ عالم کو پہنچا گئے۔ اس لئے اب کسی نبی۔ امام یا مسیح کے آنے کی ضرورت نہیں۔ رسولِ عربی کی اُمت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو مسلمانوں کو چونکاتے اور آگاہ کرتے رہیں گے جو کام امام تیمیہ۔ علامہ شبلی۔ مرزا حیرت دہلوی اور علامہ محمود احمد عباسی اپنے زمانے میں کر گئے اُسے جاری رکھنے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

چنانچہ یہ کتاب بھی جس کا تعارف لکھنے کی سعادت مجھے ملی ہے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کا مقصد بھی وہی ہے یعنی اسلامی دُنیا سے بت پرستی اور شخصیت پرستی کو مٹانا اور مسلمانوں کو قرآنی اسلام سے رجوع کرنا۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کا تعارف کروا دیا جائے۔

مصنفِ کتاب

نذیر احمد شاکر صاحب کا تعلق جنوبی ہند کے مشہور قبیلے اہلِ نایط (المعروف نوایطوں) سے ہے۔ یہ خاندان جنوبی ہند میں صدیوں سے آباد ہے۔ اور خوب پھلا پھولا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق یہ لوگ سادات

بنو ہاشم سے ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ لوگ آلِ زینب ہیں۔ یعنی سیدہ زینب بنت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اولاد جو اپنے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر طیار سے منسوب تھیں اس طرح یہ طالبی وہاشمی سادات ہیں۔ (شاکر صاحب اس کے مدعی نہیں)

اہلِ نایط ایک مرفع الحال۔ متمدن مہذب اور بے حد مدمغ و ذی علم قبیلہ ہے علم و فضل رشد و ہدایت ان کا خاندانی ورثہ ہے۔ میں نے بھی حیدرآباد دکن میں فارسی اور عربی مولوی صبغت اللہ صاحب سے پڑھی تھی۔ جو اپنی گوری رنگت لمبی گردن اور مخصوص انداز گفتگو کی وجہ سے سب سے مختلف اور سب میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے پاس ایک قدیم لغات تھی۔ جس کا نام صُراح تھا۔ اس میں الفاظ کے معنی تلاش کرنے کے لئے پہلے اس لفظ کا مادہ تلاش کرنا پڑتا تھا۔ پھر اُس کے مشتقات کے معنی معلوم ہوتے چلے جاتے اس طرح ایک لفظ تلاش کرتے ہوئے کئی الفاظ کے معنی معلوم ہو جاتے۔ موصوف نے مجھے اوائل عمر میں وہ طریقہ سکھا کر عربی زبان سے مانوس کر دیا تھا۔

دوسرے بزرگ جن سے میں واقف ہوں بلکہ ساری علمی دُنیا واقف ہے وہ ڈاکٹر حمید اللہ ہیں جو عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے پاکستان آئے یہاں ان کی قدر نہ ہوئی تو فرانس چلے گئے آپ سات زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ اردو اور فارسی میں کتابیں لکھتے ہیں۔ آپ نے یورپ میں اسلام کے چراغ جلائے ہیں۔

تیسرے ایک بزرگ سے غائبانہ متاثر ہوں ان کا نام علامہ محمد یوسف کوکن عمری ہے اُن کی کتاب حیات امام ابن تیمیہ پڑھ کر مجھ میں اِسلام کا صحیح شعور پیدا ہوا یہ معلوم کر کے کہ وہ شاکر صاحب کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ ایسا محسوس ہوا گویا میں اُن سے اور بھی قریب ہو گیا۔ چنانچہ شاکر صاحب نے بتلایا کہ انہوں نے بھی ایک کتاب لکھی ہے تو کوئی حیرت نہ ہوئی میں جانتا تھا کہ ایں خانہ تمام آفتاب است۔ البتہ جب سُنا کہ کتاب حضرت علی کی سوانح حیات پر ہے تو ضبط نہ کر سکا۔

مَیں نے پوچھا کیا گذشتہ ہزار سال میں حضرت علی پر کافی نہیں لکھا جا چکا ہے جو آپ مزید ایک کتاب کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

شاکر صاحب کا چیا تلا جواب تھا۔ اگر ایسی کتاب پہلے لکھی گئی ہوتی تو مجھے زحمت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

پھر انہوں نے وضاحت فرمائی کہ پہلے لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں آپ کو فوق البشر۔ فرشتہ۔ دیوتا۔ اسلامی ابوالہول یا شیرِ خدا بنا کر پیش کیا ہے مگر میں نے اُن کو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات دیکھا اور ظاہر کیا ہے۔

مسودہ دیکھا تو یقین آگیا کہ حقائق خود کو منوا لیتے ہیں خواہ سننے والوں کو دکھ ہی کیوں نہ ہو۔

ابتدائی حالات

شاکر صاحب مینم بور ضلع آرکاٹ صوبہ مدراس میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ مدراس یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا اور اکاونٹینسی کا ڈپلومہ لیا۔ پھر ایک اردو اخبار سے منسلک ہو گئے جو "دی ہندو" مدراس کے مقابلے میں "دی مسلمان" مدراس کے نام سے شروع کیا گیا تھا۔ بعد کو اخبار کی ادارت بھی انہی کو تفویض ہو گئی۔ اسی زمانے میں نواب آرکاٹ نے ان کو اپنا ADC بنا لیا۔ اتنے میں جنگ شروع ہو گئی۔ ان کے شفیق استاد ڈاکٹر عبدالحق نے ان کا نام فوج میں دیدیا تو کمیشن مل گیا۔ دوران ملازمت پنجاب اور یو۔ پی گھومے۔ پھر ڈویژنل لیاژاں آفیسر بنا کر ۳۴ ویں انڈین انفنٹری کے ساتھ سیلون بھیج دیئے گئے۔ پھر فوج سے ریٹائر ہو کر وطن واپس ہوئے اور مسلم لیگ کے ساتھ جنگِ آزادی میں شریک ہو گئے۔

آپ نے فوجی زندگی میں قرآن کا غائر مطالعہ کیا تھا۔ اسلامی تاریخ اور اسلام کے عروج و زوال کے اسباب پر بھی بہت کچھ سوچا تھا۔ اسی لئے جنگِ آزادی میں کود پڑے اور جیت گئے یعنی پاکستان بن گیا تب پتہ چلا کہ یہ عجیب فتح تھی۔ جس نے اپنے ہی وطن کو پردیس بنا دیا۔ جس سرزمین میں پلے بڑھے تھے وہ تنگ ہو گئی تو رختِ سفر باندھا اور مشرقی پاکستان پہنچ گئے وہاں چیمبر آف کامرس میں چیف اکاؤنٹنٹ لگ گئے۔

پندرہ سولہ سال بعد وہاں معلوم ہوا کہ آپ کی قومیت پھر بدل گئی ہے یعنی اب یہ پاکستانی سے بہاری بن گئے تھے تو دل برداشتہ ہو کر مغربی پاکستان چلے آئے۔ (دسمبر ۱۹۶۴ء)

اب ان کے بچے جوان ہو چکے تھے کچھ امریکہ چلے گئے۔ کچھ یہیں برسر روزگار ہو گئے اور ان کے پاس کرنے کو کچھ نہ رہا تو کتابیں سمیٹ لیں اور حضرت علی کی سوانح حیات پر اپنی توجہ مرکوز کر دی جو آپ کے جدِ اعلیٰ بھی تھے۔

شاکر صاحب نے اپنی نسبت و مودت کے جذبات کی تسکین کے لئے حضرت علی کی شخصیت کا انتخاب کیا تھا مگر پندرہ سولہ سال کے مطالعہ اور محنت کے بعد جو شخصیت اُبھری وہ بھیانک اور لرزا خیز تھی۔ بیسویں صدی کا کوئی ذی ہوش انسان ایسی خرافات قبول نہ کر سکتا تھا جو ہندو اور مجوسی معاشروں کی طرح مردہ بزرگوں کی روحوں کی ایذا رسانی یا مرادیں پوری کر سکنے اور کام بنانے سے متعلق پھیلائی گئی تھیں ظاہر ہے اسلام سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔

چنانچہ ان تمام اقتباسات کو ترتیب دینے بیٹھے تو تبصرہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہی تبصرے اس کتاب کی جان ہیں۔ ورنہ روایات تو وہی ہیں جن کو ہمارے جاہل اسلاف ایک ہزار سال تک صحیح سمجھتے رہے۔ اور اب بھی ایک طبقہ انہیں صحیح باور کرانے کی جان توڑ کوشش کرتا رہتا ہے۔

اس کتاب کی خوبی یہی ہے کہ شاکر صاحب نے روایات مِن و عَن حوالوں کے ساتھ نقل کر دی ہیں۔ جہاں بات واضح نہ تھی وہاں تھوڑی سی وضاحت کر دی ہے۔ اس طرح یہ ایک قیمتی تاریخی اثاثہ بن گئی ہے۔ جو پندرہویں صدی کے نوجوانوں کے لئے ہدایت و عبرت کا باعث ہو گی اور اسلام کی سربلندی کے کام آئے گی۔

شاکر صاحب کے خلوص دیانتداری اور عقیدتمندی کا معترف ہونا پڑتا ہے جب ہم اُن سے ایسی روایات بھی سنتے ہیں کہ

حضرت علی بڑے نیک نفس۔ صابر اور سعادتمند انسان تھے۔ چھوٹی سی عمر میں ماں باپ سے بچھڑ کر چچیرے بھائی اور بھابی کے پاس پلنے آگئے۔ اور ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ پھر رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ کی صاحبزادی کی خدمت پر مامور ہوئے جوان سے متوقع تھی۔ پھر خلفاء راشدین کی خدمت میں لگے رہے جس سے ان کو بہت سے معاشی و

معاشرتی فوائد حاصل ہوئے۔ بہت سی بیویاں اور لونڈیاں ملیں اور بہت سے بچّے پیدا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

ان کی اسی شرافت کی بنا پر دشمنوں نے اُن پر غلبہ حاصل کیا۔ ان سے فائدہ اُٹھایا انہیں عرب سے لے جا کر عجم کا بادشاہ۔ امام اور خدا بنا دیا۔ جس سے دُنیائے اسلام میں فساد پھیل گیا۔ مگر ان تمام فروگذاشتوں کی اُن سے باز پرُس نہ ہوگی۔ وہ بدری صحابہ میں تھے جن کی بخشش کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے۔ وہ عشرہ مبشرہ میں تھے اور یقیناً جنتی ہیں۔ البتہ مسلمانوں سے باز پرس ہوگی۔ حضرت علی دراصل مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش تھے جن کی معرفت کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا ہُوا۔

جیسے اللہ تعالےٰ نے ہاروت وماروت دو فرشتے اہل بابل کی آزمائش کے لئے بھیجے تھے۔ وہ لوگوں کو جادو کا علم سکھاتے اور گمراہ کرتے مگر علم سکھانے سے پہلے ان سے کہہ دیتے تھے کہ ہم تمہاری آزمائش کے لئے آئے ہیں۔ اس علم سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ اور تم جہنم میں جاؤگے۔ پھر بھی جو اس پر آمادگی ظاہر کرتا اسے سکھا دیتے۔ اس لئے ان فرشتوں سے کوئی باز پرُس نہ ہوگی وہ اللہ کے حکم سے ایسا کرتے تھے چنانچہ حضرت علی نے بھی جو کچھ کیا۔ اللہ کے حکم اور مشیت کے مطابق کیا اس سے مومن وکافر کا فرق معلوم ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے خود فرما دیا تھا۔

ھلک فی رجلٍ ۔ محبٍ غالٍ وعدوٍ قالٍ

یعنی دونوں طرح کے لوگ مارے جائیں گے۔ وہ بھی جو مجھ سے جھوٹی محبت کریں گے اور وہ بھی جو میرے ساتھ دشمنی کریں گے۔

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً یہ حضرت علی کی پہلی مکمل سوانح حیات ہے جس میں پیدائش سے لے کر وفات تک کے واقعات وسانحات مربوط کئے گئے ہیں اور اس خوبی کے ساتھ کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے گویا وہ خود ممدوح کے ساتھ سایہ کی طرح لگا ہوا چل رہا ہے اور ان کو اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری یقیناً حضرت علی کو پہلی بار انسانی روپ میں

دیکھ کر حیرانی سے پوچھے گا کیا اسی وجہ سے ہمارا مولوی ہم کو جمعے کے خطبے میں سُناتا ہے کہ آپ مظہر العجایب والغرایب تھے اور آپ مشارق ومغارب کے امام تھے۔ آپ اسد اللہ الغالب علیٰ کلِ غالب تھے۔ تو بارہ سو سال تک یہ باتیں بار بار سنانے اور ہمارے کانوں میں گھولنے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی۔ کیا محض اس لئے کہ جھوٹ اور پروپیگنڈے کا فن ہی یہ ہے کہ اسے بار بار سُنایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے باور کریں اور صحیح سمجھ لیں۔

شاکر صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی سچی سوانح حیات مرتب کرکے نہ صرف مسلم نوجوانوں پر احسان کیا ہے بلکہ اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس سے شرک کے دروازے بند ہو جائیں گے سبائی یہودیوں نے حضرت علی کو اسلامی ابوالہول بنا دیا تھا۔ شاکر صاحب نے وہ بُت توڑ کر سنت رسول عربی وابراہیم علیہ السلام ادا کی ہے۔ جو سب سے پہلے بُت شکن تھے۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ والسلام

عزیز احمد صدیقی

اظہارِ تشکر

دینِ اسلام کو طاغوتی تلبیسات سے پاک کرنیکے لئے ہر دور اور ہر زمانے
میں کوئی نہ کوئی پروانۂ توحید سر بکف آجاتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں بنو
عباس کے خاتمے پر جو کام امام ابنِ تیمیہ نے کیا تھا۔ اس صدی کے اوائل میں
مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب شہادت کی پانچ جلدیں لکھ کر سر انجام دیا
کتاب شہادت کی پہلی جلد صفحات ۵۵۰ قیمت ۲۵ روپے
کی اشاعت ثانی کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو بخشی، جس کے
لئے ہم اس کے شکر گذار ہیں۔

مکتبۂ جاء الحق کراچی نمبر ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (سورۃ حجر)

سُنا دے کھول کر دین کی بات جس کا تجھے حکم دیا جا رہا ہے اور مشرکین کی پرواہ نہ کر۔

پیش لفظ

۱۹۳۳ء کا ذکر ہے کہ محرم کی ایک شیعی مجلس میں غلطی سے شامل ہو گیا۔ لکھنؤ کے ایک ذاکر حسین کچھ عجیب انداز میں فرما رہے تھے کہ:-

سدرۃ المنتہیٰ پہنچ کر جبرئیل نے کہا۔" اے محمدؐ! یہ میری پہنچ کی حد ہے۔ اس کے آگے ایک قدم بھی رکھوں تو میرے پر جل کر خاک ہو جائیں گے۔ آپ کا اللہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ خود ہی اس کے حضور پہنچ جایئے۔" یہ کہہ کر جبرئیل غائب ہو گئے اور محمدؐ حیران و پریشان کھڑے رہ گئے۔

جونہی واعظ کی زبان رکی چاروں طرف سے ہو ہا ہو ہک ہک کا شور بلند ہوا۔ میں پریشان ہوا کہ وہ کس بات پر رو رہے ہیں۔ پھر ذاکر کی صدا بلند ہوئی۔

"ندا آئی۔ اے محمدؐ۔ آگے بڑھ" جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ لوگوں نے آہ و زاری شروع کر دی۔ کسی کی آنکھ میں آنسو نہ تھے مگر ایسا لگتا تھا کہ لوگ روتے روتے مرجائیں گے۔ پھر جب شور و غل تھما تو مقرر کی آواز کان کے پردے پھاڑنے لگی۔

"آواز پہچانی ہوئی تھی ۔۔ ۔ " (پھر ہو ہا ہو بک بک کی ہچکیاں)

مقرر نے دوبارہ کہا۔ "آواز پہچانی ہوئی تھی۔ محمد صلعم آواز سن کر بدحواس ہو گئے۔ وہ سر سے لگے۔ خوف سے زبان بند ہو گئی۔ (ہو ہا ہک ہک)

پھر ۔۔ ۔ اے محمد! آگے بڑھ۔

محمد نے کہا "میں کس طرح آگے بڑھوں، کس کے سہارے قدم اٹھاؤں۔ یا رب العالمین! میں بے سہارا کھڑا ہوں۔

ندا آئی۔" اے محمد نظر اٹھا اور اس ہاتھ کے سہارے آگے بڑھ۔"

رسول نے نظر بلند فرمائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ عرش سے ایک ہاتھ آرہا ہے۔ وہ خوف و حیرت سے

کانپنے لگے۔ ہاتھ بار بار دیکھا ہوا تھا۔ وہ علی کا ہاتھ تھا۔ اس ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی تھی جس پر لفظ "علی" کندہ تھا۔

مَیں حیران ہو کر سوچنے لگا۔ کیا حضرت علی' نعوذ باللہ' خدا ہیں۔ ذاکر حسین کے غرّانے کی آواز پھر گونجی

علی کے مرتبہ کو رسول نے اسی وقت پہچانا۔ اس کے قبل وہ علی کو اپنا پروردہ سمجھتے تھے مگر معراج کے دن ان پر حقیقت روشن ہوگئی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مَیں نے بعد کے الفاظ نہیں سنے کیونکہ میں ایسی محفل میں لمحہ بھر بیٹھنے کا روادار نہیں تھا۔ مَیں اہل نایط کا ایک معمولی فرد ہوں۔ اہل نایط حضرت علی رضؓ کے بے حد مداح اور عقیدتمند ہیں۔ ہم حضرت علی کو فیملی سینٹ یعنے اپنے گھرانے کا ولی تصور کرتے ہیں۔ مگر ذاکر حسین نے اس دن ان کو جس رنگ میں پیش کیا اُس سے میرے جذبۂ عقیدت کو ٹھیس لگی اور میں غصہ سے آگ بگولا ہو کر باہر نکل آیا۔

مَیں نے ایک شیعی عالم سے شکایت کی کہ تم لوگوں نے اللہ کے ایک ادنیٰ بندے کا مرتبہ اتنا بڑھا دیا کہ اسے مرتبہ میں اللہ کے درجہ پر پہنچا دیا۔ کہنے لگے کہ جس نے علی کا درجہ جان لیا اس نے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرلی بحار الانوار میں بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ خود رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔ اے علی! معراج کے دن اللہ تعالےٰ نے مجھے تمہیں ہر مقام پر میرے ساتھ رکھا۔ رات کو جبرئیل میرے پاس آئے۔ مجھے آسمان پر لے گئے۔ جب آسمان پر پہنچے تو جبرئیل نے پوچھا آپ کے بھائی کہاں ہیں۔ مَیں نے کہا میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا آپ اللہ سے دعا کریں وہ انہیں یہاں پہنچا دے۔ مَیں نے دعا کی اور تم میرے پاس آگئے۔ ہم دونوں کے آگے ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے تمام مکینوں کو ان کے مکانوں میں دیکھ لیا اور میں نے جو کچھ دیکھا ان سب کو جوں کا توں تم نے بھی دیکھ لیا۔

ایک دوسری روایت میں ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ جس طرح اللہ نے مجھے پانچ چیزیں عطا فرمائیں اسی طرح اللہ نے علی کو بھی میرے برابر پانچ چیزیں عطا کیں۔ مجھے نبی بنایا تو علی کو وصی بنایا۔ مجھے وحی دی تو علی کو الہام دیا۔ مجھے کوثر عطا فرمائی تو علی کو سلسبیل مجھے جامع الکلم بنایا تو علی کو جامع العلم بنایا۔ مجھے معراج عطا کی تو علی کو بھی کیونکہ علی نے شب معراج میں

مجھے دیکھ لیا یہ کہہ کر رسول رونے لگے۔ مَیں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے۔ اے ابن عباس! اللہ نے مجھ سے کہا اے محمد نیچے نگاہ کر۔ مَیں نے نگاہ کی تو آسمان کے دروازے کھل گئے۔ اس وقت مَیں نے علی کو دیکھا تو وہ اپنا سر میری طرف اٹھائے ہوئے تھے اور مجھے دیکھ رہے تھے۔ مَیں نے اُن سے گفتگو کی تو میرے پروردگار نے اس کا جواب دیا۔ جب میں نیچے اتر آیا اور علی کو خبر دی تو علی نے کہا مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ لو مجھ ہی سے سن لو۔ پس میرے رونے کی وجہ یہی تھی کہ اب علی پر میری بزرگی نہیں رہی۔

مَیں نے شیعہ معلم سے کہا کہ بحار الانوار کی روایات نے علی کو درجہ اور بزرگی میں رسول اللہ کے برابر کر دیا۔ مگر کمبخت ذاکر حسین نے تو علی کو خدا بنا دیا۔ جس نے محمد رسول اللہ کو سہارا دیکر سدرۃ المنتہیٰ عرش معلّٰی پر اٹھالیا۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ کے لاکھوں صحابیوں میں سے حضرت علی بھی معمولی درجہ کے ایک ادنیٰ صحابی تھے۔ جو عمر بھر حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے پنج وقتہ نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کی امامت میں حج کرتے تھے۔ ان کے بغیر حضرت علی نے کوئی حج نہیں ادا کیا۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی امیر الحج نہیں ہوئے۔ نہ اس زمانے میں بھی جبکہ وہ خود خلیفہ تھے۔

اس حادثہ کے بعد مَیں نے شیعی مجالس میں کبھی قدم نہیں رکھا مگر پھر بھی میرے دماغ سے علی کے خدا بنائے جانے کا تردد دور نہیں ہوا۔ مجھے رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا کہ آخر علی کون تھے؟ کیا وہ نعوذ باللہ خدا تھے؟ یا خدا کے پرتو یا رسول اللہ کے پالکڑے اور ادنی غلام؟

پھر ایک دن بخاری جلد دوم میں وراثت کے متعلق حضرت عباس رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے درمیان جھگڑے کی حدیث ۳۳۶ باب ۲۴۳ میری نظر سے گزری جس میں درج ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

یا امیرالمومنین' اَقْضِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ هٰذَا الْکَاذِبِ الْآثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ۔

یعنے اے امیر المومنین! آپ میرے اور اس جھوٹے گنہگار دغاباز خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

پھر جب صحیح مسلم میں بھی وہی حدیث نظر سے گزری تو حضرت علی رضؓ کی عجیب وغریب شخصیت کے متعلق زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی آرزو میرے دل میں پیدا ہوئی۔ ذیل کے چند سطور میری اسی آرزو یا کھوج یا جستجو کا نتیجہ ہیں۔

کراچی ـــ ۱۹۷۵ء نذیر احمد شاکر

باب ــ ۱

حضرت علی کا شجرۂ نسب

علی بن عبد مناف بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اُود بن مقوم بن ناحور بن تیرہ بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارح (آذر) بن ناحور بن ساروح بن ارغو بن بالغ جن کا دوسرا نام فالج تھا بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوع جن کا دوسرا نام ادریس تھا بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام

عبد مناف بن قصی

ہاشم

عبد شمس

عبد المطلب

عبد المطلب کی کئی بیویاں تھیں انکی پہلی بیوی فاطمہ سے:

امیہ

حبیب

ربیعہ

پہلا لڑکا زبیر جو عبد المطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ صلعم کے کفیل ہوئے۔

دوسرا لڑکا عبد مناف (ابو طالب)

تیسرا لڑکا عبد اللہ

لڑکی ام حکیم البیضا

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

طالب

عقیل

جعفر طیار

علی

ابی العاص

حرب

کریز یہ رسول اللہ کے پھوپھا تھے ان کی بیوی حکیم البیضاء بنت عبد المطلب تھیں۔

ابی سفیان بن حرب

حضرت امیر معاویہ

یزید بن معاویہ

الحکم

مروان جو اسلام کے آٹھویں خلیفہ تھے

عفان جنکی شادی اروی بنت کریز سے ہوئی

حضرت عثمان ذوالنورین

نوٹ ۱:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام رشتہ داروں کا شجرۂ نسب بھی وہی ہے جو حضرت ابو بکر رضؓ و حضرت عمر رضؓ و حضرت عثمان رضؓ و بنو امیہ، بنو تیم بنو عدی وغیرہم کا نسب بھی حضرت آدم علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔

نوٹ ۲:۔ اس شجرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یزیدؒ بن معاویہ رضؓ بن ابی سفیان رضؓ بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی کا شجرۂ نسب بھی حضرت آدم علیہ السلام سے ملتا ہے لہٰذا حسب نسب میں وہ علی سے کم نہیں تھے۔

نوٹ ۳:۔ ام حکیم البیضاء جو عبد اللہ والد رسول اللہ کے ساتھ توأم پیدا ہوئی تھیں۔ یہی لڑکی رسول اللہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ ان کی شادی کریز بن ربیعہ بن حبیب سے ہوئی ان سے ایک لڑکی اروی نامی پیدا ہوئی جو عفان بن ابی العاص بن اُمیہ سے بیاہی گئی۔ اسی کے بطن سے حضرت عثمان رضؓ پیدا ہوئے۔

تاریخ پیدائش بہت ساری غیر صحیح اور غلط روائیتیں حضرت علی کی عمر کے متعلق کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی کتاب کہتی ہے کہ وہ چودہ برس کے تھے جب مسلمان ہوئے۔ کسی میں لکھا ہے کہ وہ بارہ برس کے تھے وغیرہ۔ مگر صحیح روایت وہی ہے جو طٰہٰ حسین کی کتاب (علی تاریخ و سیاست کی روشنی میں) میں پائی جاتی ہے۔ روایت یہ ہے:۔

کوفہ والوں کے آگے تقریر کرتے ہوئے حضرت علی فرماتے ہیں:۔

"اے پُر دغا لوگو! اے خواب کے بندو! اے پردہ نشینو کے عقلو! خدا کی قسم تم نے اپنی نافرمانی سے میری تدبیریں غلط کر دیں اور مجھے غصہ سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ قریش نے میرے متعلق کہہ دیا۔۔ کہ ابو طالب کا لڑکا بہادر ضرور ہے لیکن لڑائی میں صاحب تدبیر نہیں۔ ان نکتہ چینیوں کے کیا کہنے! مجھ سے زیادہ لڑائی کا ماہر اور مرد میدان کون ہوگا؟ بخدا میری عمر بیس سال بھی نہ تھی کہ میں میدان جنگ میں کود پڑا۔

جنگ بدر کے وقت حضرت علی بیس برس کے لگ بھگ تھے تو بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر پانچ برس کی تھی۔ اس امر کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ کامل المبرد، عقد الفرید، شرح نہج البلاغہ وغیرہم میں اپنی عمر کے بارے میں خود انہیں کا یہ قول درج ہے ۔۔ کہ لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين یعنے میں ہنوز بیس برس کا بھی نہیں تھا کہ بدر

کی ڈرائی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

مقامِ پیدائش

شیعی روایات کے مطابق حضرت علی خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ حکیم بن حزام کے تذکرہ میں مصعب کا قول ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جو خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے اس قول کی تردید کرتے ہوئے حاکم نے لکھا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کا علی کو خانہ کعبہ کے اندر جنا تو تواتر کو پہنچ گیا ہے۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں

"ابو طالب نے اپنے ایک تجارتی سفر میں عیسائی راہب مثرم سے ملاقات کی۔ اس نے کہا۔ تمہارے صلب سے ایک بیٹا ہوگا جو" ولی خدا و پیشوائے متقیاں و وصی رسول و پروردگار عالمیان" ہوگا۔ ابو طالب نے برہانِ دلیل کے لئے اس سے بہشت کا طعام طلب کیا راہب نے دعا مانگی تو رطب وانگور وانار بہشت کا خوان آسمان سے اترا۔ ابو طالب نے انار بہشتی کھایا۔ اس سے ان کے بدن میں جو منی پیدا ہوئی وہ مستقر در رحم مادر ہوئی (جلاء العیون ص ۱۸۶)

حمل قرار پاتے ہی جنت سے ملائکہ نازل ہوئے اور ابو طالب اور ان کی زوجہ کو مبارکباد کہا۔ ساتھ بہشت کے کھجور لائے جن کو میاں بیوی نے کھایا اس سے نطفہ قرار پایا۔ (ملا باقر مجلسی کو معلوم نہیں کہ نطفہ بہشت کے انار کا تھا یا بہشت کے کھجور کا تھا)۔ نطفہ قرار پاتے ہی "از مہابت آنحضرت زمین بحرکت آمد و بتان کعبہ سجدہ کردند" (جلاء العیون) یہ خبر اپنے دوستوں کو سنانے کے لئے ابی طالب طائف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک شیر انہیں دیکھ کر دم ہلانے لگا اور سر اپنا ابی طالب کے پیروں پر ملنے لگا۔ وجہ پوچھنے پر وہ قدرت الٰہی سے گویا ہوا کہ:۔

"توئی پدر شیرِ خدا و یاری کنندۂ پیغمبر خدا و تربیت کنندۂ او" تم ہی شیرِ خدا کے باپ ہو، پیغمبر خدا کی یاری کرنے والے اور تربیت اس سے پانے والے۔

پس اسی دن سے رسول اللہ کی محبت نے ابو طالب کے دل میں جگہ کر لی اور ایمان لے آئے جنگلی شیر کی بات پر۔ اسی وجہ سے ابی طالب نے اپنے بیٹے کا نام حیدر اور اسد رکھا۔ (جلاء العیون) جب ابو طالب نے اپنے نطفہ کو حیدر کرار اور اسد اللہ الغالب کے نام سے یاد کیا تو نطفہ رحمِ مادر میں شیر کے مانند اچھلنے لگا۔ جب کبھی محمد اپنے چچا ابی طالب کے مکان میں داخل ہوتے

تو نطفہ رحمِ مادر میں جوش کرتا اور ماں کو بیقرار کر دیتا تا کہ محمد کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑی ہوں۔ والدۂ علی کی اس حرکت نے ابو طالب کو حیرت میں ڈال دیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ایام حمل میں ان کی زوجہ حضرت محمد صلعم کی غیر معمولی تعظیم کر رہی تھیں۔ وجہ پوچھنے پر بتایا کہ یہ جو میرے پیٹ میں ہے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور میں بے اختیار تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہوں۔

ابو طالب نے دوسرے دن اپنے چھوٹے بھائی حمزہ کو جو پہلوانانِ حجاز میں ممتاز تھے بلایا اور آنحضرت محمد صلعم کی تشریف آوری سے ذرا پہلے بیوی کو درمیان میں بٹھایا۔ ایک طرف خود بیٹھے دوسری طرف حمزہ کو بٹھایا۔ پھر دونوں نے مادر علی کے بازو مضبوط پکڑ لئے۔ مگر جونہی آنحضرت نے قدم گھر میں رکھا مادر علی نے اپنے بازوؤں کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ دونوں زور آزما دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور وہ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور جب آنحضرت صلعم قریب آئے تو

برو آمد از شکم مادر ایں ندا

سلامٌ علیک اے برادرِ مرا ✤ سلامٌ علیک اے رسولِ خدا

(حملۂ حیدری ص ۳۴۳)

پھر جب حمل چھ ماہ کا ہوا تو فاطمہ بنت اسد خانۂ کعبہ میں داخل ہوئیں۔ آسمان کی جانب نظر اٹھا کر گویا ہوئیں۔

اے خدا تجھ پر اور تیرے ہر پیغمبر پر اور ہر کتاب پر جو تو نے نازل کی ہے۔ میں ایمان رکھتی ہوں یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے وہ تیری عظمت وجلال کی نشانیوں میں سے ایک ہے اس کی ولادت مجھ پر آسان کر دے

ندا آئی۔ " اے مادرِ افضل اپنا پیٹ دیوار کعبہ سے مَل"۔ جب مَلنا شروع کیا تو دیوار شق ہوگئی۔ دروازہ نمودار ہوا۔ غیب سے ندا آئی۔ اے مادر افضل اوصیاء اندر آؤ اور بچہ جنو" لوگ کھڑے ہوئے حیران ہو کر تماشہ دیکھتے رہے۔

مادر افضل الاوصیاء کعبۃ اللہ میں داخل ہوئیں۔ تین دن تک اپنے میٹرنیٹی ہوم یعنی زچہ خانہ میں مقیم رہیں۔ چوتھے دن دروازہ کھلا۔ ساتھ ہی ندا بھی آئی

"اے فاطمہ! ہم نے اپنے اسم مقدس سے اشتقاق کر کے نومولود کا نام علی رکھا ہے اور آداب خجستہ سے بچہ کی تادیب کی ہے۔ (جلاء العیون ص۱۹۱)

امور خود را باو تفویض نمودہ ام واو (ابر علوم پنہاں خود مطلع کردہ ام جب زچہ خانہ سے نومولود کو گھر لے جا رہے تھے تو یکایک ایک لوح سبز زمین سے ابھری جس پر کندہ تھا۔

"ہم نے اس نومولود کا نام اپنے نام پر علی رکھا ہے"

ابو طالب نے اس لوح سبز کو کعبہ میں لٹکا دیا جو ہشام بن عبد المالک خلیفۂ بنو امیہ کے زمانے تک آویزاں رہی۔ (ص۱۹۵)

نومولود جب گھر پہنچا تو آنکھیں بند تھیں کیونکہ آفتاب رسالت وہاں موجود نہیں تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو آنکھیں کھول کر نومولود نے سب سے پہلے رسول اللہ کے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی اس موقع پر مولف نے رسول اللہ کا جملہ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ ہے۔

"اے علی! جب تم نے اپنی پہلی نگاہ میرے لئے مخصوص کی تو اب میں اپنا علم تمہارے لئے اور صرف تمہارے لئے مخصوص کر رہا ہوں۔" (مناقب ابن شہر آشوب)

یہ الفاظ سنے تو نومولود نے آنحضرت کو سلام کیا۔ پھر اپنے باپ کو سلام کیا، پھر اپنی ماں کو سلام کیا۔ آنحضرت صلعم نے اپنا دہانِ مبارک بچہ کے منہ میں دیدیا جس سے بارہ چشمے بچے کے منہ میں جاری ہوئے۔ "دوازدہ چشمہ از زبانِ معجز نشانِ آں حضرت در دہانِ امیر المومنین جاری شد" (جلاء العیون ص۱۹۵) نومولود نے بارہ چشموں سے جاری شدہ پانی غٹ غٹ پیا جس کی وجہ سے نومولود کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پانی جاری ہوا۔ تمام حاجی اس پانی سے سیراب ہوئے۔ اسی سبب سے اس دن کا نام "ترویہ" پڑ گیا۔ دوسرے دن نومولود نے آپ کو پہچان لیا اسی لئے دوسرے دن کا نام عرفہ ہوا۔ تیسرے دن یعنے دسویں ذی الحجہ کو ابو طالب نے تین سو اونٹوں اور ایک ہزار "گوسفند وگاؤ" کی قربانی کر کے اہل مکہ کی ضیافت کی۔ اسی لئے اس دن کا نام نحر ہوا اور "ایں روز را عید گردانند"

نومولود کی جسمانی قوت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ بچہ کو کپڑے میں لپیٹا جاتا

لیکن وہ کپڑا پھاڑ ڈالتا۔ چھ مرتبہ نومولود نے جلد دیا مخکم کو پھاڑا۔ پھر مضبوط چمڑا اس پر سے لپیٹا گیا۔ باز آں شیر خدا بقوت ربانی بہ ہمہ از ہم درید" (جلاء العیون ص۱۹۲)

حضرت علی کی پیدائش پر مرزا حیرت دہلوی کی رائے

علی کی والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد تھا۔ جب انہیں دردِ زہ کی بے چینی شروع ہوئی تو ابو طالب محض اس خیال سے کہ کسی بت سے التجا کی جائے کہ ان کی بیوی کی یہ تکلیف نہایت آسانی سے رفع ہو جائے انہیں بت خانہ لے گئے۔ کعبہ ہی اس زمانہ میں سب سے بڑا بت خانہ تھا جہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ جیسے ہی فاطمہ بنت اسد بت خانہ میں داخل ہوئیں اور ایک بت کے روبرو پوجا کرنے کے لئے کھڑی ہوئیں ان کے بچہ پیدا ہوا۔ ابو طالب نے اس بچہ کا نام علی رکھا۔ لہٰذا علی ایک بت کے آگے اس منحوس گھڑی میں پیدا ہوئے جبکہ ان کی ماں بحالت پوجا پاٹ کھڑی تھیں اسی لئے علی کی زندگی میں نجاست کا داغ پایا جاتا ہے (کتاب شہادت)

بچپن علی منحوس گھڑی میں پیدا ہوئے یا نہیں مگر ان کی پیدائش ان کے باپ کے لئے نہایت منحوس ثابت ہوئی

کتاب المجبر ص۱۷۱ پر تحریر ہے کہ جب عبد المطلب کا انتقال ہوا تو ان کے بڑے بیٹے زبیر بنو ہاشم کے سردار ہوئے زبیر اپنے زمانے کے بڑے تاجر اور صاحبِ ثروت شخص تھے۔ وہ قریش کے سخی، بہادر اور جوانمردوں میں سے تھے، اسی کے ساتھ بڑے رحیم کریم اور انصاف پسند بھی تھے۔ زبیر بن عبد المطلب ہی رسول اللہ صلعم کے کفیل ہوئے۔ اس کے برخلاف ابو طالب ایک غریب آدمی تھے۔ جسمانی طور پر وہ نہایت کمزور اور لنگڑے آدمی تھے۔ بڑی تجارت ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ تجارتی قافلے لے کر وہ دور کا سفر اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوشبو کشید کر کے مکۂ معظمہ اور اطراف اکناف کے قریوں میں فروخت کرتے تھے۔ گیہوں اور دوسری اجناس بھی وہ تجارتی قافلوں سے خرید کر کے فروخت کیا کرتے تھے۔

محمد صلعم اپنے بڑے چچا زبیر بن عبد المطلب کے زیر پرورش تھے۔ زبیر کو اپنے چھوٹے بھائی عبد اللہ متوفی اور ان کے اکلوتے فرزند محمد صلعم سے غیر معمولی محبت تھی۔ جس وقت زبیر بن عبد المطلب کا انتقال ہوا حضرت محمد صلعم کی عمر پچیس برس کی تھی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ حضرت محمد صلعم پچیس سال کے تھے۔ جب زبیر بن عبد المطلب کی وفات ہوئی۔ شارح نہج البلاغہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حلف الفضول کے وقت آنحضرت صلعم کی عمر پچیس سال تھی اور حلف الفضول کے بانی زبیر بن عبد المطلب ہی تھے۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص۸۶ پر درج ہے کہ زبیر بن عبد المطلب شاعر اور باعزت شخص تھے اور

انہی کو عبد المطلب نے وصی کیا تھا اور وہی عبد المطلب کے انتقال کے بعد بنو ہاشم کے سردار ہوئے۔ حرب الفجار کی مشہور جنگ میں زبیر بن عبد المطلب نے ہاشمی خاندان کے سردار کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ اور جب وہ تیر چلاتے تھے تو محمد بن عبد اللہ (رسول اللہ) ان کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اس وقت حضرت رسول اللہ کی عمر اٹھارہ بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس سے ظاہر ہے زبیر بن عبد المطلب کے انتقال کے وقت رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال کی تھی۔ آپ کی شادی بھی حضرت خدیجہ سے ہو چکی تھی۔ آپ مکہ کے بڑے تاجر تھے آپ کو کسی دوسرے چچا کی کفالت یا پرورش میں رہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

زبیر بن عبد المطلب کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی عبد مناف (ابو طالب) بنو ہاشم کے سردار ہوئے وہ لنگڑے، نہایت کمزور اور غریب آدمی تھے۔ ایک بڑے کنبہ کی پرورش کا بوجھ ان کے کندھوں پر تھا۔ صاحب سیرۃ الحلبیہ لکھتے ہیں کہ "ابو طالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر جدا جدا کھاتے یا سب مل کر کھاتے تو کسی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ لیکن اگر وہ نبی صلعم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔"

مکہ میں قحط

ابو طالب کی اس قدر تنگی کے موقع پر علی پیدا ہوئے۔ اور جیسے ہی وہ پیدا ہوئے مکہ میں قحط پڑا۔ قحط بھی اس قدر سخت تھا کہ عرب کے باشندوں کو کھانے پینے کی تکلیف ہوئی لوٹ مار کے خوف سے تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت میں کمی واقع ہوئی۔ سالانہ حج کے لئے بھی لوگ کم ہی مکہ آئے تھے۔ بتوں کی نذر و نیاز کی آمدنی بھی ختم ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ابو طالب کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔ اپنے بچوں کی پرورش بھی وہ نہیں کر سکے۔ محمد صلعم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو خفیہ طور پر ان کی مالی مدد فرمائی "سیرۃ الحلبیہ" کے مصنف نے اسی مالی امداد کا تذکرہ کیا ہے جبکہ انہوں نے لکھا ہے کہ "ابو طالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر سب ساتھ کھاتے یا جدا جدا کھاتے تو کسی کا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ لیکن جب نبی صلعم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔" مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلعم کھانا اپنے گھر سے لے جا کر خود ساتھ بیٹھ کر چچا ابو طالب چچی فاطمہ بنت اسد اور طالب عقیل اور جعفر کو کھلاتے تھے تو وہ سیر ہو کر کھاتے تھے ورنہ نہیں۔

یکطرفہ محبّت

حضرت محمد صلعم نے اپنے بڑے چچا زبیر بن عبد المطلب کی کفالت میں پرورش پائی۔ ابو طالب سے آپ کا کوئی واسطہ نہ تھا کتب سیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب کو اپنے چھوٹے بھائی عبد اللہ متوفی کے اکلوتے بیٹے سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی۔ طبقات ابن سعد حصہ ہشتم حالات و صحابیات میں روایت موجود ہے کہ حضرت محمد صلعم نے ابو طالب کی بیٹی فاختہ سے شادی کی خواہش فرمائی تو ابو طالب

نے انہیں انکار کر دیا اور اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک کافر ہبیرہ بن ابی وہب کے ہاتھ میں دیدیا۔ جو رسول اللہ کے خلاف جنگ بدر اور بعد کی تمام جنگوں میں کافروں اور مشرکوں کے ساتھ رہا۔ اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف اشعار کہتا رہا۔ انکا مذاق اڑاتا رہا۔ ان کی ہجو کرتا رہا۔ فتح مکہ کے دن وہ چھپ کر بھاگ نکلا اور نجران پہنچ کر واصل جہنم ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی فاختہ جو اسلامی کتابوں میں ام ہانی کے لقب سے یاد کی جاتی ہے اپنے بچوں کے ساتھ مسلمان ہوئی۔ جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب اسی ام ہانی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے عزت پائی اور علی کے داماد ہو کر ان کے عہد خلافت میں کوفہ و خراسان کی گورنری سے فیض یاب ہوئے۔

غرض ابو طالب کو نہ محمد صلعم سے کوئی واسطہ رہا نہ ان کے دل میں اپنے یتیم بھتیجے کے لئے کوئی ہمدردی تھی۔ مگر ایک مشرک اور کافر چچا کی مجبوری آئندہ ہونے والے رسول سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ محمد صلعم نے نہ صرف غریب چچا کی مالی مدد فرمائی بلکہ ان کی ابتر حالت دیکھ کر اپنے چھوٹے چچا عباس سے فرمایا کہ آپ دولتمند ہیں۔ آپ چچا ابو طالب کے ایک لڑکے کی پرورش کا بوجھ اٹھا لو۔ میں ایک بچہ کی پرورش کا ذمہ لیتا ہوں۔ اس طرح ہم اپنے غریب چچا کے دو بچوں کی پرورش کا بوجھ ان کے کمزور کندھوں سے ہلکا کر سکتے ہیں۔ حضرت عباس نے تجویز قبول کی۔ ابی طالب نے کہا کہ دونوں بڑے بچوں کو میرے لئے چھوڑ دو کیونکہ وہ میرا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ دونوں چھوٹے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ حضرت عباس نے جعفر کو لے لیا۔ رسول اللہ صلعم نے علی کو اپنی گود میں اٹھا لیا کیونکہ وہ اسی قابل تھے یعنے کوئی چار ساڑھے چار سال کے تھے جب وہ رہنے سہنے اور پرورش پانے کے لئے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر پہنچے۔

بچپن کا زمانہ خود علی کے زبانی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

جب میں بچہ تھا رسول اللہ نے مجھے گود میں اٹھا لیا۔ اپنے سینے سے لپٹا لیا اپنے فرش پر مجھے اپنے پہلو میں سلاتے۔ اپنے جسم کو میرے جسم سے مَس کرتے۔ اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے۔ کھانے کا لقمہ پہلے خود چبا کر پھر وہ لقمہ میرے منہ میں دیدیتے۔ - - -

مَیں آپ کی اسی طرح پیروی کرتا جیسے اونٹنی کا بچہ ماں کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے۔ آپ ہر روز مجھے اپنے اخلاق کریمہ کے ایک علم کی تعلیم دیتے۔ ہر سال ایک مہینہ آپ کوہ حرا میں مقیم رہتے پس میں آپ کو دیکھتا۔ میرے سوا کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ - - - مَیں وحی اور رسالت کا نور دیکھتا تھا اور

ریح النبوۃ کی خوشبو سونگھتا تھا جس وقت (غارِ حرا میں) رسول اللہ پر وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی فریاد کی آواز سنی۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی تھی تو فرمایا کہ وہ شیطان کی آواز تھی جو اپنے تسلط سے مایوس ہوگیا ہے ۔۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔ (القاصعہ خطبہ علی ۲۴۲ نہج البلاغہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ بچوں کو اپنی گود میں اٹھا لیا کرتے تھے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کی بھی اسی طرح پرورش فرمائی تھی۔ بلکہ احادیث کی کتابوں میں درج ہے کہ رسول اللہ صلعم حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ کو بہت چاہتے تھے۔ اپنی بڑی لڑکی زینب کے بیٹے علی اور بیٹی امامہ کی پرورش بھی اسی طرح فرمائی۔ بخاری میں ہے کہ نماز کی حالت میں بھی آنحضرت صلعم اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ کا علی کو گود میں اٹھانا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ اپنے تو اپنے، غیروں کے بچوں کو بھی آپ پیارے گود میں اُٹھا لیا کرتے تھے۔

علیؓ اسلام میں کب داخل ہوئے

جس وقت غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی بار وحی نازل ہوئی اس وقت حضرت علیؓ پانچ برس کی عمر کے تھے۔ اس سن صغیر میں کوئی بچہ اپنے دین سے واقف نہیں ہوتا۔ البتہ تتبع کی خصلت اس میں بیدار ہوتی ہے۔ رسولِ خدا کے مبعوث بر رسالت ہونے کے بعد جب بھی اپنے مکان میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ان کے پیچھے خدیجۃ الکبریٰ بھی کھڑی ہو کر نماز پڑھ لیا کرتی تھیں۔ ان کے بچے بھی ماں باپ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کی اتباع کیا کرتے تھے۔ علی بھی چونکہ گھر کے ایک فرد تھے بچوں کی صف میں وہ بھی شامل رہتے تھے۔ بعثت رسول اللہ کے وقت حضرت علی پانچ سال کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ہی ان کی عمر ایسی ہوئی کہ جو باتیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے یا جو افعال رسول اللہ صلعم سے سرزد ہوتے تھے انہیں سمجھیں اور اپنے حافظہ میں محفوظ رکھیں۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ بھی حضرت علی کے اسلام لانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"ہم کو روایت صحیحہ و شہادت قائمہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ (حضرت علی) اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر رکھ سکیں۔"

(شرح نہج البلاغۃ حصہ دوم ص ۷۰۶)

لیکن علامہ ابن اثیر جوزی نے اسد الغابہ فی معارفۃ الصحابہ میں کہیں سے یہ روایت درج کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور خدیجۃ الکبریٰ آپ کے پیچھے کھڑی ہوئی محوِ نماز تھیں تو علی نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ حضورِ انور نے فرمایا یہ اللہ جل جلالہٗ کا دین ہے جو اس نے اپنی ذات کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں تجھے خدا کی طرف اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور لات و عزیٰ سے روگردانی کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ علی نے جواب دیا۔ یہ ایسی بات ہے کہ میں نے آج کے سوا کبھی نہیں سنی۔ میں جب تک ابو طالب سے دریافت نہ کرلوں اپنے کسی فعل میں مختار نہیں ہوں حضورِ انور کو یہ بات ناگوار گزری کہ اس راز کو اعلان ہونے سے پہلے کسی طرح کھولنا مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضورِ انور نے فرمایا اگر تم ایمان نہیں لانا چاہتے تو نہ لاؤ۔ مگر اس راز کو افشاں نہ کرو۔ علی نے ایک رات اسی شش و پنج میں کاٹی۔ پھر خداوند تعالےٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت القاء کی۔ دوسرے دن صبح کو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا محمدؐ! کل آپ نے مجھے کچھ ارشاد فرمایا تھا۔ حضور نے فرمایا تو اس امر کی گواہی دے کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ لات اور عزیٰ سے بیزار ہو جا۔ علی نے ایسا ہی کیا اور مشرف باسلام ہوگئے۔

عقل سلیم ابن اثیر جوزی کی روایت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ پانچ سال کا بچہ اتنی بڑی باتیں نہیں کر سکتا۔ اسلام میں کوئی راز کی بات نہیں ہے جسے چھپانے کی ضرورت تھی۔ خدائے تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ۔ تم پر جو نازل کیا جاتا ہے اسے سب کو بتا دو۔ خدا کے سب سے بڑے پیغمبر نے ایک ناسمجھ پانچ سالہ طفل صغیر سے راز افشاں نہ کرنے کی درخواست کبھی نہیں کی ہوگی۔

لڑکپن

مکہ میں ان کا لڑکپن کیسے گزرا۔ اس کے متعلق بہت کم مواد کتابوں میں ملتا ہے۔ رسول خدا کو رسالت کا منصب عطا ہوا تو اس کی بجا آوری میں صبح و شام منہمک رہنے لگے۔ خود اپنی دور دراز تک پھیلی ہوئی ذاتی تجارت سے بھی آپ کی توجہ ہٹ گئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے علی کی دیکھ بھال کا ذمہ اپنے سر لے کر رسول اللہ صلعم کو دنیاوی بکھیڑوں سے بالکل آزاد ہو کر اللہ کے دین کی تبلیغ میں ہر وقت منہمک رہنے کا موقع عطا کر دیا۔ بہرحال حضرت علی رسول اللہ صلعم کی صحبت میں اس طرح نہیں تھے جس کا تصور ہمارے دماغوں میں پیدا کیا گیا ہے۔ وہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور سایہ ہرگز نہیں چلتے پھرتے تھے۔ ان کی عمر ہی اس وقت کیا تھی؟ رسول اللہ کی صحبت میں ان دنوں دن رات بیٹھنے اٹھنے

والے حضرت ابوبکرؓ تھے، حضرت عمرؓ تھے اور حضرت عثمانؓ جیسے لوگ تھے۔ حضرت علی کی پہنچ وہاں تک نہیں تھی۔ علی خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا "میں اور ابوبکر اور عمر تھے" "میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا" "میں اور ابوبکر اور عمر باہر نکلے" "میں ابوبکر و عمر اندر داخل ہوئے" ازالۃ الخفا میں درج ہے۔ "قال علیؓ کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت انا وابوبکر وعمر و فعلت انا وابوبکر وعمر و خرجت انا و ابوبکر وعمر و دخلت انا وابوبکر وعمر" (جلد اول ص ۱۴۹)

لہٰذا پیغمبر خدا کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہنے والے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت علی کی رسائی وہاں تک نہیں تھی یعنی بزرگوں کی موجودگی میں علی کی حقیقت ہی کیا تھی!

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں پیغمبر خدا عرب کے سرداروں سے دن رات ملتے رہتے تھے، ایام حج میں وہ مختلف قبائل کے خیموں میں پہنچ کر ان کو دین اسلام پیش کرتے تھے۔ اس وقت رسول کے ساتھ ابوبکر و عمر و عثمان و زید بن حارثہ وغیرہ ہوتے تھے۔ کبھی کبھی مکہ کے مشرکین رسول اللہ پر زیادتی کر بیٹھتے تھے، تو ان کی مدد کے لئے حضرت ابوبکرؓ حضرت حمزہ وغیرہم پہنچتے تھے۔ اس وقت نہ علی نظر آتے تھے نہ علی کے جہنمی باپ۔ ایک دن خانۂ کعبہ میں بحالت سجدہ رسول اللہ صلعم کی پیٹھ پر اونٹنی کی اوجھڑی رکھ دی گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دور پھینکا تھا۔ علی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ وہ کھاتے اور سوتے رسول اللہ کے گھر میں تھے مگر باقی وقت اپنے مشرک باپ کی صحبت میں گزارتے تھے۔ ابن اثیر جوزی کی روایت سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔ جس میں علی کہتے ہیں "یہ ایسی بات ہے کہ میں نے آج کے سوا کبھی نہیں سنی۔ میں جب تک ابوطالب سے دریافت نہ کرلوں اپنے کسی فعل میں مختار نہیں ہوں"

بچپن کا ایک واقعہ

کامل ابن اثیر جلد دوم میں حضرت علی کے بچپن کا ایک واقعہ درج ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے حضرت علی سے کہا کہ "اے علی ہمارے لئے ایک صاع یعنے ڈھائی سیر کی روٹی، بکری کی ران کا سالن اور ایک بڑا پیالہ دودھ کا بھر کر لاؤ، اور بنی عبدالمطلب کو جمع کرو" علی کہتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے کہ ان میں سے تنہا ایک آدمی وہ سب کھانا کھا سکتا تھا جس کو سب نے کھایا۔ چالیس آدمی جمع تھے اور دودھ بھی چالیس آدمیوں کے لئے تھا۔" میں سب میں کمسن تھا۔ اور میری آنکھوں میں سفید کیچڑ تھا۔ میرا

پیٹ بڑا تھا اور میں پتلی پنڈلیوں کا تھا"

علی وصی اور خلیفہ کیسے بنے

اسی واقعہ کو دوسری کتاب میں یوں بیان کیا ہے کہ حضرت علی کے ایک بیان کے مطابق جب یہ آیت وانذر عشیرتک والاقربین رسول اللہ پر اتری تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا، اے علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی کنبے والوں کو ہدایت کروں۔ مگر میں مجبور ہوں (یعنے ڈرتا ہوں) کیونکہ جب میں ان کو اپنی دعوت دوں گا وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے اسی خوف سے میں حکم کی بجا آوری کو ٹال رہا تھا مگر جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا اے محمدؐ! اگر تم اللہ کے اس حکم کی بجا آوری نہ کروگے تو تمہارا رب تم کو عذاب دے گا۔ اسلئے تم آدھ سیر تین پاؤ کا کھانا پکاؤ۔ اس پر بکری کی ران بھون کر رکھ دینا۔ اور دودھ سے بھرا ہوا کٹورا لاؤ اس کے بعد بنو عبدالمطلب کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں ان سے گفتگو کروں اور اللہ کے حکم کو ان تک پہنچا دوں۔ (علی کہتے ہیں کہ) میں نے رسول کی فرمائش پوری کردی اور تمام بنو عبدالمطلب کو جو اس زمانے میں کم وبیش چالیس مرد تھے۔ آپ کے پاس بلا لایا۔ ان میں آپ کے چچا ابوطالب بھی تھے، حمزہ عباس اور ابولہب بھی تھے۔ سب کے جمع ہوجانے کے بعد رسول اللہ نے کھانا لانے کا جو میں نے تیار کرکے رکھا تھا حکم دیا میں نے اسے لاکر سامنے رکھ دیا۔ رسول اللہ نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے دانتوں سے چیرا اور اس کو خوان کے کناروں پر رکھ دیا، اور سب سے کہا کہ بس بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیجئے تمام جماعت نے شکم سیر ہوکر کھانا کھالیا۔ مجھے صرف ان کے ہاتھ چلتے دکھائی دیتے تھے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے کہ جتنا کھانا میں نے ان کے لئے تیار کیا تھا، ان میں سے ہر ایک اس تمام کھانے کو کھا جاتا۔ کھانے کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ ان سب کو دودھ پلاؤ۔ میں نے وہ کٹورا لاکر ان کو دیا اسے پی کر وہ سب سیر ہوگئے۔ حالانکہ بخدا وہ صرف اتنا تھا کہ ان میں کا ہر شخص اسے پی جاتا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے چاہا کہ ان سے گفتگو کریں مگر آپ کے بولنے سے پہلے ہی ابولہب نے کہا کہ "عرصہ سے تم پر جادو کر تا رہا ہے"۔ یہ سن کر تمام جماعت اٹھ کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ نے کہا کہ اے علی! تم نے دیکھا اس شخص نے مجھے بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔

کل پھر اسی قدر کھانے کا انتظام کرو اور ان سب کو میرے پاس بلاؤ۔

بنو عبد المطلب کو مکرر دعوت

حسب الحکم دوسرے دن بھی میں نے اسی قدر کھانے اور دودھ کا انتظام کرکے سب کو رسول اللہ کی خدمت میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ جب وہ آگئے تو آپ نے کل کی طرح کھانے کا حکم دیا آپ نے آج بھی وہی کیا جو کل کیا تھا۔ اس کی برکت سے سب نے سیر ہو کر کھا لیا۔ پھر آپ نے مجھے کہا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔ میں اس کٹورے کو لے آیا اسی سے وہ سب سیر ہو گئے۔

اس سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اے بنو عبد المطلب! میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو، جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس بھلائی کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون اس معاملہ میں میرا بوجھ بٹانے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تاکہ وہ میرا بھائی بنے، میرا وصی ہو اور تم میں میرا جانشین ہو؟ لوگ سب کے سب ساکت و صامت رہے کسی نے حامی نہیں لی۔ البتہ میں نے کہا حالانکہ میں اس جماعت میں کم عمر تھا۔ میں آٹھ سال کا تھا میری سب سے زیادہ چھوٹی آنکھیں تھیں۔ پیٹ بڑا تھا اور پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں۔ اے اللہ کے نبی میں تمہارا وزیر بنتا ہوں۔ رسول اللہ نے میری گردن تھام کر کہا۔ "یہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔"

اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی اور انہوں نے ابو طالب کو طعنہ دیا۔ کہا تم کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

سچی روایت

یہی بات حدیث کی کتابوں میں عبد اللہ بن عباس رضی سے اس طرح مروی ہے کہ جب یہ آیت فانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم آبادی سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھے اور وہاں سے قوم کو پکارا کہ میرے پاس آؤ لوگوں نے باہم پوچھا کہ کون پکار رہا ہے۔ کہا گیا محمدؐ۔ آپ نے پھر نام لے لے کر کہ اے عبد المطلب کی اولاد، اے عبد مناف کی اولاد، اے فلاں کی اولاد، سب میرے پاس آؤ۔ جب سب آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ فرمایا۔

"اگر میں تم یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے زبردست رسالہ نکل کر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے کہا آج تک ہم اس بات سے واقف نہیں ہوئے کہ تم نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ اب آپ نے فرمایا

"فانی نذیرٌ۔ لکم بین یدی عذابٌ شدیدٌ"۔ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو کیا اسی لئے تو نے ہمیں بلایا تھا۔ یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے جلسے سے اٹھ گیا تب یہ سورۃ نازل ہوئی

تبت یدا ابی لہب و تب

ایام مقاطعہ اور علی

حقیقت اور کہانی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ علی کو وصی اور وزیر بنانے کے لئے شیعوں نے بہت پاپڑ بیلے سینکڑوں بے سروپا کہانیاں بنا ڈالیں مقاطعہ کے ایام میں جب کہ بنو ہاشم کے سارے افراد کو شعب بنو ہاشم میں بند کر دیا گیا اس زمانے میں حضرت علی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کسی کہانی کی شیعی مذہبی کتاب میں کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضرت علی نے سوشل بائیکاٹ کے کٹھن دن کیسے گزارے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں وہ اپنے دونوں چچاؤں یعنے ابولہب اور ابوجہل کے گھروں میں اپنا زیادہ وقت گزارتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ سوشل بائیکاٹ کے زمانے میں کھانے پینے کی چیزیں بنو ہاشم کے گھرانوں میں میسر نہ تھیں۔ مگر ابولہب بنو ہاشم کا فرد ہونے کے باوجود مشرکین مکہ کے سرداروں میں سے تھا۔ وہ رسول اللہ صلعم کا ذاتی طور پر دشمن تھا۔ اس کے گھر میں کھانے پینے کی اشیاء میں سے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ رسول اللہ کا پڑوسی بھی تھا۔ حضرت علی کو اس کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں تھی۔ وہ چچا تھا اور ابو طالب کے بعد بنو ہاشم کا سردار بھی ہوا۔ علی بھی صغیر سن تھے اسی لئے بنی ہاشم یا قبائل عرب میں سے کسی شخص نے علی کے مسلمان ہو جانے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ ان کا اسلام بھی ان کو چچاؤں کے گھر جانے سے روکتا نہیں تھا۔ ابوجہل کے گھر سے تو ان کو اتنی محبت تھی کہ خاتون جنت فاطمہ بنت رسول اللہ پر سوت (سوکن) لانے کے لئے حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی ہی کا انتخاب کیا تھا۔

ابو طالب کو سپرد خاک کس نے کیا؟

عام طور پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ابو طالب کو حضرت

محمد صلعم سے اتنی محبت تھی کہ انہیں ہمیشہ اپنے ہی ساتھ رکھتے تھے۔ باہر جاتے تو ساتھ ل
ان کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتے۔ "سیرۃ الحلبیہ" میں لکھا ہے کہ ابوطالب کو مال کی اتنی ک
وہ اپنے بال بچوں کو پیٹ بھر کھانا بھی نہیں کھلا سکتے تھے۔ مگر ابوطالب نے بچپن ہی سے ر
صلعم کے خرق عادت و معجزات کا مشاہدہ کیا۔ وہ جب نبی صلعم کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھا
سب شکم سیر ہوکر کھاتے ان کو اپنے ساتھ نہ بٹھاتے تو کسی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ تاریخی ک
لکھا ہے کہ ابوطالب نے اپنے ایک تجارتی سفر میں محمد صلعم کو اپنے ساتھ رکھا تو انہوں نے دیکھا
ابر کا سایہ ہر وقت رہتا تھا۔ ایک عیسائی راہب نے ان سے ملاقات کرکے کہا کہ تم اس بچہ کو شام نہ
کیونکہ یہ ایک نبی ہوگا۔ ہماری مذہبی کتابوں میں آئندہ پیدا ہونے والے نبی کے متعلق جو نشا
درج ہیں وہ اس بچہ میں ساری کی ساری موجود ہیں۔ شام کے یہودی اس بچہ کو ہلاک کرد
منصوبہ بنا چکے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ابوطالب بچپن سے رسول اللہ صلعم کے خرق
کا مشاہدہ کرتے رہے، ان کو رسول اللہ صلعم سے عشق تھا مگر اعلانِ نبوت کے بعد نہ انہو
بھتیجے کا کبھی کلمہ پڑھا، نہ ان کے رسول ہونے پر ایمان لائے، نہ ان کو دشمنوں کے نرغے سے بچ
کے لئے کبھی خود کوشش کی نہ اپنے بیٹوں طالب اور عقیل کو بھیجا۔ رسول اللہ کو مشرکین کی د
درازیوں سے بچانے کے لئے صرف حضرت ابوبکرؓ پہنچتے تھے یا چند سال کے بعد حضرت حمزہ جو
کی بدکلامی پر طیش کھا کر اس سے لڑ پڑے اور اسلام میں شامل ہوگئے۔ ابوطالب ان بدبخ
چچاؤں میں سے ہیں، جنہوں نے آنحضرت صلعم کے اصرار کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا ا
جہنم کے اسفل السافلین میں اپنا ٹھکانا بنایا۔

دادا عبدالمطلب کے انتقال کے بعد حضرت محمد صلعم اپنے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی
میں پرورش پاتے رہے۔ انہیں کے ساتھ وہ تجارتی سفروں میں شریک رہے۔ انہیں کی زوجہ م
کو رسول اللہ صلعم "اُمی" یعنی "میری ماں" کہہ کر پکارتے تھے۔ (کتاب نسب قریش
اس میں شک نہیں کہ زبیر بن عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ابی طالب بنوہاشم کے سرد
ہوئے۔ مقاطعہ کے ایام میں انہوں نے بہ سبب معذوری و مفلسی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
کا ساتھ دیا یعنی شعب بنوہاشم میں بند رہے نہ کہ تمام بنوہاشم جو ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے

غرض سوشل بائیکاٹ کے موقع پر ابوطالب کا رسول اللہ صلعم کی پشت پناہی کرنا، محمد صلعم سے کسی محبت یا ہمدردی کی وجہ سے نہیں تھا۔

چند برسوں کے بعد ایک دن حضرت علی نے ابوطالب کے مرنے کی خبر سنائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جاؤ اپنے باپ کی میت کو ٹھکانے لگاؤ۔ رسول اللہ صلعم اپنے چچا کی میت کو ڈھیلا دینے خود نہیں گئے۔ کیونکہ کسی مشرک کافر اور مردود۔ مردہ کو ایک پیغمبر خدا ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ علی کو کافر باپ کے گور و کفن میں مدد دینے کے لئے بھیج دیا۔ اور وہ جب واپس آئے تو غسل کرکے پاک صاف ہو لینے تک گھر کے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

باب — ۲

حضرت علیؓ کا رسول اللہ کے بستر پر سو جانا

اسلام کے تمام گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ ہجرت کی رات حضرت علی نے رسول اللہ کے بستر مبارک پر سو کر اپنی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی بڑے نڈر تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر پیغمبر اسلام کی حضرمی اُونی چادر اوڑھ کر سو گئے حالانکہ اس رات اس بستر پر سونے والے کی موت یقینی تھی۔ کیونکہ کفار رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے کے لئے باہر جمع ہو چکے تھے۔

علامہ طبری تاریخ الامم کے حصہ اوّل میں لکھتے ہیں:۔

حضرت محمدؐ کی روانگی

حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلعم سے آکر کہا کہ آپ آج رات اپنے اس بستر پر جس پر آپ معمولاً استراحت فرماتے ہیں نہ سوئیں۔ چنانچہ حسب قرار داد عشاء کے بعد کفار آپ کے دروازہ پر جمع ہوئے۔ اور تاک میں تھے کہ جب آپ سو جائیں وہ حملہ کر کے آپ کو ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلعم نے جب دیکھا کہ کفار آ گئے ہیں، انہوں نے ابن ابی طالب سے کہا۔

"تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری سبز حضرمی اونی چادر اوڑھ لو اور سو جاؤ۔

تم کو ان کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

رسول اللہ صلعم جب سوتے تھے تو اسی چادر کو اوڑھتے تھے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ اس قصہ میں اس مقام پر بعض راویوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے علی بن ابی طالب سے یہ بھی کہا کہ اگر ابن ابی قحافہ تمہارے پاس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں جبل ثور جاتا ہوں تم میرے پاس آجاؤ۔ (علی کو مزید حکم دیا) تم مجھے بھی کھانا بھیجنا کرایہ کا ایک رہنما بھی بھیجنا جو مجھے مدینہ کے راستے لے جائے۔ اور میرے لئے ایک اونٹنی بھی خرید لینا۔ یہ ہدایت دیکر رسول اللہ صلعم چلے گئے۔ جو لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے رہے ان کی آنکھیں بند کر دی گئی تھیں ان کو کچھ نظر نہیں آیا اور آپ ان کے سامنے سے نکل گئے۔"

ابو جعفر مزید کہتے ہیں:

اللہ نے ان کو اندھا کر دیا آپ ان کو نظر نہیں آئے۔ آپ مٹی کو ان کے سروں پر ڈالتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے یٰسٓ والقرآن الحکیم ۔۔۔۔۔۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدًا وّمن خلفھم سدًا فاغشینا ھم فھم لا یبصرون تک

جب آپ ان آیتوں کی تلاوت سے فارغ ہوئے ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ آپ نے اس کے سر پر مٹی نہ ڈال دی ہو۔ پھر آپ جہاں جانا چاہتے تھے چلے گئے۔

کسی دوسرے شخص نے جو ان کے ساتھ نہ تھا وہاں آکر ان سے کہا کہ تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمدؐ کا۔ اس نے کہا۔ اللہ نے تمہارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ محمدؐ تمہارے سامنے سے چلے گئے۔ انہوں نے تم سے ہر شخص کے سر پر مٹی ڈال دی۔ وہ اپنی راہ چلے گئے۔ تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ تمہارے سروں پر کیا ہے؟ ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اس پر مٹی تھی۔ اب انہوں نے تانک جھانک شروع کی۔ اندر دیکھا تو علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر تانے سو رہے تھے۔ کہنے لگے کہ یہ ضرور محمدؐ ہے صبح تک وہیں کھڑے انتظار کرتے رہے

صبح کو علی بستر پر سے اُٹھے۔ اب ان کو معلوم ہوا کہ جو بات (رات میں) ان سے کہی گئی تھی وہ بالکل سچ تھی۔

بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابو بکرؓ علیؓ کے پاس آئے اور ان سے نبی صلعم کے متعلق دریافت کیا۔ علیؓ نے کہا کہ وہ غار ثور چلے گئے ہیں۔ تم چاہو تو وہاں ان کے پاس چلے جاؤ۔

ابو بکرؓ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلعم کے پیچھے چلے۔ راہ ہی میں آپ کے ساتھ آملے۔ رسول اللہ نے رات کی تاریکی میں ابو بکرؓ کی چاپ سنی تو آپ نے سمجھا کہ کوئی مشرک آرہا ہے۔ اس خیال سے آپ قدم بڑھا کر بڑی سرعت سے چلنے لگے۔ جس سے آپ کے جوتے کا اگلا حصہ پھٹ گیا اور ایک پتھر کی ٹھوکر سے پاؤں کا انگوٹھا زخمی ہوا۔ جس سے زیادہ خون بہنے لگا۔ ابو بکرؓ کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح میرے تعاقب سے آپ کو تکلیف ہو گی۔ انہوں نے بلند آواز سے آپ سے کلام کیا۔ رسول اللہ صلعم نے انہیں پہچان لیا۔ اور کھڑے ہو گئے۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو دونوں مل کر چلے۔ رسول اللہ صلعم کا تمام پاؤں خون سے بھر گیا تھا۔ اسی طرح صبح ہوتے ہوتے

آپ غار ثور پہنچے اور اس کے اندر چلے گئے۔

کفار مکہ اور حضرت علی

دوسری طرف صبح کے وقت وہ مشرک جو آپ کی تاک میں تھے (آپ) کے گھر میں گھسے۔ علیؓ بستر پر سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے۔ قریب جاکر انہوں نے پہچانا کہ یہ علیؓ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ علیؓ نے کہا میں نہیں جانتا۔ کیا میں ان کا پاسبان تھا کہ ان کی نگرانی کرتا؟ تم نے ان سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ وہ چلے گئے۔ مشرکین نے ان کو خوب ڈانٹا مارا۔ اور مسجد میں لے جاکر تھوڑی دیر کے لئے قید رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ ——— (طبری سیرت النبی حصہ اول ص ۱۲۸، ۱۳۰)

علامہ طبری کی روایات اکثر دلکش اور پُر لطف انداز کی ہوتے کے باوجود حقیقت اور اصلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں ان کی روایات میں خیالی باتیں تفنن طبع کے طور پر بیان کی جاتی ہیں ان میں قصہ خوانی کا مذاق ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ اثیر کی روایات

علامہ ابن الاثیر الجزری اپنی کتاب تاریخ الکامل جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔

بی بی عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صبح یا شام ایک مرتبہ ہر روز ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن جس دن آپ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ اس روز ہمارے یہاں دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ خلاف عادت آپ کے تشریف لانے کو دیکھ کر بولے اس وقت جو آپ تشریف لائے تو کوئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جب اندر تشریف لائے اور چوکی پر بیٹھے تو فرمایا اگر یہاں کوئی غیر ہے تو اسے باہر نکال دو۔ ابوبکرؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ میری دو بیٹیاں ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی نہیں آپ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا میں بھی ساتھ چلوں گا۔ فرمایا چلو۔ اس کی حضرت ابوبکرؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ فرحت کے مارے رو پڑے۔ اور عبداللہ بن اریقط کو جو بنی بکر سے تھا اور مشرک تھا۔ اجرت پر لیا کہ وہ ان کو راستہ بتائے۔

رسول اللہ کے نکلنے کا حال بجز حضرت ابوبکرؓ اور آلِ ابی بکر کے اور کسی کو معلوم نہیں تھا حضرت علی کو رسول اللہ نے حکم دیا تھا کہ وہ مکہ ہی میں رہ جائیں اور جو ودائع ان کو آپ نے دیدی تھیں۔ انہیں جن جن کے ہیں ان کے حوالے کردیں۔ بعد ازاں آپ کے پاس چلے آئیں۔

آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے پیچھے جو کھڑکی تھی اس سے نکل کر چلے تھے تاکہ کسی کو خبر نہ ہو بہرحال دونوں صاحب ثور پہاڑ کے غار میں گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دے گئے کہ مکہ میں جو جو واقعات آپ کے پیچھے ہوں۔ وہ دن میں سنتے رہیں اور رات میں آپ کے پاس غار میں آکر سنا دیا کریں۔ اور عامر بن فہیرہ کو جو حضرت ابوبکرؓ کا مولیٰ تھا یہ حکم دیا کہ دن میں وہ بکریاں چرایا کرے اور رات کو بکریاں ان کے پاس لے آیا کرے۔

اس طرح غار میں دونوں صاحب تین روز رہے۔ ادھر قریش نے یہ اشتہار دیدیا کہ جو کوئی محمدؐ کو پکڑ لائے اسے سو اونٹ دیں گے۔ ادھر عبداللہ بن ابوبکر جب صبح کے وقت آپ کے پاس سے لوٹتے تو عامر پیچھے پیچھے ان کے بکریاں لے جاتا جس سے عبداللہ کے پیر کے نشان مٹ جاتے۔

جب تین دن گزر گئے اور لوگ چپ چاپ ہوگئے تو ان کے پاس ان کا راہبر آیا اور دو اونٹ لایا۔ ایک اس سے رسول اللہ صلعم نے قیمت دیکر لیا تھا۔ اس پر آپؐ سوار ہوگئے پھر دونوں سوار چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مولیٰ عامر بن فہیرہ کو بھی اپنے ساتھ پیچھے بٹھا لیا کہ راستہ میں خدمت کرتا جائے۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم ہجرت کر گئے تو کچھ لوگ قریش کے ہمارے یہاں آئے۔ ان میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ آکر ابوبکرؓ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے۔ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ ابوجہل نے ہاتھ اٹھا کر میرے گال پر ایک ایسا زور دار طمانچہ مارا کہ جس سے میرا بُندا گر پڑا۔ وہ بڑا بدکار اور خبیث آدمی تھا۔ ہم بہت غمگین تھے اور ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ صلعم کہاں گئے ہیں۔

بخاری کی روایت

بخاری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اجازت طلب کی۔ آپ کو اجازت دی گئی تو آپ اندر تشریف لائے اور فرمایا جو لوگ تمہارے پاس ہوں ان کو ہٹادو۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر سے فدا ہوجائے۔ یہاں پر تو صرف میرے ہی گھر والے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ہجرت کی اجازت دیدی گئی۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میرا باپ آپ پر فدا ہو جائے مجھے بھی رفاقت میں لیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ابوبکرؓ نے کہا میری

دو اونٹنیوں میں سے آپ ایک لے لیجئے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہم تو بقیمت لیں گے۔ عائشہ رض کہتی ہیں ہم ان کو بہت سرعت کے ساتھ تیار کرنے لگے۔ اور ہم نے ان دونوں کے لئے کچھ ناشتہ ایک چمڑے کی تھیلی میں رکھ دیا۔ پھر اسماء بنت ابی بکر نے اپنے ازاربند کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اس سے تھیلی کا منہ بند کر دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین رکھا گیا حضرت عائشہ رض کہتی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رض جبل ثور کے غار میں جا چھپے۔ تین دن تک وہیں چھپے رہے۔

عبد اللہ بن ابوبکر رض شب کو ان کے پاس رہتے تھے وہ اس زمانے میں سمجھدار اور ذہین نوجوان تھے۔ رات میں ان کے پاس غار ثور میں رہتے تھے اور آخرِ شب کو اندھیرے میں وہاں سے چل دیتے تھے۔ صبح قریش کے ساتھ مکہ میں کرتے تھے مثل اس شخص کے جو شب کو وہیں رہا ہو۔ پس جو کوئی بات وہ ایسی سنتے جس سے ان کے ساتھ فریب کیا جاتا ہو تو اس کو یاد رکھتے اور اس خبر کو اندھیرا ہونے کے بعد دونوں کے پاس لے جاتے۔ ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں انہیں کے قریب رکھتا تھا اور جب رات گزر جاتی تو وہ ان بکریوں کو ان کے پاس لے جاتا۔ پس وہ شب کو انہیں بکریوں کا دودھ دہی کھاتے اور صبح کو اندھیرے ہی میں عامر بن فہیرہ ان بکریوں کو ہانک لے جاتا تھا۔

رسول اللہ صلعم اور ابوبکر رض نے ایک شخص کو مزدوری میں لگا لیا۔ وہ بنی عبد بن عدی میں سے تھا بڑا واقف کار رہبر تھا۔ وہ عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا اور کفار و قریش کے دین پر تھا۔ پس ان دونوں سواریوں کو لے آنے کا وعدہ اس سے لے لیا۔ اور ان سواریوں کے ہمراہ عامر بن فہیرہ اور رہبر چلا اور اس رہبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رض کو دریا کے کنارے کے راستے پر لگا دیا۔

(تفسیر پارہ پندرہ ص ۱۷۹)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سوائے عبد اللہ بن ابی بکر رض و عامر بن فہیرہ اور رہبر کے کسی اور کو مطلق خبر نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رض کہاں چھپے ہیں بخاری کی روایت کی موجودگی میں طبری کی روایت بالکل بکواس معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رض کے گھر سے روانہ ہوئے۔ حضرت علی کو حکم تھا کہ وہ دو چار دن تک مکہ ہی میں ٹھہر کر جن جن کی امانتیں رکھی تھیں انہیں واپس کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ حضرت علی رض نے اس حکم کی تابعداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ لہٰذا رات کے وقت حضرت ابوبکر رض کا علی کے پاس جانا، ان سے

نبی صلعم کے متعلق دریافت کرنا علی کا جواب دینا کہ وہ غارِ ثور میں ہیں۔ اگر تم چاہو تو وہاں جا سکتے ہو پھر ابوبکر رض کا تیزی سے قدم بڑھا کر رسول اللہ کے پیچھے پیچھے چلنا اور رسول اللہ کا ٹھوکر کھانا، اور پاؤں سے خون بہہ کر جوتا بھر جانا وغیرہ ایرانی دماغ کی کارستانی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری بھی ایرانی تھے۔ ان سے یہی کچھ متوقع ہے۔

علی نڈر تھے؟

مومن صرف اللہ سے ڈرتا ہے کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ علی بھی مومن تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یقین دلایا تھا کہ "میری سبز حضرمی اونی چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ تم کو ان لوگوں کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"۔ نبی صلعم کی اس یقین دہانی کے باوجود اگر علی کے دل میں ڈر ہوتا تو تاریخ میں ان کا نام بزدلوں کی فہرست میں لکھا جاتا۔

اس کے باوجود حضرت علی کے پیرو حضرت علی کو بزدل اور ڈرپوک سمجھتے ہیں مثلاً ابو اسحاق الثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "جب حضور انور نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو علی کو اپنا قرض ادا کر دینے اور لوگوں کی امانتیں ان کو واپس کر دینے کے لئے اپنے پیچھے مکہ میں چھوڑا۔ اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور فرمایا میری سبز رنگ کی حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو۔ تمہیں ان لوگوں کے ہاتھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور میکائیل کو اپنے حضور طلب کر کے حکم دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کو ان کے دشمنوں سے بچاؤ۔ یہ سنتے ہی جبرئیل اور میکائیل دونوں نے زمین کی طرف پرواز کی۔ جبرئیل علی کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور میکائیل پائینتی اور تمام رات ان کی حفاظت کرتے رہے"۔ ان دونوں پہرہ داروں کو دیکھ کر علی کی جان میں جان آئی اور وہ اطمینان سے سو رہے۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ کی روایت میں ابو رافع کہتے ہیں کہ حضور انور نے علی کو مکہ میں اس لئے چھوڑا تھا کہ آپ اپنے اہل کو ساتھ لے کر اور جو امانتیں اور وصیتیں لوگوں کو دینی تھیں انہیں انجام دے کے مدینہ چلے آؤ۔ کیونکہ مشرکین آنحضرت صلعم کو امین جانتے تھے اور اپنی امانت اور وصیت آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔ علی نے آپ کے بعد ان کی کل امانتیں اور وصیتیں واپس کیں۔ اور حضور کے ارشاد کے مطابق آپ کے بستر پر سو رہے۔ قریش نے علی کو سوتا دیکھ کر انہیں

پیغمبر خدا سمجھ لیا اور رات بھر ان پر پتھر پھینکتے رہے۔ لیکن علی کی آنکھ نہ کھلی۔ مگر صبح کے وقت علی کو سوتا دیکھ کر کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکل گئے ہوتے تو علی بھی ان کے ہمراہ نکل گئے ہوتے اس وجہ سے خدا نے قریش کو حضور انور کی جستجو سے باز رکھا (یعنی محمد صلعم اور ابوبکر کی جستجو انہوں نے بالکل نہیں کی) چونکہ حضور انور علی کو حکم دے گئے تھے کہ مدینہ میں ہم سے آملیں اس حکم کی تعمیل میں علی نے اپنے تمام اہل کو مدینہ بھیج دیا اور ان کے پیچھے علی روانہ ہوئے۔ رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ مدینے جا پہنچے۔ جب حضور انور کو ان کے پہنچنے کی خبر ہوئی تو ارشاد فرمایا علی کو ہمارے پاس لاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ حاضر ہونے سے معذور ہیں کیونکہ ان کے پیروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ یہ سن کر حضور از خود تشریف لائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو لعاب دہن سے تر کر کے علی کے پیروں پر ملا اور اچھے ہونے کی دعا کی۔ جب علی اچھے ہوگئے پھر ان کی شہادت تک انہیں پاؤں کی کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ علی مکہ کے ڈر سے دن میں چھپے رہتے تھے اور رات میں چلتے ہوئے پتھروں کی ٹھوکریں کھاتے اور راستہ طے کیا کرتے جا رہے تھے حالانکہ مشرکان مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے مہاجر کا پیچھا نہیں کیا سیرۃ کی کتابوں میں بیان موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی تو انہوں نے مکہ چھوڑنے سے قبل خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور وہیں کھڑے ہو کر ببانگِ دہل اعلان کیا کہ میں اپنے بال بچوں کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کر رہا ہوں۔ اگر کوئی مردود اور لعنتی چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو بیوہ بنانے تو اسے چاہیئے کہ میرا راستہ روکے۔ سردارانِ مکہ نے ان کو مکہ چھوڑتے ہوئے دیکھا مگر ان کو روکنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ اس کے برخلاف علی نے ڈر کے مارے تمام لوگوں سے چھپ کر رات کے وقت مکہ ترک کیا اور راستہ بھر ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلے کہ مدینہ پہنچتے پہنچتے ان کے پیر ورم سے پھول گئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ کر بھی حضور اقدس کی بار یابی میں وہ فوراً نہ پہنچ سکے۔

مدینہ میں علی کی قیام گاہ

مدینہ میں حضرت علیؓ کو ایک بیوہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ خود حضرت علی کہتے ہیں کہ میں ایک رات یا دو رات ایک مسلمان عورت کے یہاں، جس کا شوہر نہیں تھا مقیم ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص آدھی رات

کو آکر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ وہ عورت باہر جاتی ہے اور وہ شخص اس عورت کو کوئی چیز جو اپنے ساتھ لاتا ہے دے دیتا ہے۔ میرے دل میں اس کی طرف سے شبہ ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا، اے اللہ کی بندی یہ کون شخص ہے جو اس طرح روز رات کو آکر تمہارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ تم باہر جاتی ہو۔ اور وہ کچھ تم کو دے دیتا ہے۔ میں واقف نہیں ہوں کہ وہ کون شخص ہے۔ تم مسلمان ہو اور تمہارا شوہر ہے یا نہیں۔ اس عورت نے کہا یہ سہیل بن واہب ہے اسے معلوم ہے میرا کوئی نہیں ہے۔ یہ رات میں اپنی قوم کے بتوں کے پاس جاتا ہے۔ ان کو توڑ کر مجھے لا دیتا ہے تاکہ ایندھن کی طرح انہیں جلاؤں جب سہیل بن حنیف کا عراق میں علی کے پاس انتقال ہوا تو وہ ان کی اس بات کو تذکرۃً بیان کرتے تھے۔ (تاریخ طبری جلد اول ص ۱۳۶-۷)

علی کے اخوانی بھائی

غرض چند دن حضرت علی مدینہ میں ایک بیوہ کے مکان میں مقیم رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کلثومؓ بن ہدم انصاری کا اخوانی بھائی بنا دیا اور وہ ان کے ساتھ رہنے لگے۔ ہجرت کے بعد حضرت علیؓ کا رسول اللہ صلعم کے ساتھ نبی کے مکان میں کبھی قیام نہیں ہوا۔ البتہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر ہی کھاتے پیتے تھے۔ ہجرت کے بعد سے مسجد نبوی اور حجراتُ النبی کی تعمیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان رہے۔ صبح شام دونوں وقت کے کھانے کا انتظام معزز میزبان کی طرف سے ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ منورہ کے دوسرے سردار بھی اپنے گھروں سے اشیائے خورد و نوش کے تحفے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بادیہ بہت مشہور ہے۔ طبقات ابن سعد حصہ ہشتم میں ہدایات کے ذکر میں درج ہے کہ جو انصار سرکارِ رسالت کی خدمت میں کثرت سے ہدایا بھیجتے رہتے تھے وہ سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، عمارہ بن حزم اور ابوایوب انصاری تھے۔ کوئی دن بلا کسی کے ہدیہ کے نہیں گزرتا تھا۔ لیکن سعد بن عبادہ کا بادیہ روزانہ آتا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ آپ کو بادیہ میں کبھی گوشت کبھی گھی کبھی دودھ بھر کر بھیجا کرتے تھے جب کبھی رسول اللہ کی خدمت میں وہ حاضر ہوتے تو ان کے ساتھ ان کا بادیہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ مدینہ کے دوسرے انصار بھی تحفے بھیجنا نہیں بھولے تھے۔ بہت سارے انصاریوں نے اپنے کھجوروں کے کچھ درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص کر دیئے تھے اور جتنی کھجوریں ان درختوں میں پھلتی تھیں انہیں رسول اللہ

صلعم کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔

انس بن عبدالمالک سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلعم کو اپنے کھجوروں کے کچھ درخت دیئے اور جب بنو قریظہ اور بنو نضیر کو آپ نے فتح کرلیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت ان کو واپس کر دیئے۔ (بخاری جلد دوم حدیث ۳۶۹)

کان الرجل یجعل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم النخلات حتیٰ افتتح قریظہ والنضیر (؟)

جب تک بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جائیداد قبضہ میں نہیں آئی۔ دستور تھا کہ لوگ رسول اللہ کے لئے کھجور کے درخت مختص کر دیتے تھے۔ پکے پکائے کھانوں کے تحفوں کے علاوہ کھجور بھی رسول اللہ اور ازواج مطہرات اور ہمراہیوں کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلعم اور ان کے ہمراہیوں کو مدینہ میں کھانے پینے کی کمی نہیں تھی۔ حضرت علی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان کے ایک فرد تھے انہوں نے کبھی اپنی زندگی میں اپنی محنت سے ایک پیسہ نہیں کمایا اور کمانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو بچپن سے پالا تھا۔ شادی کے آگے بھی خمس میں سے ان کو دیتے تھے اور شادی کے بعد تو ان کو چار بڑی جاگیریں عطا فرمائیں گھر کے کام کاج کے لئے غلام دیئے جن کا بیان آئندہ آئیگا۔

باب ۔۔۔ ۳

حضرت علی عہد رسالت میں

جس وقت ہجرت کر کے حضرت علیؓ مدینہ پہنچے اس وقت ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی اور چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے اور نبی کریم کے ساتھ ہی کھاتے پیتے تھے انصار نے ان کی بڑی عزت فرمائی۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ اپنے ہم عمر نوجوانوں میں اونچے رتبہ کے مالک بنے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا خیال رکھتے تھے۔ اور جب کبھی آپ بلاوے پر کسی کے ہاں جاتے تو علی کو بھی ساتھ ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ام منذرؓ کی روایت پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ علی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ہمارے گھر میں

کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے ان خوشوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی نے کھانا شروع کیا تو رسول اللہ صلعم نے علی سے فرمایا۔ تم نہ کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو۔ ام منذرؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہمراہیوں کے لئے چقندر اور جو تیار کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا تم اس میں سے کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے لئے مفید ہے۔

علی پیدائشی کمزور تھے

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کمزور تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحت کا خیال رکھتے تھے۔ کمزوری شاید انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ کتاب المجر وغیرہ میں لکھا ہے کہ ابو طالب ایک لنگڑے نہایت کمزور انسان تھے۔ بڑی تجارت کے لئے دور دراز سفروں پر جانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ خوشبو کشید کر کے مکہ معظمہ اور اطراف واکناف کے مقامات میں فروخت کر دیتے تھے۔ جس وقت علی پیدا ہوئے اس وقت قحط سالی کی وجہ سے ابو طالب کے گھر میں فاقہ کشی کی حالت تھی۔ ایسی حالت میں ننھے بچہ کو ماں کا دودھ بھی پیٹ بھر کر نہیں ملا ہوگا۔ نہ ہی علی کو دودھ پلانے کے لئے کسی دایا کو مقرر کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کے نشو نما میں فرق پیدا ہوا۔ چنانچہ کامل ابن اثیر جلد دوم (مرتب ڈاکٹر سید معین الحق) کے صفحہ ۸۵ اور ۸۶ پر جو بیان درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کا پیٹ بڑا تھا ان کی پنڈلیاں پتلی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی چھوٹی تھیں ان میں سفید کیچڑ بھرا رہتا تھا۔ اور وہ زیادہ کھانے کی حرص کرتے تھے۔ دوسرے بیانات میں یہ اضافہ ہے کہ ان کا قد بھی چھوٹا تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ ان واقعات کی روشنی میں یہ گمان کرنا غلط نہیں ہوگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو جنگی مہموں میں ہلکے کام دیتے تھے۔ سخت قسم کے مشکل مہموں سے انہیں دور رکھتے تھے۔

جنگ بدر میں حضرت علی کا پارٹ

جنگ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کے ساتھ میدان جنگ میں آکر مبارزت طلبی کی تو انصار کے تین جوانمرد یعنے حارث کے دو بیٹے عوف اور معوذ اور عبداللہ بن رواحہ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ حضرت علی اگر جوانمرد ہوتے تو سب سے پہلے وہ مبارزت قبول کرتے۔ علی کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ مبارزت کے لئے پہل کرے۔ لیکن ...

سے لڑنے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ ہماری قوم قریش میں سے ہمارے کفو میرے مقابلہ کے لئے آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب کو عتبہ کے مقابلہ پر روانہ کیا، حمزہ کو شیبہ کے اور علی کو ولید کے مقابلہ کے لئے نامزد فرمایا تو علی ولید کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ رسول اللہ صلعم کا نامزد فرمانا اس بات کی ضمانت تھی کہ انہیں ایک نبی کی روحانی تائید حاصل ہے لہٰذا ان کی جان خطرے میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ بدر میں جبرئیل اور میکائیل حضرت ابوبکرؓ اور میری مدد پر متعین تھے۔ ابو یعلیٰ، حاکم اور احمد نے حضرت علیؓ کی زبانی لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مجھ سے اور ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ایک کی مدد جبرئیل کر رہے ہیں اور ایک کی میکائیل۔

پھر ولید بن عتبہ حضرت علی کا ہم عمر تھا۔ وہ بہادری میں کوئی نامور لڑکا نہیں تھا۔

شجاعت کے متعلق حضرت علی کا ایک قول

تاریخ اسلام طبع ہفتم کے صفحہ ۲۷۱ پر مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ

وہ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک شجاع ترین کون شخص ہے۔ سب نے عرض کیا "آپ" علی نے کہا۔ میں ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑ سے لڑتا ہوں۔ یہ کوئی شجاعت نہیں ہے۔ تم شجاع ترین شخص کا نام لو۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ علی نے کہا کہ شجاع ترین شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یوم بدر میں ہم نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سائبان پر کون موجود ہوگا کہ مشرکین کو آپ پر حملہ کرنے سے باز رکھ سکے خدا کی قسم۔ ہم میں سے کسی شخص کی ہمت نہ ہوئی مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر کھڑے ہوگئے اور کسی کو پاس نہ پھٹکنے دیا اور جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی نیت سے آیا ابوبکرؓ نے پہلے اس پر حملہ کیا۔

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور آپ کو گھسیٹنے لگے۔ کہنے لگے کہ تو ہی ہے جو کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ واللہ کسی کو کفار سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مگر ابوبکر صدیق آگے بڑھے۔ وہ کفار کو مار مار کر پیچھے ہٹاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "ہائے افسوس تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا خدا ایک ہے۔" یہ فرما کر حضرت علیؓ رو پڑے۔

پھر کہنے لگے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ "مومن آلِ فرعون" اچھے ہیں یا حضرت ابوبکرؓ۔ لیکن جب کسی نے جواب نہ دیا تو پوچھا جواب کیوں نہیں دیتے؟ پھر خود فرمایا۔ واللہ حضرت ابوبکر صدیق کی ایک ساعت "مومن آل فرعون" کی ہزار ساعت سے بہتر ہے۔ وہ اپنے ایمان کو چھپاتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا۔"

جنگ بدر و جنگ احد کے درمیان حضرت علی کی مصروفیت

بخاری جلد اول باب ۲۳۳ حدیث ۳۳۴ ملاحظہ ہو۔ علی بن حسین حسین بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے کہا کہ بدر کے دن مالِ غنیمت میں مجھے ایک اونٹنی ملی اور خمس کے مال میں سے رسالت مآب نے مجھے ایک اور اونٹنی مرحمت فرمائی تھی۔ پھر جب میں نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم سے شب زفاف کا ارادہ کیا تو میں نے بنو قینقاع کے ایک سنار سے ٹھہرا لیا کہ وہ میرے ہمراہ چل کر اذخر لے آئے۔ اور میں وہ اذخر سناروں کے ہاتھ بیچ کر اس سے اپنے نکاح کی دعوت ولیمہ میں امداد حاصل کروں اور اس دوران میں کہ میں اپنی اونٹنیوں پر متعلقہ سامان از قبیل کجاوہ، گھاس رکھنے کا جال اور رسیاں رکھنے کے لئے جمع کر رہا تھا۔ اور یہ میری دونوں اونٹنیاں ایک انصاری کے کمرے کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں جب میں سامان لے کر لوٹا تو دیکھا کہ میری دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لئے گئے ہیں اور ان کے کولہے توڑ دیئے گئے اور ان کی کلیجیاں نکال لی گئی ہیں۔ تو یہ منظر دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کی حرکت ہے تو لوگوں نے بیان کیا حمزہ بن عبدالمطلب نے یہ سب کارروائی کی ہے۔ جو اسی گھر میں چند شرابی انصاریوں کے ساتھ بیٹھے پی رہے ہیں۔ چنانچہ میں روانہ ہو کر سید صحابی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپ کے پاس زیدؓ بن حارثہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے سے میری کیفیاتِ دل کو پہچان کر فرمایا کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آج کے جیسا دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حمزہ نے میری اونٹنیوں پر ظلم کیا۔ ان کے کوہان کاٹ لئے۔ ان کے کولہے توڑ ڈالے۔ وہ ایک گھر میں بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر منگا کر اوڑھی اور چل دیئے۔ آپ کے ساتھ میں اور زید بن حارثہ تھے۔ جہاں حضرت حمزہ تھے اس گھر میں پہنچ کر اندر آنے کی اجازت طلب کی اور ان کی اجازت پر آپ اندر تشریف لائے۔ تو آپ نے سب کو شراب

نوشی کرتے دیکھا اور حمزہ کو ان کی حالت پر ملامت کرنے لگے۔ مگر حمزہ بدمست تھے اور ان کی سرخ آنکھیں باہر نکلی پڑ رہی تھیں۔ انہوں نے پہلے تو نظریں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں تک دیکھا۔ پھر ناف تک دیکھا۔ پھر آنکھیں اونچی کر کے آپ کے چہرے کو دیکھ کر کہا "تم لوگ تو میرے باپ کے غلام ہو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ حمزہ شراب کے نشہ میں بالکل مست ہے۔ پھر آپ الٹے پاؤں لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہی واپس آ گئے۔ (یہ شراب کی حرمت کے قبل کا واقعہ ہے شراب حرام ہونے کے قبل ہی ۳ھ میں حضرت حمزہ رضؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے)

بخاری کی حدیث ۱۱۸۰ میں یہ اضافہ ہے کہ ایک لونڈی گانے والی بھی وہاں موجود تھی لونڈی نے کہا۔ اے حمزہ اٹھو اور یہ موٹی اونٹنیاں کاٹو۔ حمزہ تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لئے اور پیٹ چیر کر کلیجیاں نکال لیں اور جب علی گھاس کاٹنے کا سامان لے کر آئے تو اپنی اونٹنیوں کو مردہ پا کر رونے لگے۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ امت جعفریہ کا یہ دعویٰ کہ حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ سے ہجرت کے بائیسویں مہینے میں ہوئی بالکل غلط ہے۔ جنگ بدر ہجرت کے دو سال بعد ہوئی۔ اور حضرت علی جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ میں اذخر گھاس کاٹنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ لیکن قسمت نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ شادی کے لئے ان کے پاس خرچ نہیں تھا۔

جنگِ اُحد میں حضرت علیؓ کے کارنامے (طبری کی متضاد روایتیں)

ایک روایت

ابو رافع سے مروی ہے کہ جب علی بن ابی طالب نے مشرکین کے علم برداروں کو تہ تیغ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مشرکوں پر پڑی۔ آپ نے علی سے کہا کہ ان پر حملہ کرو۔ علی نے حملہ کر کے اس جماعت کو منتشر کر دیا حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلعم سے کہا "یہ ہے ہمدردی" آپ نے فرمایا "بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔ اور جبرئیل نے کہا "اور میں آپ دونوں کا تیسرا ہوں"۔ نیز صحابہ نے یہ آواز بھی سُنی

"لَاسَیفَ اِلَّا ذُوالفَقَار وَ لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی"

(طبری جلد اول صفحہ ۲۳۴)

دوسری روایت

کتاب کے اسی صفحہ پر "رسول اللہ پر مسلمانوں کی جانثاری" کے عنوان کے تحت ابو جعفر کی روایت موجود ہے کہ

جب دشمن نے آپ پر شورش کی تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ہمارے لئے اپنی جان بیچ ڈالے عمر بن زیاد پانچ انصاریوں کے ساتھ رسول اللہ کی مدافعت کے لئے آ کر لڑنے لگے۔ ایک کے بعد ایک قتل ہوتے چلے گئے۔ آخری آدمی زیاد یا عمارہ بن زیاد بن السکن تھے۔ وہ لڑتے لڑتے آخر کار زخموں سے چکنا چور ہو کر بیکار ہو گئے۔ اتنے میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت رسول اللہ کی طرف پلٹ کر آئی اور اس نے دشمن کو آپ کے سامنے سے دھکیل دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ زیاد کو میرے پاس لاؤ۔ لوگ ان کو قریب لے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور اس حالت میں کہ ان کا گال آپ کے قدموں پر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے جان دیدی۔ ابو دجانہ خود اپنے جسم کو دشمن کی جانب کر کے رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لئے بمنزلہ ڈھال بن گئے۔ تیر آ آ کر ان کی پیٹھ پر لگ رہے تھے مگر وہ آپ پر جھکے ہوئے آپ کو دشمن سے بچاتے رہے۔ یہاں تک کہ بیشمار تیر ان کو آ کر لگے۔ سعد بن ابی وقاص رسول اللہ صلعم کو اپنی آڑ میں لئے ہوئے دشمن پر تیر چلاتے رہے۔ خود سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور فرماتے تھے تم پر میرے ماں باپ قربان۔ تیر چلاؤ۔ شدہ شدہ آپ نے ایسا تیر بھی مجھے دیا کہ اس میں انی نہیں تھی اور فرمایا کہ اسے بھی چلاؤ۔

اس دوسری روایت میں حضرت علی کا نام ان لوگوں میں نہیں ملتا۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے جانوں کی قربانیاں پیش کیں۔ لہٰذا شیعہ مورخ طبری کا بیان سراسر جھوٹ ہے۔

بخاری جلد دوم باب ۴۸۵ حدیث ۱۲۳۰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی بھی اس دن فرار ہونے والوں میں سے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جنگ احد کے درمیان ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ صرف سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ کے سوا جو رسول اللہ صلعم کو گھیرے ہوئے تھے اور دشمن پر تیر اندازی کر رہے تھے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ رسول اللہ کو بچاتے ہوئے طلحہ رضؓ کا ایک ہاتھ شل ہو گیا۔ اس دن سعد بن ابی وقاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ حضرت علی بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں"۔

جنگِ احد سے فرار ہونے والوں کو اللہ تعالےٰ نے معاف فرما دیا۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ (العمران ۱۵۲)

شمشیر ذوالفقار

مشرک نبتہ بن الحجاج کی ملکیت میں تھی۔ اس نے مسلمانوں کے گلے کاٹنے کے لئے بنائی تھی۔ مگر وہ اس کے کچھ کام نہیں آئی۔ کیونکہ وہ خود جنگ بدر میں مارا گیا۔ یہ تلوار مال غنیمت میں ملی اور رسول اللہ صلعم نے اسے اپنے لئے رکھ لیا۔ عہد نبوی میں وہ کافروں کے خلاف استعمال ہوتی رہی۔ مگر حضرت علی رضؓ کے عہد خلافت میں وہ مسلمانوں کے گلے چھانٹنے لگی تو ابو جعفر طبری کے بیان کے مطابق ایران کے مجوسی ملائکہ اس کی تعریف و توصیف میں چیخنے لگے کہ

"لا سیف الا ذوالفقار"

علیؓ کی شادیِ خانہ آبادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ ہجرت کے فوراً بعد پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت سواد رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم بنت رسول اللہ اور فاطمہ بنت رسول اللہ

جنگ بدر کے وقت حضرت زینب بنت رسول اللہ زوجۂ عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ واقدی کے بیان کے مطابق یہ شادی ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی اور رخصتی جمادی الآخر میں ہوئی۔ (طبری جلد اول ص ۲۱۵) اس شادی کے بعد حضرت فاطمہ اکیلی رہ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نکاح کے بارے میں فکر لاحق ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ قریش کے اکثر کھاتے پیتے گھرانے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جو مسلمان ہوئے تھے ان میں کی اکثریت حبشہ ہجرت کر چکی تھی۔ مدینہ کو جو قریش ہجرت کر کے آئے تھے ان میں فاطمہ کے لئے کفو نہیں تھا۔

فاطمہ کے لئے علی ٹھیک نہیں

کتب سیر میں حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی سند سے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کی روایت بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کا نام تجویز کیا۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "لا۔ انی کرہٗ لفاطمۃ" نہیں میں فاطمہ کے لئے اس شخص سے کراہت کرتا ہوں۔ پھر بھی حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ آپ نے علی کی پرورش کی ہے علی اپنے گھر کا بچہ ہے۔ یہ شادی مبارک ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کر لی۔

اسلام میں شغار جائز نہیں

شیعہ معلم ہر بات میں جہاں علی کو بڑھا چڑھا کر دکھانا مقصود ہو

ہے۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں وہ دونوں بزرگ ناکام ہوئے حضرت علی نے کامیابی حاصل کی۔ فاطمہ بنت رسول کی شادی کے متعلق بھی ان حضرات کا رویہ یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فاطمہ کے لئے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ پھر عمرؓ نے تجویز پیش کی جو نامنظور ہوئی۔ شیعہ معلم پہلے اپنے آباؤ اجداد کے مجوسی رسومات کی کسوٹی پر جن کے مطابق باپ اپنی بیٹی سے، بھائی اپنی بہن سے، ماموں اپنی بھانجی سے اور چچا اپنی بھتیجی سے متعہ کر لیتا تھا اسلامی قانونِ ازدواج کو بھی گھس کر دیکھنے لگے مگر اسلام میں شغار حرام ہے۔ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی بیٹیاں رسول اللہ صلعم کے نکاح میں تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی بیٹی اُن کے نکاح میں نہیں آ سکتی تھیں۔ مگر شاید شریعت امت جعفریہ میں شغار جائز ہے واللہ عالم

فاطمہؓ کا نکاح اللہ تعالےٰ کی مرضی سے ہوا

یوں تو ہر مرد اور عورت کا جوڑا اللہ تعالےٰ ہی نے بنایا ہے اور مرضی ہوئی کے مطابق ہی ان کے درمیان نکاح انجام پاتے ہیں مگر فاطمہ کا نکاح علی سے اللہ تعالےٰ کے حکم پر ہوا۔ حالانکہ اس شادی کے لئے نہ رسول اللہ صلعم آمادہ تھے نہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو علی پسند تھے۔ رسول اللہ صلعم کی ناپسندی گذشتہ سطور میں بیان ہوئی ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا مقصد دوم کے صفحہ ۱۰۱ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ انہوں نے کہا: "حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے (شادی کے بعد) اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے علی بن ابی طالب سے میرا نکاح کیا حالانکہ وہ محتاج ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے۔" اس روایت کا آخری حصہ لائق اعتبار نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ خدا نے اہل زمین میں سے صرف دو آدمیوں کو پسند کیا۔ ان میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر! روایت کا پہلا حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بی بی فاطمۃ الزہرا علی کو بچپن سے دیکھتی تھیں۔ ان کے چال و چلن سے واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ علی کا باپ ایک غریب آدمی تھا۔ اپنے بچوں کی پرورش بھی وہ نہیں کر سکتا تھا۔ رسول اللہ کا علی کو اپنے گود میں لینا، ان کی پرورش کرنا، ان کے کھانے کپڑے کا کفیل ہونا یہ ایسے امور تھے جن کی وجہ سے ممکن ہے کہ فاطمۃ الزہرا کی نظروں میں علی کی کوئی وقعت نہیں تھی یہ بھی قرین قیاس ہے کہ وہ جانتی تھیں کہ شادی کے بعد بھی ان کے پالنے پوسنے کا بوجھ رسول اللہ پر ہی ہو گا کیونکہ علی میں تجارت کرنے، مزدوری کر کے کمانے، اپنا الگ گھر بنانے کی فکر ہی نہیں تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنے ماں باپ سے شکوہ کیا کہ آپ نے میرا نکاح ایک قلاش شخص سے

کر دیا۔ گمان غالب ہے کہ بی بی فاطمۃ الزہرا کی اس شکایت کو رفع کرنے کے لئے ہی حضرت رسول اللہ صلعم نے علی کو بہت سارے انعامات واکرامات سے نوازا انہیں ایک سے زیادہ جاگیریں عطا فرمائیں۔ جس کی وجہ سے علیؓ عرب کے اغنیاء میں سے ہو گئے۔

روایت کا دوسرا حصہ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن میں خدائے تعالےٰ نے اپنے محبوب بندوں کے نام گنائے ہیں۔ جن میں علی کا نام شریک نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے چند باتوں میں آزمایا۔ جس میں وہ پورا اترا۔ اس لئے اسے سارے لوگوں کا پیشوا بنا دیا۔ محمد صلعم کا یہ کام نہیں تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی خوشنودی کے لئے ایک کمتر ہستی کو بزرگ و برتر بنا کر پیش کریں۔ مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (ترجمہ) کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ (آل عمران ۷۹) اس آیت کی موجودگی میں وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ نے اہل زمین میں صرف دو آدمیوں کو پسند کیا؟

انس بن مالک کی روایت

عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔

حالانکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کہتے رہے کہ آپ نے علی کی پرورش کی ہے یہ شادی مبارک ہوگی پھر چند دنوں کے بعد آپ نے اچانک حضرت انسؓ سے کہا کہ جاؤ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور چند انصار کو بلا لاؤ۔ چنانچہ انسؓ کہتے ہیں کہ میں ان سب کو بلا لایا۔ جب یہ حضرات حاضر ہو گئے اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا پھر اس کے بعد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ علیؓ کا فاطمہؓ سے نکاح کر دوں۔ لہٰذا تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے چار سو درہم مہر مقرر کر کے علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا اگر علی اس پر راضی ہوں"۔ اس وقت علیؓ وہاں موجود نہیں تھے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبق میں خشک کھجوریں منگائیں۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ جس کے ہاتھ چھوہارے پڑیں لے لیں۔ اسی وقت حضرت علیؓ پہنچ گئے۔ ان کو دیکھ کر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی مہر مقرر کر کے کر دوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو۔ انہوں نے کہا کہ جی میں راضی ہوں یا رسول اللہ!"

اس روایت کو محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے اپنی کتاب "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں" میں درج کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی مدد سے علی نے شادی کی

مسند امام احمد میں حضرت علیؓ کے نکاح کا واقعہ خود انہیں کی زبانی نقل کیا گیا ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی سے نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میں نے دل میں کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کام کیونکر انجام پائے گا۔ لیکن اس کے بعد ہی معاً دل میں سید عالم صلعم کی سخاوت اور نوازش کا خیال آیا اور سوچ لیا کہ آپ خود ہی کچھ انتظام فرمائیں گے۔ لہٰذا میں نے حاضر خدمت ہو کر پیغام دے دیا۔ آپ نے سوال فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں۔ فرمایا وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے تم کو فلاں روز دی تھی۔ میں نے کہا جی ہاں وہ تو ہے فرمایا۔ اسی کو بھیج دو۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ جب میں نے اپنا پیغام دیا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا گھوڑا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے۔ لیکن زرہ کو فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے زرہ چار سو اسّی درہم میں فروخت کر کے رقم آپ کی خدمت میں حاضر کر دی۔ زرقانی کہتے ہیں کہ خریدنے والے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ تھے۔ انہوں نے مبلغ چار سو اسّی درہم بھی دیا اور زرہ بھی حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ حضرت علیؓ نے رقم اور زرہ دونوں سید المرسلین کی خدمت میں حاضر کیں تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو بڑی دعائیں دیں۔ بہت ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم کے اشارے پر ہی حضرت عثمانؓ نے علی کو یہ رقم دی ہو۔

اُم المومنین اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علیؓ پیدا نہ ہوتے تو فاطمہؓ کے لئے کوئی کفو نہ ہوتا۔ لیکن خلقِ خدا کہتی ہے کہ حضرت عثمانؓ علیؓ کی مدد نہ کرتے تو وہ زندگی بھر مجرد رہتے کیونکہ ان کے پاس مہر کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اور نہ ان میں خود کما کر مہر کے لئے مبلغ جمع کرنے کا حوصلہ تھا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کونسی روایت صحیح ہے۔ مگر دوسری روایت حضرت علیؓ کی زندگی سے نہ صرف مناسبت رکھتی ہے بلکہ ان کے عادات واطوار سے میل بھی کھاتی ہے۔

شادی کب ہوئی؟ بخاری کی حدیث جلد اول باب مناقب فاطمہؓ کے حاشیہ میں درج ہے کہ اَنَّهٗ رسول اللہ صلعم فاطمہ علی ابن ابی طالب بَعْدَ وَقْعَةَ اُحد۔ شیعہ مصنف کرمانی نے

بھی لکھا ہے کہ جنگ احد کے بعد رسول اللہ صلعم نے اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ نیز استیعاب اور ازالۃ الخفاء مقصد دوم میں بھی روایتیں موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ علیؓ کا حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ سے نکاح جنگ احد کے بعد ہوا۔ غزوۂ احد ماہ شوال ۳ھ میں پیش آیا۔

ازواج کی عمریں

ازالۃ الخفاء میں ابوعمر نے عبیداللہ بن محمد بن سماک بن جعفر ہاشمی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے غزوۂ احد کے بعد حضرت فاطمہؓ کا عقد حضرت علیؓ کے ساتھ کیا۔ اس وقت فاطمۃ الزہرا کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی تھی اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس برس پانچ مہینوں کی تھی۔

رخصتی کب ہوئی

شادی کے پانچ چھ ماہ کے بعد فاطمۃ الزہرا کی رخصتی ہوئی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے پاس کوئی مکان نہیں تھا۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک مکان خالی کر کے حضرت علیؓ کو دیا تو حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کی رسم ادا کی گئی۔ یعنی حضرت علیؓ ۳ھ کے اوائل میں اپنا گھر بسا سکے۔

شادی ہو جانے کے بعد میاں بیوی کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات ان دونوں میں آپس کے اختلافات چکانے میں بسر ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ کو ابوتراب کے القاب عطا ہوئے۔

ابوتراب کا لقب کیسے ملا

بخاری جلد اول کی حدیث ۴۲۵ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فرزند سہیل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہؓ کے گھر آئے تو علی کو گھر نہ پایا۔ آپ نے پوچھا تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں۔ وہ بولیں کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا۔ وہ مجھ پر غضبناک ہو کر چلے گئے۔ (كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهٗ شَيْئٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي) اور میرے ہاں نہیں سوئے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک شخص سے کہا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں۔ وہ دیکھ کر آیا اور کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے تو وہ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی چادر ان کے پہلو سے گر گئی تھی اور ان کے جسم میں مٹی بھر گئی تھی یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جسم سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہنے لگے۔ قُمْ اَبَا تُرَابٍ ، قُمْ اَبَا تُرَابٍ۔

اے مٹی کے باپ اُٹھ کھڑے ہو۔ اے مٹی کے باپ اُٹھ کھڑے ہو۔

علی کا درجہ بلند ہو گیا

باطنی مسلمان سمجھتے ہیں کہ ابوتراب کے لقب سے حضرت علی کا درجہ بہت بلند ہو گیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ لقب ان کے خدا نمرود کا تھا جسے ان کے آباؤ اجداد دن رات پوجتے تھے جبکہ وہ مجوسی اور مشرک تھے۔ نمرود کا ایک نام جوپیٹر بھی تھا یعنی مٹی کا باپ لہٰذا حضرت علی ابوتراب کا لقب پاکر مجوسیوں کے جوپیٹر بن گئے۔

ابوجہل کی بیٹی سے منگنی

بخاری جلد دوم باب ۳۶۸ میں حدیث نمبر ۱۹۲۱ کا مضمون حسب ذیل ہے۔ حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ انہوں نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے منگنی کر لی۔ فاطمہ یہ سن کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں خفا نہیں ہوتے۔ اس لئے علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کی بات چیت مکمل کر لی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلعم نے کھڑے ہو کر پہلے تشہد پڑھا اور پھر فرمایا میں نے ابوالعاص بن ربیع سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو ابوالعاص نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا وہ پورا کیا۔ فاطمہ یقیناً میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کو کوئی صدمہ یا تکلیف پہنچے۔ خدائے تعالےٰ کی قسم رسول کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں پس علی نے یہ منگنی توڑ دی۔

بخاری کی حدیث نمبر ۳۵۲ جلد دو میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ مجھ سے ہے۔ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ اس کے دین کے بارے میں آزمائش کی جائے۔ اس کے بعد آپ نے بنو عبد شمس والے اپنے داماد ابوالعاصؓ کی تعریف کی اور فرمایا کہ جو بات انہوں نے کہی اور جو وعدہ انہوں نے کیا وہ ہمیشہ پورا کیا۔ میں حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال کرنا نہیں چاہتا۔ مگر اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔

ابن ماجہ کی حدیث ۲۰۲۲ کے الفاظ ہیں کہ فاطمہ میری بیٹی اور میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ اس کو گناہ میں پھنسا دیں۔ کیونکہ اگر اس پر سوکن لائی گئی تو وہ اس کی وجہ سے شوہر کی نافرمانی کر بیٹھے گی اور لامحالہ گناہ کی مرتکب ہو گی۔ اور خدا کی قسم اللہ تعالےٰ کے رسول کی بیٹی اور ایک کافر کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس خفگی کی وجہ سے علی نے ابوجہل کی بیٹی سے منگنی تو توڑ دی مگر فاطمہ بنت الرسول پر سوت لانے کی اپنی تجویز بالکل ترک نہیں کی۔ وہ فاطمہ کے سر پر سوکن بٹھانے کی اپنی اسکیم پر قائم رہے۔ شاید ان کو اللہ کے رسول اور ان کی بہتی بیٹی کو ستانے میں بڑا لطف آرہا تھا۔ وہ بڑے خود غرض اور بے رحم تھے۔ انہیں فکر نہیں تھی کہ ان کی ظالمانہ حرکتوں سے خود رسول اللہ صلعم کو تکلیف ہوتی ہے یا ان کی بیٹی کو صدمہ پہنچتا ہے۔

ہشام بن مغیرہ کی بیٹی سے منگنی

بخاری جلد سوم کی حدیث نمبر ۲۱۳ میں ورقہ بن نوفل کے بھتیجے مسور بن مخرمہ بن نوفل کی روایت درج ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ ہم اپنی بیٹی کی علی بن ابی طالب سے شادی کر دیں۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر فرمایا میں اجازت نہیں دیتا۔ میں اجازت نہیں دیتا۔ ہاں مگر علی میری بیٹی کو طلاق دیدے۔ تو اسے اختیار ہے۔ کیونکہ فاطمہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے جو برائی اسے پہنچتی ہے مجھے پہنچتی ہے۔ جو ایذا اسے ہوتی ہے وہ ایذا مجھے ہوتی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت علی نے فاطمۃ الزہرا کو ایذا دیکر دراصل رسول اللہ صلعم کو ایذا پہنچائی مگر لوگ کہتے ہیں کہ علی رسول اللہ کے بڑے فرمانبردار تھے۔

اللہ تعالے کی مصلحت

شروع سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح علی سے کرنے کے حامی نہیں تھے اور فاطمہ بھی ان سے راضی نہیں تھیں مگر اللہ تعالے کے حکم سے یہ شادی ہوئی۔ اللہ نے اس شادی کا حکم کیوں دیا اس امر پر کسی نے آج تک غور نہیں کیا حالانکہ قرآن مسلمانوں کو ہر بات پر غور و خوض کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس امر پر کتاب کے آخری باب میں کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

فاطمہ علی سے تنگ آگئی تھیں

فاطمہ بنت رسول بچپن ہی سے متقی و پرہیز گار تھیں۔ لیکن شادی کے بعد ان کی پرہیزگاری میں ان کے شوہر کی خواہش آڑے آتی تھی۔ تاریخی شواہد کے مطابق ان کی ازدواجی زندگی کم و بیش سات سال کی تھی اور اس مختصر زندگی میں انہوں نے حضرت علی کے لئے چھ بچے جنے۔ ان میں تین لڑکیاں اور تین لڑکے۔ ام کلثوم، زینب، رقیہ، حسن، حسین اور محسن۔ رقیہ اور محسن صغر سنی میں فوت ہوگئے۔ سات سال کے قلیل عرصے میں چھ بچے جننا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی مطیع و فرمانبردار تھیں۔ پھر بھی آخر انسان تھیں کبھی کبھی وہ بیزاری ظاہر کرتی تھیں

تو حضرت علی ان پر سوت لانے کی دھمکی دیتے تھے جسکی بابت پچھلے صفحات میں بیان ہوچکا ہے۔

باب — ۴

حضرت علی کی عیش پسندی

رسول اللہ صلعم نے فاطمہؓ کو تزکیۂ نفس کی تربیت دی تھی۔ اور آخرت کے لئے دنیا کی زندگی میں سعی کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو تم چاہو سوال کرو۔ میں اللہ کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آؤں گا۔ پس اپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ مشکوٰۃ عن احمد و ابی داؤد میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ اپنے حصہ کی تمام عمدہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھالیں اور پہن لیں۔ انہیں حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک وقت حضرت علیؓ نے اپنے چند دوستوں کو دعوت دی۔ ان کے لئے عمدہ کھانا پکوایا۔ فاطمۃ الزہرا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بُلا لیتے تو اچھا تھا۔ چنانچہ آپ کو بھی کھانے کی دعوت دی گئی۔ آپ تشریف لائے۔ دروازے پر پہنچ کر دیکھا تو گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ آپ گھر کے اندر قدم رکھے بغیر واپس پلٹ گئے۔ فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کے پیچھے چلی اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی واپسی کا کیا باعث ہوا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سجاوٹ اور ٹیپ ٹاپ والے گھر میں داخل ہو۔

ایک مرتبہ حضرت علی نے فاطمۃ الزہرا کو سونے چاندی کے زیور سے آراستہ کر دیا۔ وہ اپنا شوق پورا کرنے کے عادی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فاطمہ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا۔ کیا تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار لٹک رہا ہے۔ (نسائی جلد دوم)

ایک مرتبہ حسنؓ کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن تھے۔ آپ کی نظر جب ان پر پڑی تو آپ بیٹی کے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوتے رُک گئے۔ فاطمہؓ نے وجہ تاڑ لی۔ اور کنگن حسن کے ہاتھوں سے اتار دیئے۔ حسن روتے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ثوبانؓ سے فرمایا۔ اے ثوبان جاؤ اور بازار سے فاطمہ کے لئے عصب کا ایک ہار اور حسن کے لئے ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید کر لے آؤ۔ یہ میرے گھر والے ہیں۔ میں نہیں پسند کرتا کہ یہ اپنے حصہ کی عمدہ چیزیں اسی زندگی میں کھالیں اور پہن لیں۔ (ابی داؤد)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دھاری دار ریشمی چادر ہدیہ کے

طور پر بھیجی گئی۔ آپ نے ان دونوں کو میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے ان کو پہن لیا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا کہ اے علی میں نے ان کو تمہارے پہننے کے لئے نہیں بھیجا تھا (ریشمی کپڑا مسلمان مردوں کے لئے حرام ہے) بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ تم ان کو چیر کر اور ڈوپٹے بنا کر عورتوں میں تقسیم کر دو (مشکواۃ جلد دوم حدیث ۴۱۲۸)

شغل سرور

کتبہائے سیر و حوادث و تواریخ کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شراب سے بھی الفت تھی۔ عربوں کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں تھی۔ تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا۔ عرب کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع شراب ہے۔ اسلام کے قبل شراب خوری اور زناکاری کا اس قدر عام تھا کہ بڑے بڑے شرفاء علانیہ شراب پیتے اور زنا کرتے تھے۔ اور اپنی زناکاری کے قصیدے لکھ کر بیت الحرام میں لٹکا دیتے تھے۔

شراب کی حرمت کے متعلق آیت اِنَّمَا الخمر والمیسر والانصاب والازلام رِجسٌ من عمل الشیطان ۔ ۔ ۔ ۔ فَهَل اَنتُم منتهون (مائدہ) ۸ھ کے آخر میں نازل ہوئی۔ اس کے قبل یسئلونک عن الخمر والمیسر ۔ ۔ نازل ہوئی تھی جس میں بیان ہوا کہ ان میں نفع کم نقصان زیادہ ہے۔ اس کے نزول کے بعد متقی و پرہیزگار قسم کے لوگوں نے شراب ترک کر دی۔ مگر حضرت علی جوان تھے پرہیزگاری تو بڑھاپے میں اختیار کی جاتی ہے۔ سیرۃ النبی حصہ دوم از شبلی نعمانی کے صفحہ ۴۴۲ پر یہ روایت موجود ہے کہ ایک انصاری نے حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی۔ کھانے کے بعد نماز کا وقت آگیا۔ حضرت علی نے نماز پڑھائی۔ لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ جب حضرت عمرؓ نے سنا تو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے۔ اس پر شراب کے متعلق دوسری آیت نازل ہوئی کہ

لاتقربوا الصلوٰۃ وَاَنتُم سُکاریٰ حتیٰ تعلموا ماتقولون (نساء)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی پینے والے پیتے ہی رہے صرف نماز کے اوقات کے قبل لوگ پرہیز کرتے تھے۔ نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے اور پلاتے رہے کیونکہ شراب کی حرمت کا عام حکم نہیں تھا۔

مسلم جلد دوم صفحہ ۳۲۸ پر ذکر سعد بن ابی وقاص کے سلسلے میں یہ بیان موجود ہے کہ اس زمانے میں

کچھ لوگ شراب پی کر اتنے بدمست ہوئے کہ آپس میں مارپیٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ سیرۃ النبی حصہ دوم کے صفحہ ایک سو اڑتالیس پر حضرت جابرؓ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ غزوۂ اُحد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی۔ اور جن جن حضرات نے شراب پی وہ سب کے سب اس روز غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔

حضرت علیؓ کے گھاس کاٹنے کی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں حضرت حمزہؓ کے ساتھ شراب پینے کی تفصیل موجود ہے۔ ان احادیث و روایات کو جمع کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ صحابہ کی کمزوریوں کو نمایاں کیا جائے بلکہ دکھانا ہے کہ صحابہ بھی انسان تھے جو لوگ حضرت علیؓ کی کمزوریوں پر پیغمبر علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ و خصائل برگزیدہ چسپاں کرتے ہیں اور دن رات چیختے چلاتے رہتے ہیں کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم کے وصی (پردردہ) تھے۔ وہ نبی نہیں تو نبی صفت ضرور تھے۔ ان میں کسی قسم کا عیب کیسے باقی رہ سکتا ہے ذرا ان کی آنکھیں کھل جائیں۔

حضرت علیؓ کی جدال پسندی

صحیح مسلم جلد دوم کی حدیث نمبر ۲۲۰۴ میں حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلعم ان کے گھر تشریف لائے جبکہ وہ اور فاطمہ دونوں غافل سو رہے تھے۔ آپ نے ان دونوں کو جگایا اور پوچھا کیا تم لوگ نماز نہیں پڑھتے ہو (یعنی تہجد کی نماز) علی نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ اٹھانا چاہتا ہے تو ہمیں اٹھا دیتا ہے۔ جب علی نے یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر علی کا بیان ہے کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر مارتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ وَکَانَ الانسان اکثر شیئٍ جدلاً۔ یعنے آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ حضرت علی کے اوصافِ حمیدہ پر رسول اللہ کی سند ہے۔

الغرض حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی بن ابی طالب دونوں کی ذہنیتیں مختلف اور جداگانہ تھیں ایک خداپرستی میں سبقت رکھتی تھیں اور دوسرے پر دنیاپرستی کا بھوت سوار تھا۔ اسی لئے ان دونوں کے درمیان آپس میں رنجش رہتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ان دونوں میں صلح کرانے کے لئے علی کے گھر جایا کرتے تھے۔ اصابہ میں منقول ہے کہ ایک دن ایک صحابی نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ آپ جب اس گھر میں داخل ہوئے تو چہرے پر کوئی خاص خوشی کا اثر نہیں تھا اور اب جب کہ باہر تشریف لائے تو چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کیوں خوش نہ ہوں

جب کہیں نے اپنے دو پیاروں کے درمیان صلح کرادی۔

غزوات میں حضرت علیؓ کی کارگزاریاں

چونکہ حضرت علیؓ کمزور تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہلکی ڈیوٹی دیتے تھے جنگ خندق میں طبری کے بیان کے مطابق انہوں نے عمرو بن عبد ود کو قتل کیا جبکہ اس نے خندق کے ایک مقام پر سے اپنا گھوڑا کدواکر حصار کے اندر داخل ہوگیا۔ غزوہ بنی قریظہ میں رسول اللہ نے حضرت علیؓ کو علَم دیکر روانہ فرمایا۔ حضرت علی وہاں پہنچے تو انہوں نے لوگوں کی آوازیں سُنیں۔ جو رسول اللہ کی شان میں نہایت بُرے الفاظ کہہ رہے تھے وہ وہاں ٹھہر نہ سکے اور واپس ہوگئے۔ راستہ میں انہوں نے رسول اللہ صلعم کو لیا اور کہا یا رسول اللہ آپ ہرگز ان خبیثوں کے نزدیک نہ جائیں وہ آپ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے مجھے دیکھا ہوتا تو وہ اس قسم کے ناشائستہ الفاظ اپنی زبان سے ہرگز نہ نکالتے۔

طبری کے اس بیان سے حضرت علی کی دو کمزوریاں بے نقاب ہوئیں۔ علی میں وہ رعب و دبدبہ نہیں تھا جو دشمن کو خوف میں مبتلا کر سکتا۔ اور حضرت علی نے رسول اللہ صلعم کے حکم کی خلاف ورزی کی حکم کے بغیر اپنی جگہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

غزوۂ خندق میں حضرت علیؓ کا کارنامہ

غزوۂ خندق میں قریش کے دوسرے شہسوار کے ساتھ ہبیرہ اور عمرو بن عبد بھی موقع پاکر جنگجوئی کی غرض سے خندق میں داخل ہوگئے۔ عمرو بن عبد کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی۔ جوانی میں وہ قریش کا نامور شہسوار تھا۔ وہ ابوطالب کا گہرا دوست و ندیم بھی تھا۔ حضرت زبیر بن العوام نے ہبیرہ پر وار کیا تو وہ اپنے آپ کو بچا کر بھاگ گیا۔ درع اس کی گر پڑی جو انہوں نے لے لی۔ فاخذ الزبیر الدرع۔ حضرت علیؓ نے نوے برس کے بوڑھے عمرو بن عبد کو قتل کر دیا۔ (کتاب المغازی جلد ۲)

صلح حدیبیہ اور حضرت علی

کشف الغمہ کی ایک روایت کے مطابق اس صلح میں حضرت علیؓ نے سب سے بڑا پارٹ یہ ادا کیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط انہوں نے قلمبند کیں۔ عام روایتوں کے مطابق اس مہم میں ایک ہزار چار سو اصحاب رسول شریک ہوئے مگر شیعی روایات کے مطابق دو ہزار تین سو صحابہ رسول اللہ کے ساتھ تھے۔

جب مکہ والوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش کو اہل مکہ کے پاس بھیجا۔ وہ اسے مارنے آئے تو وہ بھاگ کر واپس آگیا پھر رسول اللہ صلعم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ مگر اہل مکہ نے انہیں قید کر لیا۔ جب ان کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر تمام صحابہ سے بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے سوائے قید بن قیس منافق کے کسی نے تخلف اس بیعت سے نہیں کیا۔

کاشانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس بیعت کا نام بیعت رضوان اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے اس بیعت کرنے والوں کی شان میں فرمایا ہے کہ وہ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جنہوں نے آپ سے درخت کے نیچے بیعت کی اور آنحضور نے فرمایا کہ جن مسلمانوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

بیعتِ رضوان کو توڑنے والے

صاحب تقلیب المکائد نے بیعت رضوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ معجزہ نما کلام اس امر کا ثبوت ہے کہ بیعتِ رضوان کرنے والوں میں سے بعض لوگ اس بیعت کو ترک کر دیں گے۔" بیعت رضوان کو ترک کرنے والوں میں سب سے نمایاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیں گے۔ لیکن اس کے وقت آنے پر انہوں نے نہ صرف اپنے عہد کی پابندی نہیں کی بلکہ قاتلوں کو اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دی۔ اس طرح ان سے بیک وقت دو جرموں کا صدور ہوا۔

صلح حدیبیہ کی شرطیں

علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ صلح کے تصفیہ کے بعد رسول اللہ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل بن عمرو نے کہا میں اس جملہ کو نہیں جانتا، نہیں مانتا البتہ یوں لکھو باسمک اللّٰھم۔ رسول اللہ نے مجھ سے کہا، یہی لکھ دو۔ میں نے یہی لکھ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ نے فرمایا آگے لکھو "یہ معاہدہ ہے جس میں محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے۔" سہیل نے کہا کہ اگر ہم اس امر کو تسلیم کرتے کہ آپ رسول اللہ ہیں تو پھر ہم آپ سے کیوں لڑتے؟ اس کے بجائے آپ اپنا صرف نام اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا اچھا لکھو۔ یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے۔ آج سے دس سال تک ہم میں باہم کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اس مدت میں ہر شخص مامون ہوگا۔ کوئی کسی

پر دست درازی نہیں کرے گا۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر رسول اللہ کے پاس آجائیگا۔ اسے اس کے ولی کے پاس واپس بھیج دیا جائیگا اور رسول اللہ کے ہمراہیوں میں سے اگر کوئی قریش کے پاس چلا جائے گا تو وہ اسے آپ کے پاس واپس نہیں بھیجیں گے۔ اب ہمارے درمیان میں کوئی لڑائی نہ رہی، نہ تلوار نکلے، نہ تیراندازی اور نہ سنگ باری ہو۔ جس کا جی چاہے وہ رسول اللہ کے ساتھ ان کے عہد و پیمان میں داخل ہو جائے۔ اور جس کا جی چاہے وہ قریش کے ساتھ ہو جائے۔ (طبری جلد اول ص ۳۳۶) علیؓ نے وہی لکھ دیا

جنگِ خیبر اور حضرت علیؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے صلح حدیبیہ صرف اس غرض سے کی تھی کہ جنگِ خیبر میں وہ غیر جانبدار رہیں

ان کو غیر جانبدار بنانے کے لئے صلح حدیبیہ کے پیشتر بہت سارے اقدامات کئے گئے مثلاً مکہ کے سب سے بڑے اور بااثر سردار ابوسفیان کی لڑکی ام حبیبہؓ سے جو حبشہ میں بیوہ ہو کر بے وسیلہ ہو گئی تھیں۔ ان سے رسول اللہ نے عقد غائبانہ کر لیا۔ اسی زمانہ میں اتفاق سے حجاز میں سخت قحط پڑا تو رسول اللہ صلعم نے مکے کے غرباء و فقراء کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں اور ابوسفیان کو مختلف سامانِ ضرورت (کھجور وغیرہ کا ہدیہ) بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب فرمائیں۔ یمامہ بن اثال کے اسلام لانے کے باعث مکے والوں کو یمامہ کا سامانِ رسد بند ہو گیا تو رسول اللہ نے اس بندش کو اٹھا دیا۔ غرض باوجود حالتِ جنگ قائم رہنے کے مکہ والوں کی یہ خاموش دلجوئی کے کام جاری تھے۔ ان اقدامات کی وجہ سے مکہ کے لوگ بھی ان کا مسلمانوں کے دل سے طرفدار بنتے چلے گئے۔

حضرت علیؓ نے جنگِ خیبر میں کوئی حصہ نہیں لیا

صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے لئے جنگ کی تیاری کی اور ۷ھ کے محرم الحرام کے بالکل ابتدائی تاریخوں میں ایک ہزار چار سو پیادوں اور دو سو سواروں کو لے کر خیبر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ مدینہ میں نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حالانکہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پیچھے مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ مگر ان کو اپنا نائب نہیں بنایا کیونکہ وہ اس اہم عہدہ پر مامور ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔

خیبر کے احاطہ میں کوئی آٹھ دس قلعے تھے۔ سب سے پہلے قلعہ ناعم مفتوح ہوا۔ دورانِ جنگ میں محمود بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ یہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

یہ چیچپی روایت بھی افیمیوں کو پسند نہیں آئی۔ تو مزید مرچ مصالحہ کا اضافہ کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔ رسول اللہ کے غلام ابورافع کہتے ہیں کہ آنحضرت نے خیبر کی طرف بھیجا تو ہم ان کے ساتھ گئے تھے اور ہم نے یہ واقعہ دیکھا تھا کہ جب حضرت علی قلعہ کے قریب پہنچے تو اہل خیبر ان سے لڑنے آگئے اور آپ ان سے لڑنے لگے۔ اسی حالت میں ایک یہودی نے ان کو تلوار ماری جس سے ان کی ڈھال ہاتھ سے گر گئی حضرت علیؓ نے قلعہ کے پاس سے ایک دروازہ اٹھا لیا اور پھر اسی دروازہ کو اپنی ڈھال بنا لیا۔ اور پھر جب تک لڑتے رہے اس دروازے کو ہاتھ میں پکڑے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے ہاتھ پر خیبر کو فتح کروا دیا فتح کے بعد انہوں نے اس دروازہ کو پھینک دیا۔ ہم سات آدمی تھے۔ اور میں آٹھواں تھا۔ ہم سب نے کوشش کی کہ اس دروازہ کو پلٹا دیں تو ہم اس کے پلٹانے پر قادر نہ ہو سکے۔"

چند تبصرے

اس روایت کا ذکر کر کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "وگفتہ است کہ ایں روایات واہی است" علامہ سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں تصریح کی ہے کہ "کلھا واہیۃ" علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔

راوی ابورافع حضور صلعم کا بدترین دشمن تھا۔ جو اسلام میں داخل ہو کر مرتد ہوا۔ جس نے کئی بار عہد شکنی کی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا۔ بخاری کی حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف جلد سوم میں حدیث ۵۶۲۵ ہے اس دشمن اسلام کے متعلق مواد موجود ہے مگر مسلم نما یہودیوں نے مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دشمنِ اسلام کو رسول اللہ صلعم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا ہے۔

خیبر کے دروازہ پر مرزا حیرت دہلوی کا تبصرہ

اب گڑھی کے دروازہ کی کیفیت بھی گوشگزار کر لیجئے۔ شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد حیات القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تیس چالیس آدمی بھی اس دروازہ کو جنبش نہیں دے سکتے تھے۔ اگر مجلسی صاحب بہادر کی اس بلند پروازی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس دروازہ کا وزن اتنا زیادہ ہو وہ کم سے کم چار گز چوڑا اور چھ گز لمبا ضرور ہونا چاہیئے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت علیؓ پستہ قد تھے۔ ان کے ہاتھ پیر بہت مختصر تھے۔ صرف پیٹ زیادہ بڑا تھا جو عموماً جسمانی ورزش نہ کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ تو جس وقت آپ نے اس دروازہ کو اٹھا کر ڈھال کا کام لینا شروع کیا ہوگا۔ تو اُدھر تو دروازہ کی لمبائی چوڑائی کی وجہ سے دشمنوں کی نظر سے آپ چھپ گئے ہوں گے۔ اور ادھر وہ دروازہ آپ کے آگے حائل ہو گیا

اس کے بعد قلعہ قموص فتح ہوا۔ اس میں کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق یہودی کی زوجہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب بھی گرفتار ہو کر آئیں جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی گئیں۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دحیہ رضی اللہ عنہ سے خرید کر آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس طرح یہ ام المومنین بنیں۔

قلعہ قموص کے بعد صعب بن معاذ کے قلعہ پر قبضہ کیا گیا۔ یہ قلعہ ان تمام قلعوں میں عمدہ ترین تھا اور اس کے مضافات میں پیداوار خوب ہوتی تھی اور اسی وجہ سے یہ قلعہ خیبر کے تمام قلعوں کی مدد کرتا تھا۔ سب سے آخر میں وطیح اور سلالم فتح کئے گئے۔

چند جھوٹی روایات

طبری نے ابن اسحاق سے بریدہ بن سفیان کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے ایک سفید نشان دیکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر خیبر کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ قلعہ کا نام نہیں بتایا مگر کہا کہ یہ لشکر سارا دن لڑتا رہا مگر قلعہ فتح نہیں ہوا۔ دوسرے دن آپ نے اس نشان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ اور یہ بھی لڑ کر بغیر فتح کئے واپس لوٹ آئے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں کل اس نشان کو اس شخص کے حوالے کروں گا جس کے ہاتھوں یہ قلعہ فتح ہو گا۔ تیسرے دن تمام صحابی اس آرزو میں جمع ہوئے کہ شاید وہ نشان ان کو ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کو بلایا جو اس وقت آنکھ کے درد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مجمع میں حاضر نہیں تھے اور ان کی آنکھوں پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا اور لعابِ دہن مل دیا جس سے علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اچھی ہو گئیں اور نشان مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا۔ یہ نشان لے کر جاؤ تا آنکہ اللہ تعالےٰ تمہارے ہاتھ سے اس کو فتح کرے۔ چنانچہ حضرت علی نے صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ اس قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔

طبری کی اس روایت میں دیو مالائی رنگ ہے۔ اسی لئے وہ جھوٹی روایت ہونے کے باوجود عراقی اور ایرانی مجوسیوں کے مسلم نما فرزندوں کو پسند نہیں آئی۔ وہ چاہتے تھے کہ روایت اور زیادہ دلچسپ ہو۔ پھر انہوں نے بریدہ اسلمی کی روایت گھڑی جو علی بوائی کے شائقین کو بہت پسند آئی لہٰذا ابن اثیر نے اپنی کتاب الکامل کے حصہ دوم میں بریدہ بن سفیان والی روایت کے عوض بریدہ اسلمی والی روایت کو درج کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

بریدہ اسلمی کی روایت

راوی بریدہ اسلمی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو اکثر آدھے سر کے درد کی شکایت ہو جاتی تھی۔ اس وقت ایک یا دو دن باہر نہیں نکلتے تھے۔ اور جب خیبر میں آپ اترے تو درد سر کی شکایت ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ باہر تشریف نہیں لائے اور اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے جھنڈا آنحضرت سے لیا۔ جنگ پر گئے۔ بہت سخت جنگ کی اور واپس ہو گئے پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا (یعنی دونوں حضرات کو جھنڈا رسول اللہ صلعم نے عطا نہیں فرمایا تھا) حضرت عمرؓ نے پہلے دن سے بڑھ کر سخت جنگ کی اور پھر واپس ہو گئے۔ پھر اس حال کی اطلاع آنحضرت کو جب دی گئی تو آپ نے فرمایا "کل میں ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا۔ جس کو اللہ اور اس کا رسول چاہتا ہے اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کو چاہتا ہے۔ وہ قلعہ کو بزور فتح کریگا۔" اس وقت حضرت علیؓ خیبر میں موجود نہیں تھے۔ ان کی آنکھیں دکھنے آئی تھیں۔ اسی لئے مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔"

اور پھر جب صبح ہوئی تو حضرت علی اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے تشریف لائے اور اپنا اونٹ آنحضرت کے ڈیروں کے پاس بٹھا دیا۔ ان کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ اور انھوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا حضور آپ کے مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد میری آنکھیں آگئیں۔ آنحضرت نے ان کو قریب بلایا اور جب وہ قریب آئے تو آپ کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی آشوبِ چشم کی شکایت ان کو نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ آنحضرت نے جھنڈا ان کو دے دیا اور وہ اپنی راہ پر روانہ ہو گئے۔ اس وقت وہ سرخ رنگ کی عبا پہنے ہوئے تھے اور جب اپنی جگہ پر پہنچے تو اوپر سے ایک یہودی نکلا۔ اس نے آپ سے نام پوچھا تو آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ آپ کا نام معلوم ہونے پر اس یہودی نے اپنی جماعتِ یہود سے کہا کہ اے یہودیوں کے گروہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔ اس کے بعد صاحب قلعہ یعنے مرحب آپ سے لڑنے کے لئے مقابلہ میں آیا۔ اسکے اوپر یمنی زرہ تھی اس پر خود زرہ سے تنگا ہوا تھا وہ یہ شعر رجز میں کہہ رہا تھا

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبُ ٭ شاکی السلاح بطل مجرب (ترجمہ) خیبر کا ہر شخص جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ ہتھیاروں کا لدا ہوا تجربہ کار پہلوان ہوں۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حیدرہ ٭ کلیث غابات کریہ المنظرہ۔ (ترجمہ) میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے شیر رکھا ہے میں جھاڑیوں کے شیروں جیسا کریہ المنظر چہرہ رکھتا ہوں۔

پھر دونوں طرف سے وار ہوئے۔ علی اس پر جھپٹ پڑے اور ایسا وار کیا کہ ڈھال، خود تنہ اور سر کو کاٹ ڈالا۔ وہ زمین پر گر گیا اور آخر کار خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔

ہوگا اور آپ اپنے حملہ کے دھڑ کو نہ دیکھ سکے ہوں گے تو پھر جنگ کیونکر ہوئی اور مرحب یہودی جس کو شیعی داستان گویوں نے طاقت میں رستم و اسفندیار بنا دیا ہے حضرت علی سے کیونکر لڑا؟" (کتاب شہادت)

مزید تنقیص

(۱) دروازہ کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کے لئے بیچ میں پکڑنے کے لئے قبضہ یا مُٹھی چاہیئے۔ آٹھ آدمی اس کو ہلانے پر قادر نہیں ہوسکے تو حضرت علی جیسے دس بیس اشخاص بھی اس کو ڈھال بنانے پر قادر نہیں ہوسکتے تھے۔

(۲) اگر غزوۂ خیبر کے دوران رسول اکرم صلعم نے فرمایا ہوتا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کو اللہ اور اس کا رسول چاہتا ہے اور جو وہ خود بھی اللہ اور اس کے رسول کو چاہتا ہے تو اصحاب رسول نے اس بات کی تصدیق اس وقت کیوں نہیں کی جبکہ ایک جانشین مقرر کرنے کے مطالبہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کس کو جانشین مقرر کروں؟ اگر ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو ان کو جانشین مقرر کرجاتا میرا رب اس بارے میں مجھ سے باز پرس فرماتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کی زبانی سنا تھا کہ ابو عبیدہ اس امت کا امین ہے۔ یا ابو حذیفہ کے مولیٰ سالم رض زندہ ہوتے تو انہیں جانشین مقرر کرجاتا میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو یہ کہتے سُنا ہے کہ "سالم رض اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہے۔" اگر بخاری اور مسلم کی یہ روایت صحیح ہوتی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اُسی وقت اصحاب رسول حضرت عمر رض کو یاد دلاتے کہ فتح خیبر کے دن رسول اللہ نے یہی بات کہہ کر جھنڈا حضرت علی کے حوالے کیا تھا لہٰذا حضرت علی رض کو اپنا جانشین مقرر کرو۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی ہوتی تو خود حضرت علی بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد دلاتے۔ اگر رسول اکرم صلعم کے زبانی یہ کلمات نکلے ہوتے تو اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں ان کلمات کی خلاف ورزی کرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی عاقبت کو خطرہ میں نہ ڈال دیتے۔ بخاری و مسلم کے اکثر احادیث متشکی ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین تمام کے تمام مجوسیوں کی اولاد ہیں۔ ان میں سے ایک بھی عرب نہیں ہے۔

(۳) حضرت علی کو آشوبِ چشم کی شکایت بچپن سے تھی۔ لعابِ دہن سے اگر ان کی بیماری جاتی رہتی تو علاج خیبر کے دن تک اُٹھا نہ رکھا جاتا۔ احادیث میں موجود ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو آنکھ کا درد ہوا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عیادت کی تھی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا نام قرآن میں نازل ہوا ہے۔ اللہ نے ان کے سچے ہونے کی شہادت دی ہے۔ رسول اللہ صلعم بھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ پھر کیوں نہ رسول اللہ نے لعابِ دہن کا عجیب و غریب نسخہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے آنکھوں پر آزمایا؟ کیا وہ نسخہ صرف علی کے لئے مخصوص تھا؟

(۴) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر آدھے سر کے درد کی شکایت ہوجاتی تھی تو تعجب ہوتا ہے کہ تاریخی کتابوں میں سوائے خیبر کے دن کے اس عام شکایت کا تذکرہ کیوں نہیں ہوا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ خیبر کی فتح کے دن حبشہ سے واپس ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ملاقات کی۔ رسول اللہ نے انہیں گلے لگاتے ہوئے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ فتح خیبر سے یا جعفر کی واپسی پر میں بہت خوش ہوں۔ اگر حضرت علی بھی خیبر میں موجود ہوتے تو خیبر میں علی اور جعفر کی ملاقات کا تذکرہ کسی نہ کسی کتاب میں پایا جاتا۔ کیا شیعوں کے پاس کوئی ایسی کتاب ہے؟

مرحب یہودی کو کس نے قتل کیا؟

(۱) ابن اثیر کی الکامل حصہ دوم کے صفحہ ۳۵۸ پر بریدہ اسلمی کی روایت درج ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۶ پر روایت موجود ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا وہ لکھتے ہیں کہ قلعہ وطیح یا سلالم کا سردار مرحب تھا۔ یہ ایک بہادر یہودی تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں آکر للکارا تو اس کے مقابلہ کے لئے محمد بن مسلمہ انصاری میدان میں آئے اور رسول اللہ صلعم سے اجازت چاہی اور فرمایا کہ کل اس نے میرے بھائی کو شہید کر دیا ہے اور اب میرے مقتول بھائی کا بدلہ مجھ پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلعم نے انہیں لڑنے کی اجازت دی اور کامیابی کی دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کافر کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ ایک زبردست وار مرحب نے محمد بن مسلمہ پر کیا۔ جس کی وجہ سے اس کی تلوار محمد بن مسلمہ کی ڈھال میں دھنس گئی۔ موقع پاتے ہی محمد بن مسلمہ نے مرحب پر وار کرکے اُسے قتل کر دیا۔ (الکامل ابن اثیر جلد دوم صـ ۳۵۲)

علامہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی تاریخ الاسلام میں خیبر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ خیبر کے علاقہ میں یہودیوں کے پاس ایک دوسرے کے قریب چھ زبردست قلعے تھے۔ یہودیوں نے اسلامی لشکر پہنچنے پر میدان میں نکل کر مبارز طلبی کی۔ ان میں مرحب اور یاسر دو بڑے بہادر، پیل تن اور جنگ جو تھے۔ انہوں نے میدان میں نکل کر اپنا حریف طلب کیا تو مسلمانوں کی طرف سے محمد بن مسلمہ اور زبیر بن العوام نکلے۔ محمد بن مسلمہ انصاری نے مرحب کو اور زبیر بن العوام نے یاسر کو قتل کیا۔

(۳) سیرۃ النبی کے جلد اول ص۴۸۹ پر روایت درج ہے کہ ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ انصاری نے مارا تھا۔" یہ روایت لکھنے کے بعد علامہ شبلی نعمانی اللہ کو پیارے ہو گئے ان کے شاگرد عزیز علامہ سلیمان ندوی نے اسی کتاب کے حصہ سوم کے ص۶۹۳ پر خیبر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "حضرت علی پردہ غیار سے نمودار ہوئے حضرت ممدوح کو آشوب چشم تھا۔ اسی لئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے"۔ علامہ ندوی کو بھی ایرانی دیو مالائی کہانیوں سے شناید الفت تھی۔

(۴) تاریخ طبری حصہ اول (سیرۃ النبی) مترجم کے صفحہ ۳۵۸ پر حسب ذیل عبارت ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ مرحب پوری طرح مسلح ہو کر ان قلعوں سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ (ترجمہ) تمام خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ مسلح، دلاور، جنگ آزمودہ، کبھی نیزہ چلاتا ہوں اور کبھی تلوار۔ جب دلاور جنگ کے لئے سامنے آتے ہیں میری چراگاہ سے متصل کسی اور کی چراگاہ نہیں ہوتی۔ اس نے کہا کوئی ہے جو مقابلہ پر آئے؟ رسول اللہ نے صحابہ سے کہا کون اس کے مقابلہ پر جاتا ہے محمد بن مسلمہ نے کہا چونکہ یہودی نے کل ہی میرے بھائی کو قتل کیا ہے میں جوشِ انتقام سے معمور ہوں، میں اس کے مقابلہ پر جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ اللہ اس کے مقابلہ میں تمہاری اعانت کرے۔ جب دونوں قریب آئے ایک جھاڑ ان کے درمیان حائل ہو گیا۔ یہ دونوں اپنے حریف سے اس کی آڑ لینے لگے۔ جو اس کی آڑ لیتا اپنی تلوار سے سامنے کی شاخیں قطع کر دیتا۔ یہاں تک کہ پورا درخت ان دونوں کے درمیان انسان کی طرح ننگا کھڑا رہ گیا۔ کوئی شاخ اس پر نہ رہی۔ مرحب نے محمد پر تلوار ماری۔ انہوں نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور تلوار اس ڈھال میں پیوست ہو گئی۔ اس سے مرحب دم زدہ ہو گیا۔ اب محمد نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ زبیر بن العوام اس کے مقابلے پر چلے ان کی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا میرا بیٹا ہی مارا جائے؟ آپ نے فرمایا بلکہ انشاء اللہ تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا۔ زبیر نے اُسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد شیعہ مصنف نے وہ سارے خرافات بیان کئے ہیں جو آج کل جاری ہیں۔

حضرت علی جنگ خیبر میں شریک نہیں ہوئے

ان ساری روایتوں کو پڑھنے کے بعد اب کسی کے دل میں یہ شک باقی رہ جانے کی گنجائش نہیں ہے کہ مرحب کو کس نے قتل کیا۔

خیبر کی مہم کے دوران حضرت علیؓ مدینہ ہی میں تھے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل شہادتیں قابلِ غور ہیں۔

پہلی شہادت:۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے بعد (خیبر کی جنگ کے بعد) مدینہ کی طرف پھرے۔ علی بن ابی طالب مکان پر ہی رہ گئے تھے۔ اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کیا اور علی کے دو حصے لگائے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے علی بن ابی طالب کے دو حصے لگائے حالانکہ وہ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے اس سوار کو نہیں دیکھا جو لشکر کے دائیں طرف سے حملہ کر کے مشرکوں کو بھگا دیتا تھا اور پھر میرے پاس آکر کہتا تھا اے محمد آپ کے پاس میرا بھی حصہ ہے اور وہ میں نے علی بن ابی طالب کو دیدیا۔ وہ سوار جبرئیل تھے۔ اور اے لوگو! میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے اس سوار کو نہیں دیکھا جو لشکر کے بائیں طرف مشرکوں پر حملہ کر کے انہیں بھگا دیتا تھا اور میرے پاس آکر کہتا تھا کہ اے محمد تمہارے مالِ غنیمت میں میرا بھی حصہ ہے اور وہ میں نے علی بن ابی طالب کو دیدیا۔ لہٰذا خدا کی قسم میں نے علی کو صرف جبرئیل اور میکائیل ہی کے حصے دیئے ہیں۔ یہ سن کر سب لوگوں نے تعجب سے "اللہ اکبر" کہا۔

(بحار الانوار جلد ۹ ص۴۲۵)

دوسری شہادت:۔ صحاح ستہ میں حدیثیں موجود ہیں کہ حضرت علی نے خندق کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ بوجہ مشغولیت جنگ انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی کہ سورج ڈوب گیا۔ رسول اللہ صلعم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ تو سورج دوبارہ نکل آیا اور چمکنے لگا۔ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔

عبداللہ بن حسن نے بیان کیا۔ انہوں نے فاطمہ بنت حسین سے، انہوں نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی۔ اسماء بنت عمیس نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا۔ اور حضور رحمۃ للعالمین پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ جب وحی ختم ہوئی آنحضرت صلعم نے علی سے پوچھا نماز فرض ادا کر چکے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ الٰہی تو جانتا ہے کہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام میں مصروف تھا۔ اس پر آفتاب کو لوٹا دے۔ خدا نے آفتاب کو لوٹا دیا۔ حالانکہ وہ غروب ہو چکا تھا۔

(ازالۃ الخفا مقصد دوم ص۵۲۹)

جویریہ بن مسہر کہتے ہیں ہم ایک سفر میں علی بن ابی طالب کے ساتھ تھے۔ عصر کے وقت ایک پُل پر پہنچے
علی نے کہا یہ وہ مقام ہے جہاں لوگوں کو عذاب دیا گیا لہٰذا نبی کے وصی کو اس مقام پر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے
تم لوگ نمازیں پڑھ لو۔ لوگ منتشر ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ مَیں نے کہا بخدا میں انہیں کی تقلید کروں گا۔ پھر
وہاں سے چلے۔ اور جب سُورج بالکل ڈوب گیا۔ ہم سب سفر طے کر چکے تو وہاں پہنچ کر علی نے کہا اے جویریہ
اذان دے دو۔ مَیں نے کہا اب آپ کہتے ہیں اذاں دیدو حالانکہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ انہوں نے فرمایا
تم اذاں دیدو۔ چنانچہ میں نے اذاں دیدی۔ فرمایا۔ اقامت کہو۔ جب مَیں نے قد قامت الصلوٰۃ کہا تو
مَیں نے علی کے دونوں ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھا اور کچھ کلمات سُنے جو عبرانی زبان کے تھے (حضرت علی اس
وقت عربی زبان بھول گئے تھے کیونکہ وہ عراقی بن گئے تھے۔) اس وقت سورج لوٹ کر اوپر چڑھ آیا۔ یہاں
تک کہ اسی طرح ہو گیا۔ جس طرح عصر کے وقت ہوتا ہے۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ جب ہم فارغ ہوئے
تو سورج اپنی جگہ چلا گیا اور ستارے جگمگانے لگے۔ (بحار الانوار)

لہٰذا یہ اللہ کی سنت تھی کہ علی بن ابی طالب کی نماز کبھی قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور اللہ کی سنت
کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد احادیث کی کتابوں میں وہ حدیث بھی ملاحظہ
کریں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ خیبر کی مہم میں کامیابی کے بعد واپسی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وادی القریٰ میں رات کے وقت آرام فرمایا تھا۔ مشکوٰۃ جلد اوّل میں صحیح مسلم کی حدیث نقل کی گئی کہ ابو ہریرہ
نے روایت کی کہ رسول اللہ صلعم غزوۂ خیبر سے واپس ہوتے تورات میں سفر کیا۔ جب آخری رات میں اُنگھ
آنے لگی تو آپ آرام کے لئے اترے اور بلال سے فرمایا کہ تم ہماری حفاظت کرو۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہو
جگا دینا۔ بلالؓ تہجد کی نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ جب فجر کی نماز
کا وقت قریب آیا تو بلالؓ نے اپنی اونٹ کا سہارا لیا اور مشرق کی طرف منہ کر لیا تاکہ فجر کی روشنی نمودار ہو
تو رسول اللہ کو جگا دیں۔ لیکن بلال کی آنکھوں میں نیند بھر گئی اور وہ غافل سو گئے۔ پس نہ بلال کی آنکھ کھلی
رسول اللہ کی اور نہ صحابہ میں سے کسی کی یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ اور دھوپ کی گرمی سے رسول اللہ کی
آنکھ سب سے پہلے کھلی۔ آپ نے بلال کو جگا کر پوچھا اے بلال تجھے کیا ہوا؟ بلال نے عرض کیا۔ مجھ پر بھی
آ گئی وہ چیز جس نے غلبہ پایا آپ پر یعنی نیند۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ یہاں سے جلدی چلو۔ چنانچہ
کو تھوڑی دُور لے جا کر حکم دیا کہ سب یہاں اتر پڑو اور وضو کرو۔ پھر وضو کیا۔ رسول اللہ صلعم نے

کو حکم دیا کہ اذان دو صبح کی۔ اور پھر نماز پڑھائی حضورِ اکرم نے صبح کی۔ جب تمام نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا
رسول اللہ نے کہ جو شخص بھول جائے نماز کو تو اس کو چاہیئے کہ جس وقت یاد آئے پڑھ لے کیونکہ اللہ نے فرمایا
ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب
اس قافلہ میں موجود نہیں تھے۔ جو خیبر کی فتح کے بعد واپسی میں وادی القریٰ میں صبح کی نماز طلوعِ آفتاب
کے بعد ادا کی تھی۔ اگر علی اس میں موجود ہوتے تو اللہ تعالیٰ علی کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے سُورج کو
لَوٹا دیتے تاکہ علی صبح کی نماز سُورج کے طلوع ہونے سے پہلے ادا کر لیں۔

اصل حقیقت جِکی پردہ داری کیلئے جھُوٹی حدیثیں گھڑی گئیں

جس وقت خیبر کی مہم کا آغاز ہوا عین اسی وقت حَسن بن علی بن ابی طالب پیدا ہوئے۔ زچہ اور بچہ کی دیکھ بھال کے لئے علی کو مدینہ ہی میں رہ جانا پڑا۔ نومولود کی نگہداشت کے لئے رسول اللہ صلعم نے علی کو مدینہ میں پیچھے چھوڑ دیا۔ جس طرح جنگِ بدر کے موقع پر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ انکی رُقیہ بنت رسول اللہ کی دیکھ بھال کریں۔ رُقیہ بے حد بیمار تھیں۔ اسی بیماری میں ان کا انتقال ہُوا تھا۔

کہنے والے کہیں گے کہ ولادتِ حسن کو جو ایک خوش خبری ہے چھپانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
اصل حقیقت یہ ہے کہ حسن کی ولادت محرم ۷ھ شروع ہونے کے ایک دو دن قبل ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت وہ صرف چار سال دو ماہ اور کچھ دنوں کے تھے۔ اس لحاظ سے وہ صحابی نہیں بن سکتے تھے۔ ان کو صحابیوں کے صف میں شامل کرنے کے لئے ان کی ولادت کا سال ۲ھ بتایا گیا ہے
جو بکواس ہے۔

صحابی کون ہے؟

حافظ ابنِ حجر اپنی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" جلد اوّل صفحہ پانچ پر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے صحابیت کی تعریف کو اس درجہ عام اور وسیع کر دیا ہے کہ جس نے بھی رسول اللہ صلعم کو ایک بار دیکھ لیا وہ صحابی ہو گیا تو یہ عموم و اطلاق دراصل اس بات پر محمول ہو گا کہ دیکھنے والا سنِ تمیز کو پہنچ گیا ہو۔ اگر وہ سن تمیز ہی کو نہ پہنچا ہو تو رویت کی نسبت اس کی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ ضرور تصدیق کی جا سکتی ہے کہ اس نے رسول اللہ کو دیکھا۔ پس اس کے دیکھنے کی نسبت سے اسے صحابی کہا جائیگا۔ مگر رویت کے معاملہ میں اس کا درجہ و مقام تابعی کا ہو گا۔

حضرت سعید بن المسیب جن کی جلالت، شان عظمت عالمانہ اور بصیرت مومنانہ کے تمام سلف و خلف قائل ہیں، سے مروی ہے کہ ان لوگوں کو صحابی میں شمار نہیں کرتے جنہوں نے کم از کم ایک سال یا کچھ زائد حضور کی صحبت نہ اٹھائی ہو یا حضور کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوے نہ کئے ہوں۔ (فتح الباری جلد ۷، ص۲)

حضرت انس بن مالک رضی کا ایک قول بھی اسی کتاب یعنے فتح الباری میں درج ہے کہ وہ صحابی نہیں ہیں جنہوں نے صرف رسول اللہ صلعم کو دیکھا یا جو رسول اللہ کے ساتھ تو رہے مگر جلدی جدا ہو گئے۔

کیا حسن بن علی صحابی تھے؟

طبقات ابن سعد حصہ دوم اخبار النبی (اردو ترجمہ) کے صفحہ ۲۱۸ پر لکھا ہوا ہے کہ "حسن بن علی رضی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالۃ التیمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ دریافت کیا"۔

اسد الغابہ کے مقدمہ میں علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ لفظ صحبت امت کے لئے ایک اصطلاحی لفظ بن گیا۔ لوگ اسے صرف کثیر صحبت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور کثیر صحبت ہی کے لئے صحابیت کا خطاب جائز رکھتے ہیں نہ کہ ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پل بھر کے لئے مل لیا یا آپ کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا آپ سے ایک آدھ حدیث سنی ہو۔ پس واجب ہوا کہ یہ لفظ "صحابی" صرف انہیں لوگوں کے لئے استعمال کیا جائے جنہیں کثیر صحبت حاصل رہی ہو۔

لہذا حالتِ ایمان میں رسول اللہ صلعم کو صرف ایک بار دیکھ لینا یا ایک آدھ حدیث سن لینا یا دس بیس قدم رسول اللہ کے ساتھ مل کر چل لینا صحابیت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ سعید بن المسیب رضہ، حضرت انس بن مالک رضی اور علامہ ابن الاثیر رح کے نزدیک صحابیت کے لئے بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔ حسن اور حسین ان شرائط کو پورا نہیں کرتے لہٰذا ان حضرات کے نزدیک وہ صحابیت کا درجہ نہیں رکھتے۔

مگر ایرانی اور عراقی علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں نواسوں کو صحابیت کا درجہ عطا کرنے کے لئے جھوٹی روایات اور موضوع احادیث سے کام لیا۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "کفایۃ" میں لکھ مارا کہ الحسن بن علی بن ابی طالب مولدہ سنۃ اثنین من الھجرۃ" وہ کہتا ہے کہ حسن سنہ ۲ھ میں پیدا ہوئے جبکہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ کی شادی جنگِ احد کے بعد ہوئی اور رخصتی سن چار ہجری میں عمل میں آئی۔

سنِ ولادتِ حسن

ابن قتیبہ نے ابن اسحاق کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت حسن کی ولادت سنہ ۶ھ کے اواخر میں ہوئی۔ (المعارف ص۶۹)

پس ان تصریحات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت حسن اس وقت پیدا ہوئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ اسی لئے آپ نے حضرت علی رضی کو نومولود کی اور زچہ کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

علی رضی کی پہلی اولاد

ام کلثوم تھیں۔ دوسری رقیہ جن کا صغیر سنی میں انتقال ہوا، اور تیسرے حضرت حسن تھے۔ لیکن کتابوں میں حسن کو علی رضی کی پہلی اولاد لکھا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ اس سلسلے میں یاد رکھنے کی معقول بات یہ ہے کہ سنہ ۱۷ھ میں حضرت علی رضی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور جس وقت نکاح ہوا۔ ام کلثوم سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ حضرت عمر رضی کے ام کلثوم کے بطن سے دو بچے تھے زید اور رقیہ۔ اگر شادی کے وقت وہ نابالغ ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شادی ہی کیوں کرتے۔ ان کو ایک رفیقۂ حیات کی ضرورت تھی۔ گڑیا کھیلنے والی طفل چوں چوں کی ضرورت نہیں تھی۔ سن بلوغت کو پہنچنے کے لئے بارہ تیرہ سال لگ جاتے ہیں۔ اس حساب سے ام کلثوم کی پیدائش سنہ ۵ھ میں ہوئی۔ شادی کے بعد یہ پہلی صاحبزادی تھیں جو حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ سے پیدا ہوئیں۔

باب ۔۔۔ ۵

فتح مکہ میں حضرت علی رضی کا کردار

مدینہ کے شمال میں غطفان اور خیبر کے یہودی مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ اور جنوب میں اہلِ مکہ مخالفت کی ہر چیز کرنے کو تیار تھے۔ مسلمانوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ ایک ہی وقت میں دونوں دشمنوں پر حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیں۔ کسی ایک سے مقابلہ ممکن تھا۔ وہ یہودیوں کو سب سے پہلے ختم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہی مفسد تھے اور مکہ والوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ہر وقت اکساتے تھے۔ مگر خوف یہ تھا کہ مسلمان خیبر پر حملہ کرتے تو مکہ والے مدینہ کو فوجیوں سے خالی پا کر اس پر چڑھ دوڑتے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں سے صلح حدیبیہ کر کے ان کو خیبر والوں سے مسلمانوں کی جنگ
غیر جانبدار بنا دیا۔ یہی رسول اللہ کی بڑی کامیابی تھی جس کو قرآن مجید میں "فتح مبین" کہا گیا ہے
حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلعم نے مدینہ میں صرف دو ہفتے قیام فرمایا۔ اور خیبر کی طرف
بول دیا اور ایسی جنگی چالیں چلیں کہ خیبر والوں کی مدد کے لئے کوئی نہیں آیا یہاں تک کہ ان کے
کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے۔ خیبر کے یہودیوں کی قوت ہمیشہ کے لئے توڑ
دی گئی۔

اس کے بعد مکہ کے قریش ہی باقی رہ گئے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم سے کئے ہوئے معاہدے
ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے کے خلاف مدد کی تو رسول اللہ صلعم نے ان سے
لینے کا فیصلہ کر لیا جنگی تیاری فوج لے کر آگے بڑھے اور مکہ کے بالکل قریب پہنچ کر مر الظہران
قیام فرمایا اور مکہ والوں کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔

قریش کے تین بڑے سردار ابوسفیان بن حرب، بدیل اور حکیم بھی اسی چڑھائی کے زمانے میں کہ
سے مر الظہران آئے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں فروکش ہو چکے ہیں
سرداران قریش آپ کی قیام گاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر آپ کی بیعت کر لی۔

ابوسفیان کا اسلام

تاریخ طبری حصہ اول (سیرت النبی) کے صفحہ ۲۹۲ پر حضرت
بن زبیرؓ کا ایک بیان درج ہے جو انہوں نے فتح مکہ کے تعلق
خلیفہ عبدالملک اموی کے استفسار پر دیا تھا وہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلعم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو صلح ہوئی تھی اس کے لئے ایک معاہدہ
گیا اور اس کی مدت مقرر کی گئی تھی۔ اس معاہدہ کی رو سے بنی بکر قریش کے ساتھ ہو گئے۔ بنی کعب کی ایک
اور بنی بکر کی ایک جماعت میں لڑائی چھڑ گئی تو قریش نے اس تنازع میں اسلحہ سے بنی بکر کی مدد کی۔ بنی
جو مسلمانوں کے حلیف تھے قریش کو مورد الزام ٹھہرایا اور اس وجہ سے رسول اللہ نے اہل مکہ پر چڑھائی
ابوسفیان، بدیل اور حکیم اس چڑھائی کے زمانے میں مر الظہران آئے۔ ان کو پہلے سے معلوم نہیں تھا
صلعم وہاں فروکش ہو چکے ہیں۔ اچانک یہ لوگ سامنے پہنچ گئے۔ آپ کو وہاں مقیم دیکھ کر ابوسفیان حکیم
آپ کی قیام گاہ میں آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام لا کر آپ کی بیعت کر لی۔ بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو قریش کے پاس بھیجا تاکہ یہ ان سب کو اسلام کی دعوت دیں۔ مجھے
یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر آجائے
وہ مامون ہے۔ ان کا گھر مکہ کے بالائی حصہ میں تھا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جو حکیم کے گھر آجائے وہ مامون ہے
ان کا گھر زیرین مکہ میں تھا۔ اور فرمایا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اور لڑائی سے دست کش ہو جائے وہ
مامون ہے۔

اس بیان میں اس حدیث کا پول کھل جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عباس ہجرت کی غرض سے
مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ رسول اللہ صلعم نے انہیں مکہ
واپس بھیجا کہ جاؤ اور قریش کے سرداروں کو اسلام کا پیغام پہنچاؤ۔

حضرت عباسؓ نے کوئی ہجرت نہیں کی۔ وہ بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے۔
عباسی خلافت کے عہد میں جھوٹی حدیث گھڑ کر انہیں مہاجرین میں شامل کیا گیا تاکہ رسول اللہ صلعم کے
سود خوار چچا کی کچھ عزت لوگوں کے دل میں پیدا کی جائے۔ اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرت ابوسفیان
بن حرب طلقاء میں سے نہیں تھے کیونکہ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول فرمایا تھا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ
فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

حضرت عباسؓ بن مطلب مسلمان کب ہوئے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ رافع
سے مروی ہے کہ میں عباس بن عبدالمطلب
کا غلام تھا۔ اور ہمارا پورا گھر اسلام لے آیا تھا۔ ام الفضل مسلمان ہو گئی تھی۔ میں اسلام لے آیا تھا۔ عباس
چونکہ اپنی قوم سے ڈرتے تھے۔ ان کی مخالفت سے بچنے کے لئے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ ان کا بہت
سارا روپیہ لوگوں میں پھیلا ہوا تھا۔ (وہ مکہ کے سب سے بڑے سود خوار تھے)

جب ہمیں معلوم ہوا کہ بدر میں قریش تباہ ہو گئے اور اللہ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا تو اس
خبر سے ہم نے اپنے میں قوت و طاقت محسوس کی۔ (طبری حصہ اول ص ۲-۱۹۱)

عباس کا زر فدیہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عباس مدینہ پہنچ گئے (بدر
کی جنگ میں اسیر ہو کر) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
فرمایا چونکہ تم دولت مند ہو تم اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف

عتبہ بن عمرو بن جحدم متعلقہ بنی حارث بن فہر کا زر فدیہ بھی ادا کر دو۔

عباس نے کہا "اے رسول اللہ! میں مسلمان تھا۔ مجھے تو میری قوم نے بہ جبر اس مہم میں شریک کیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمہارے اسلام سے اللہ زیادہ واقف ہو گا۔ اگر تمہارا بیان سچا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزائے خیر دے گا۔ مگر بظاہر تو تم ہم پر چڑھ آئے تھے۔ لہٰذا اپنا فدیہ" جب عباس بن عبد المطلب بدر کے میدان میں گرفتار ہوئے تو ان کے بدن پر بیس اوقیہ سونا تھا۔ جو مال غنیمت کے طور پر ان سے لے لیا گیا تھا۔ عباس نے کہا۔ آپ اس سونے کو زر فدیہ سمجھ لیں۔

رسول اللہ نے فرمایا۔ "اس سے کیا تعلق؟ وہ تو اللہ نے ہم کو بطور غنیمت دیا ہے۔" عباس نے کہا، میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا، مکہ سے چلتے وقت تم نے جو مال اُم الفضل بنت الحارث کے پاس رکھوایا تھا۔ اور اس وقت کوئی تیسرا آدمی تمہارے پاس نہ تھا اور تم نے وصیت کی تھی کہ اگر اس مہم میں کام آجاؤں تو اس میں سے فضل کو اتنا دے دینا، عبد اللہ کو اتنا، عبید اللہ کو اتنا اور قثم کو اتنا۔ وہ مال کیا ہوا؟

عباس نے کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق مبعوث کیا ہے۔ اس بات سے سوائے میرے اور میری بیوی کے کوئی واقف نہیں تھا۔ میں مانتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ عباس نے اپنا اور اپنے بھتیجوں اور حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔ (طبری حصہ اوّل سیرت النبی)

اس کے باوجود سود خوار چچا نے بظاہر کلمہ پڑھ کر زمرہ اسلام میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ وہ بظاہر شرک و بت پرستی پر قائم رہے کیونکہ ان کا روپیہ مکہ میں پھیلا ہوا تھا۔ اور جب فتح مکہ کے بعد مکہ والے مسلمان ہوئے تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

فتح مکہ کے دن فوجوں کے کمانڈر

غرض مرالظہران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لینے کے بعد حضرت ابوسفیان، حکیم اور بدیل یہ تینوں مکہ واپس آئے اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ جب یہ خبر مکہ میں پھیلی تو اہلِ مکہ نے آنحضرت صلعم کو ایک شریف دشمن سمجھ کر آپ سے صلح منظور

ابی طالب کی بیٹی ام ہانی کا میاں تھا اس خبر پر جھلائے اور اس کو ایک سازش سمجھ کر راتوں رات مکہ سے فرار ہو گئے۔ ہبیرہ نجران پہنچ کر کفر کی حالت میں مرا۔

دوسرے دن حضرت زبیر بن العوام کو علَم دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر بالائی حصہ سے مکہ میں داخل ہوں۔ اور علَم کو بالائی حصہ پر نصب کریں۔ ایک دوسرا علَم حضرت خالد بن ولید کو دیکر حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر زیرین حصہ سے مکہ میں داخل ہوں اور علَم کو زیرین حصہ میں نصب کریں۔ حضرت علیؓ کو اس دن کوئی علَم نہیں دیا مگر شیعی مورخوں نے حضرت علی کی اہمیت بڑھانے کی غرض سے ایک روایت اپنی طرف سے گھڑ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھی ایک علم دیکر حکم دیا کہ وہ بھی حضرت زبیر بن العوام کے پیچھے چلیں اور مقام کداء کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔ حضرت سعد بن عبادہ نے علَم لے کر کہا کہ آج یوم ملحمہ قتل کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ ان کے اس جملہ کو مہاجروں میں سے کسی نے سن لیا۔ اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا۔ ذرا سنئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ آج قریش پر زیادتی کریں گے رسول اللہ نے علی کو بلا کر حکم دیا کہ تم فوراً سعد کے پاس پہنچو اور جھنڈا ان سے لے لو۔ اور تم خود جھنڈا لے کر مکہ میں داخل ہو۔

(طبری صفحہ ۳۹۷ جلد اوّل)

یہ روایت حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کی عادات و اطوار سے میل نہیں کھاتی۔

علی رسول اللہ کے کندھوں پر

امام بخاری کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک اونچے بت کو توڑنے کے لئے رسول اللہ صلعم نے علی کو اپنے کندھوں پر چڑھا کر علی کے ہاتھ سے اس اونچے بت کو تڑوا دیا۔ اس روایت سے علی کے دماغ کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس وقت وہ چھبیس سال کی عمر کے تھے اور رسول اللہ صلعم اکسٹھ سال کے۔ ضعیفی و بزرگی کے سوا رسول جیسی مقدس ہستی کے کندھوں پر چڑھنے کی جسارت مجوسی و دماغی امراض میں مبتلا لوگ ہی سوچ سکتے ہیں۔

"کسی پر لعن طعن کرنا بلاشبہ زیادتی ہے۔ لیکن اس کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔"

کہنے والے کہیں گے کہ امام بخاری کی روایت غلط ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ہمارا اصول کہ قرآن کے بعد صحاح ستہ بالکل سچی کتابیں ہیں وہ بھی غلط ہو گا اور ان پر ایمان لا کر ہم نے صحیح و غلط کا جو معیار

بنار کھاہے وہ بھی فضول ثابت ہوگا۔

مگر جب سمجھداروں نے امام بخاری کی روایت پر ئے دے کی تو ملا باقر مجلسی نے لکھا کہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کو خود رسول مقبول نے ان پر خاک کی مٹھی پھینک پھینک کر گرایا تھا۔ ملاحظہ ہو مُلّا کی کتاب حیات القلوب جلد دوٗ صفحہ ۴۳۶۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خانۂ کعبہ کے بتوں کو توڑنے میں حضرت علی کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

ابن طاؤس کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مٹھیوں میں کنکریاں لیتے تھے اور قرآن پاک کی آیت "جاء الحق وزھق الباطل اِنّ الباطل کان زھوقا" پڑھ کر جس بت پر پھینکتے تھے وہ خود بخود نیچے گر کر پاش پاش ہو جاتا تھا۔

حضرت علی کی ناکامی

فتح مکہ کے دن بغیر حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ عثمان بن طلحہ کے پاس گئے اور ان سے خانۂ کعبہ کی کنجی لے لی۔ عثمان بن طلحہ خانۂ کعبہ کے دربان تھے۔ اور خانۂ کعبہ کی کنجی انہیں کے پاس رہتی تھی۔ ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرم میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی کھڑے ہو گئے۔ خانۂ کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علیؓ نے درخواست کی۔ یا رسول اللہ! آپ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) کے ساتھ حجابت (خانۂ کعبہ کی کلید برادری) بھی ہمارے ہی سپرد فرما دیجئے۔

آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ وہ بلائے گئے، اور جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عثمان اپنی کنجی لے لو۔ آج احسان و عہد پورا کرنے کا دن ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

افسوس کہ علی کو خانۂ کعبہ کی دربانی بھی نصیب نہیں ہوئی۔!

علی کی دوسری بڑی ناکامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں سے بیعت لی۔ چند قریشی عورتیں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جن میں ام ہانی بنت ابو طالب جن کا مشرک میاں ہبیرہ بن وہب انہیں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، وہ بھی تھیں اور ہندہ بنت عتبہ بھی جو حضرت ابوسفیان بن حرب کی بیوی تھیں۔ آنحضرت نے سب عورتوں سے فرمایا کہ بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔ چوری نہیں کرو گی۔ تو ہندہ نے کہا قسم بخدا۔ میں ابوسفیان کے مال سے چھوٹی چھوٹی چیزیں لے لیا کرتی تھی۔ ابوسفیانؓ وہیں کھڑے تھے بول

اُٹھے پہلے جو کچھ کیا گیا میں اس سے درگزر کرتا ہوں آنحضرت نے پوچھا گیا یہ ہندہ ہے تو ہندہ نے جواب دیا ہاں میں ہندہ ہوں۔ آپ نے فرمایا پہلی غلطی کو درگزر کرو۔ اللہ تم سے درگزر کریگا۔ پھر آپ نے فرمایا زنا کی مرتکب نہ ہو ہندہ نے کہا کیا شریف عورت بھی زنا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ہندہ نے کہا ہم نے تو ان کو جب وہ بچے تھے پالا لیکن آپ نے ان کو جب وہ بڑے ہوئے تو بدر میں قتل کر ڈالا۔ (کامل ابن الاثیر کی روایت) جب بیعت کے لئے زیادہ سے زیادہ عورتیں پہنچنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لینے کا کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور علی کو نظر انداز کر دیا۔ وجہ!

اگر رسالت بھی میراثی ہوتی تو یہ کام حضرت عباسؓ یا حضرت علیؓ کے سپرد کیا جاتا۔ نہایت قابلِ غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کی اشاعت کا کوئی اہم کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد نہیں فرمایا۔

جنگِ حنین

جنگ حنین کے نامور اہل تلوار میں حضرت علی کا نام نہیں ملتا۔ اس دن ابو طلحہ انصاری نے تنہا بیس آدمیوں کو قتل کر کے ان کا ذاتی مال بطور غنیمت لے لیا۔ ابو قتادہ انصاری نے دشمنوں کو قتل کیا مگر وہ لڑائی میں مشغول رہے تو دوسروں نے ان کا مالِ غنیمت لے لیا۔ خالد بن ولید نے اس دن کارِ نمایاں کر دکھائے۔

حضرت علی کے غلام

عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے کام کاج کے لئے حضرت علی رضؓ کو کوئی غلام نہیں دیا۔ مگر تاریخ کی کتابیں اس غلط فہمی کو دور کرتی ہیں۔ جنگِ حنین کے قیدیوں میں سے حضرت علیؓ نے غلام حاصل کیا۔

ترمذی، ابنِ ماجہ اور صحاح ستہ کی اور کتابوں میں خود حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے دو غلام عنایت فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا پھر رسول اللہ صلعم نے مجھ سے ایک دن پوچھا کہ علی تیرا دوسرا غلام کیا ہوا۔ میں نے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا علی اس کو واپس کر لو۔

حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے علی کو ایک غلام مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے نہ مارنا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے نماز پڑھنے والوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھتے دیکھا

ہے۔ (مشکوٰۃ جلد دوم حدیث ۳۲۲۰)

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فاطمہ کے پاس تشریف لائے اس وقت وہ غلام جو
فاطمہ کو عطا کیا تھا۔ فاطمہ کے پاس موجود تھا۔ اور فاطمہ ایسا کپڑا اوڑھے ہوئے تھیں جس سے سر کو
ڈھانکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں کو ڈھانکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا جب رسول اللہ صلعم
کہ فاطمہ جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش کر رہی تھیں تو آپ نے فرمایا۔ کچھ نہیں فاطمہ صرف
اور تیرا غلام (چھوکرا) ہے۔ (مشکوٰۃ جلد دوم)

ابو وجزہ یزید بن عبید السعدی سے مروی ہے کہ حنین کے قیدیوں میں سے رسول اللہ
ایک جاریہ ریطہ بنت بلال بن حیان علی بن ابی طالب کو دی تھی (تاریخ طبری حصہ اول ۲۲۲)

حضرت علیؓ کی جائداد

لہٰذا وہ سب روایات جن میں کہا گیا ہے کہ فاطمہ بنت الرسول
میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ بالکل بے بنیاد ہیں
صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم پر اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک محتاج کے ہاتھ میں دے دیا۔ لیکن اس کے
اپنے داماد کو چار بڑی جاگیریں عطا کیں۔ انعامات و کرامات سے نوازا۔ یہاں تک کہ وہ عرب کے دو
میں شمار ہونے لگے۔ سیرت عمر بن عبد العزیز بن مروان رضؓ کے مصنف نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلعم
علیؓ کو قیس کا سارا علاقہ بطور جاگیر عطا فرمایا جس میں ایک مشہور کنواں بیر قیس تھا اور بہت سے
تھے۔ فتوح البلدان کے مصنف لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے حضرت علیؓ کو چار جاگیریں عطا فرمائی تھیں
میں سے دو ذوالفقیرین میں ایک الشجرہ میں اور ایک قیس میں جس میں ایک کنواں بھی تھا (
فتوح البلدان کے علاوہ البدایہ والنہایہ جلد ۷ مقدمہ ابن خلدون، سنن کبریٰ، بیہقی جلد ۶
الخراج یحییٰ بن آدم وغیرہم میں بھی حضرت علیؓ کی جائداد کا تذکرہ موجود ہے۔ سرمایہ داری میں وہ
سے اوّل تھے۔ پانچ مختلف مقام پر ان کی زرعی زمینات تھیں جن میں سے چار خود رسول اللہ صلعم
نے انہیں عطا فرمائی تھیں اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ینبوع کا موضع
جاگیر میں ملا۔ جس کے متعلق یعقوت نے لکھا ہے کہ اس میں ایک سو ستر چشمے جاری تھے۔ ان کا ایک
جسے انہوں نے وقف کیا تھا۔ (وقف علی الاولاد) جس کی آمدنی سالانہ ایک ہزار وستق کھجور تھی۔ ایک
ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر۔ یعنے صرف ایک باغ سے ان کو

(۵۲۵۰) پانچ ہزار دو سو پچاس من کھجور کی آمدنی تھی۔ اس کے باوجود ان کی غربت کی داستانیں مشہور ہیں۔

غزوۂ تبوک اور حضرت علیؓ

یہ دوسرا اہم غزوہ ہے جس میں حضرت علیؓ نے شرکت نہیں کی پھر
بھی علی کی پیروی کرنے والے مورخوں نے روایت گھڑی کہ صلح حدیبیہ
کا معاہدہ حضرت علی کے ہاتھ سے لکھا گیا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب کے متعدد
حکمرانوں کو تبلیغی خطوط بھیجے ان میں سے ایک ہرقل عظیم الروم کے نام بھی تھا۔ ایک سفیر شام کے حاکم کے پاس
بھی بھیجا گیا مگر اس کو قبیلۂ غسان کے ایک سردار شرحبیل نے قتل کر دیا۔ جس کی وجہ سے جنگ موتہ سرزد ہوئی۔

۸ھ میں آنحضرت صلعم نے ایک فوج روانہ فرمائی۔ جس کی قیادت زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبد اللہ
بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے بحکم رسول اللہ یکے بعد دیگرے کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی دلیری اور
موقع شناسی سے اسلامی فوج کو مکمل تباہی سے بچایا۔ جب وہ مدینہ واپس آئی تو ۹ھ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ خود روانہ ہوئے اور تبوک میں قیام فرمایا۔ اس فوج کی قیادت حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

تبوک سے بھی ہرقل کے نام ایک خط بھیجا گیا کہ یا تو اسلام لے آ یا جزیہ دے یا پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جا۔
قیصر نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر منشات السلاطین مولفہ احمد فریدوں میں یعقوبی نے قیصر کا جواب
محفوظ کیا ہے جس کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی کتاب "رسول اللہ کی سیاسی زندگی" میں لکھتے ہیں کہ وہ صریحاً
فرضی معلوم ہوتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر کوئی خاص جنگ نہیں ہوئی نہ ہرقل نے رسول اللہ صلعم کے خط کا جواب دیا
نہ جنگ کے لئے نکلا بلکہ اس نے بالکل خاموشی اختیار کی۔ رسول اللہ تبوک میں دو ماہ سے زیادہ رہے۔
مگر اس عرصہ میں اسلامی افواج نے تبوک کے اطراف واکناف میں جرجا اذرح، ایلا، مقنا اور دومۃ الجندل
کو مطیع کر لیا۔ خالد بن ولید نے دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کر لیا۔ ایلا (موجودہ عقبہ) کے حاکم
نے اسلام کی باجگزاری قبول کر لی۔ جرجا اور اذرح کے گاؤں بھی زیر اسلام آئے اور معاہدۂ اطاعت قبول
کر لیا۔

اسی مہم کے دوران بندرگاہ مقنا کے باشندے بھی مطیع ہو گئے۔ مقنا کے باشندے زیادہ تر یہودی تھے
ان کی کسی شرارت پر ایلہ کے حاکم نے ان کو ملک بدر کر دیا تھا۔ جب مسلمانوں کی فوج تبوک میں قیام پذیر

ہوئی تو قستا کے یہودنے رسول اللہ صلعم سے تبوک میں آکر ملے اور معاہدۂ اطاعت کیا۔ یوفدی نے معاہدہ کی شرائط قلمبند کر کے آخر میں لکھ دیا کتبہ علی بن ابوطالب فی سنۃ۔ اس پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں۔

"مگر یہیں بتاتی ہیں کہ علی اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ آخر میں سنۃ کا ذکر کرنا جس کا رواج تاریخی بیانات کے مطابق ۱۶ھ سے پہلے مسلمانوں میں نہیں تھا۔ اور علی بن ابوطالب لکھنا جو نحوی حیثیت سے غلط ہے قابل غور ہے۔"

طبری کی روایت

غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلعم نے علی بن ابی طالب کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اپنے اہل وعیال کی خبر گیری کے لئے قیام کریں۔ اور ساتھ نہ آئیں۔ آپ نے اس موقع پر بنی غفار کے سباع بن عرفطہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (علی کو پیچھے چھوڑنے کے باوجود ان کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر نہیں فرمایا) علی کے قیام مدینہ پر منافقوں نے ان کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کیں کہ رسول اللہ ان کو نکما سمجھ کر ساتھ نہیں لے گئے۔ جب علی کو منافقوں کی اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اسلحہ لگائے اور مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اور جرف میں جہاں رسول اللہ مقیم تھے پہنچ گئے۔ علی نے آپ سے کہا یا رسول اللہ منافق کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے دوبھر سمجھا اس لئے مجھے مدینہ میں قیام کا حکم دیکر آپ نے اپنا بوجھ ہلکا کر لیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تم کو صرف اپنے اہل وعیال کی نگرانی کی خاطر مدینہ میں قیام کا حکم دیا ہے۔ تم جاؤ اور میرے اور اپنے اہل وعیال میں میری نگرانی کرو۔ اے علی! کیا تم اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ تم کو میرے پاس وہ درجہ نصیب ہے جو ہارون کو موسیٰ کے پاس تھا اگرچہ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہے علی مدینہ چلے آئے اور رسول اللہ صلعم اپنی راہ چلے گئے۔ (طبری حصہ اوّل ص ۴۳۸)

اہل وعیال کی نگرانی

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ایسے نہ تھے جن کی نگرانی کی ضرورت تھی اور علیؓ میں وہ تقدیس اور حوصلہ کہاں تھا کہ امہات المومنین کی نگرانی کرنے کی جسارت کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو مدینہ میں پیچھے رہ کر خود اپنے اہل وعیال کی نگرانی کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت حسین پیدا ہوئے تھے اور زچہ اور بچہ دونوں کی دیکھ بھال کی ضرورت تھی۔ غزوۂ خیبر کے وقت حسن کی پیدائش کی وجہ سے علیؓ کو مدینہ میں پیچھے رہ جانا پڑا تھا۔ اسی وقت غزوۂ تبوک

کے موقع پر حسین کی پیدائش کی وجہ سے علی کو پیچھے رہنا پڑا۔ غزوۂ تبوک کی کامیاب مہم میں انہیں رسول اللہ صلعم کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اسی وجہ سے ان کی تربیت ادھوری رہ گئی۔

غزوۂ تبوک کے اخراجات کیلئے حضرت علیؓ کا چندہ

غزوۂ تبوک کے اخراجات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کیا تو اصحاب الرسول نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ بیانات کے مطابق مسجد نبوی کے صحن میں جمع شدہ چندوں کی رقم اور اسباب کے ڈھیر لگ گئے۔ اس چندہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کی ساری کی پونجی دیدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی آدھی پونجی ادا کر دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑھ کر دیا۔ دس ہزار دینار کی ایک تھیلی عنایت فرمائی اور ہر اپیل پر ایک ہزار اونٹ۔ اس طرح رسول اکرم کے پانچ بار اپیل کرنے پر پانچ ہزار اونٹ مع اسلحہ۔ یہ سب کچھ چندے میں دیا۔ اور عمار بن یاسر اور دوسرے غریب صحابیوں کو اونٹ، اسلحہ اور دو ماہ کا سامانِ رسد بھی دیا۔ تاکہ وہ بھی اس مہم میں شریک ہوسکیں۔ حضرت علیؓ نے کتنا چندہ دیا وہ کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ غزوۂ تبوک کی مہم میں دامے درمے یا سخنے حضرت علی نے حصہ نہیں لیا۔

تحریف کا ایک نمونہ کہ حضرت حسین بھی صحابی تھے۔

طبقات ابن سعد حصہ دوم کے صفحہ ۶۷ پر روایت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے لئے ایک فرمان تحریر فرمایا کہ آنحضرت نے جو کچھ ان لوگوں کے لئے تحریر فرمادیا۔ اس کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ بقلم خالد بن سعید گواہ حسنؓ وحسینؓ حالانکہ جب ثقیف کے لئے فرمان لکھا گیا۔ اس وقت حسین کا وجود بھی نہیں تھا۔

حقیقتِ حال

علی بن حسین یعنے زین العابدین نے اپنے باپ کا نام لیا تو رحمۃ اللہ علیہ کہا۔ رضی اللہ عنہ نہیں کہا۔ ملاحظہ ہو بخاری جلد دوم حدیث نمبر ۳۵۲ جس میں درج ہے۔

حَدَثَہٗ اَنَّ عَلِیَّ بن حسینٍ حَدَثَہٗ اَنَّھُمْ حِیْنَ قَدِموالمدینۃ مِن عِندِ یزید بن معاویۃ مَقتَلَ حُسَیَنِ بنِ عَلِیِّ رحمتہ اللہ علیہ۔

(ترجمہ) علی بن حسین روایت کرتے ہیں کہ میں حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے مقتل کے بعد یزید بن معاویہ کے پاس سے ... واپس لوٹا تو ... ..."

زمن حبین کو اصحاب الرسول کی صف میں لاکھڑا کرنے اور حضرت علی رضؓ کو پیغمبری کا درجہ عطا کر دینے
کی ... کوشش کی گئی ہے۔ ہر طرح کی فضول اور بکواس روایات گھڑی گئیں۔ مثلاً حضرت ابن عباس سے مروی
ہے ... حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ علی کا مرتبہ مجھ سے ایسا ہے کہ میرے سر کا مرتبہ میرے بدن سے۔
(بحار الانوار جلد ۹)

روایت علی بن ابی طالب کپڑے اتار کر دریائے فرات کے کنارے رکھ کر پانی میں اترے تو ایک موج
... ان کے کپڑوں کو بہا کر لے گئی۔ پھر غیب سے آواز آئی اے ابوالحسن اپنی داہنی طرف نگاہ کرو۔ داہنی طرف
سے ایک گٹھڑی بہتی ہوئی آئی۔ اس میں ایک کرتہ لپٹا ہوا تھا۔ حضرت علی نے اُسے پہن لیا۔ اس کرتہ کی جیب
سے ایک رقعہ تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ تحفہ اللہ عزیز الحکیم کی طرف سے ہے علی بن ابوطالب کے لئے اور یہ
... رون بن عمران کا ہے۔ (از بحار الانوار جلد ۹)
گویا علی کو اللہ نے کرتہ بھی دیا تو کسی اور کا اُتارا ہوا۔ شاید اس لئے کہ حضرت علی پھٹے پُرانے اور
... ردہ کپڑے ہی پہننے کے عادی تھے۔

باب — ۶

حضرت علی آزمائش کی کسوٹی پر

غزوۂ تبوک کے بعد مسلمانوں کے خلاف رومیوں، یہودیوں اور عیسائی حکمرانوں کی مخالفت بالکل کمزور پڑ گئی۔ جزیرۃ العرب
کا بہت سارا علاقہ اسلامی حکومت کے زیر آ گیا۔ نینوی کے مقام پر اسی زمانہ میں رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں
کی مکمل اور قطعی شکست کی وجہ سے ایران کے عربی صوبے مثلاً عمان، بحرین وغیرہ بھی مسلمانوں کے ماتحت اور
زیر اثر آ گئے۔ یمامہ پر قبضے کے باعث مسلمان پہلے ہی بحرین و عمان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ صلح حدیبیہ میں
قریش کا ہموار ہونا بھی مسلمانوں کے لئے یمن کا راستہ کھول دیا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں اسلامی
حکومت سارے جزیرۃ العرب پر قابض تھی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے مدبر و مفکر و منتظم تھے۔ جوں جوں عربی صوبہ جات
پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا جاتا تھا، ان صوبوں پر انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے قابل، منتظم اور مدبر صحابیوں

کو بحیثیت عمال صوبہ مقرر کر دیا جاتا ان کی مدد کے لئے ایک افسر فوج، صاحب الخراج، صاحب احداث یعنی
پولیس افسر، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف، کاتب یعنی میر منشی
کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی وغیرہ متعین کئے جاتے۔ جس طرح صوبوں کے افسر ہوتے تھے اسی
طرح ہر ضلع اور ہر تعلقہ کے بھی افسر مقرر ہوتے تھے۔ جو ضلع اور تعلقہ کے انتظامی امور سنبھالتے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود عمال و دیگر افسرانِ صوبہ کو مقرر فرماتے تھے آپ نے کمالِ فراست
اور مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے موزوں اشخاص کو منتخب فرمایا۔ یہ ثابت ہے کہ آپ کے
عمال میں غالب اکثریت بنوامیہ کی تھی۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ بنو ہاشم کو آپ نے بنوامیہ پر کبھی ترجیح نہیں دی۔

فہرست عاملانِ رسول اللہ

حضرت عتاب بن اسیر اموی کو جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور بالکل نوجوان تھے۔ مکہ کا عامل مقرر فرمایا حضرت
ابوسفیان بن حرب اموی کو عامل نجران، حضرت یزید بن ابوسفیان بن حرب اموی کو عامل تیما حضرت
خالد بن سعید اموی کو عامل صنعا، حضرت عمرو بن سعید اموی کو عامل تبوک وخیبر و فدک، حضرت الحکم بن
سعید اموی کو عامل وادی القریٰ، حضرت ابان بن سعید اموی بحرین، حضرت ولید بن عقبہ اموی کو عامل
بنی المصطلق، حضرت معاویہ بن ابی سفیان بن حرب اموی کو کاتب رسول اللہ و مبلغِ اسلام حضرموت اور
حضرت العلاء حلیف بنی امیہ کو اموالِ غنائم و محافظ خاتم رسول اللہ صلعم
علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مسلمانوں پر اس شخص کو امیر بناؤں
گا جو سب سے زیادہ مدبر، دُور بین، منتظم اور امور جنگ میں سب سے زیادہ بیدار و ہوشیار ہو۔
حمزہ و جعفر طیار کے بعد اس زمانے میں بنو ہاشم میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو رسول اللہ صلعم کی توجہ کو
اپنی طرف مبذول کرتا۔ کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں کہ ایک دن فضل بن عباسؓ نے رسول اللہ صلعم سے
درخواست کی کہ انہیں کسی صوبہ کا عامل بنا دیا جائے اسی طرح ابوذر غفاری نے بھی اپنی خواہش ظاہر کی لیکن رسول اللہ
صلعم نے ان دونوں کی درخواستیں ٹھکرا دیں۔ کیونکہ ان دونوں میں حکومت کرنے اور جنگ میں ہوشیاری و بیداری
کا مظاہرہ کرنے کی قابلیت بالکل نہیں تھی۔

حضرت علیؓ کی قابلیت

منہاج السنۃ جلد سوم میں علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ
اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان کئی مسئلوں میں اختلاف ہوا اور آنحضرت صلعم نے بسا اوقات حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ کے حق میں فیصلہ دیا (ص ۳۹)

علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص فرائض کا مسئلہ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ سے پوچھا کرے۔ (ازالۃ الخفاء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار اشخاص سے اخذ کرو اور ان میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نام لیا۔ اور اس کے بعد دوسروں کا (یاد رہے کہ علی کا نام نہیں لیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود کی بات کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور جس چیز کو وہ تمہارے لئے پسند کریں اس سے میں بھی پسند کرتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم) ترمذی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود سے، سالم مولیٰ ابوحذیفہ سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے۔

سیرۃ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ علی میں شعر کہنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی۔ بعض صحابہ نے رسول اللہ سے کہا کہ آپ علی کو حکم دیں کہ وہ مشرکین کے ان اشعار کا جو اسلام اور نبی اسلام کی توہین اور ہجو میں کہتے تھے۔ خصوصاً ان اشعار کا جو مشرک ابو طالب کے مشرک داماد یعنے حضرت علی کے بہنوئی ہبیرہ ابن ابی وہب نے کہے تھے ان کا جواب دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لیس عندہ ذالک" یعنے اس میں شعر گوئی کا مادہ نہیں ہے۔

غرض ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی کوئی وقعت دراصل حضور انور صلعم کی نظروں میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم نے کبھی انہیں نہ کسی بڑے کام پر متعین فرمایا نہ زیادہ اپنی حضوری کا شرف بخشا۔ پھر بھی چونکہ ان کو بچپن سے پالا تھا اور اللہ تعالےٰ کے احکام پر اپنی چاہتی بیٹی کی شادی ان سے کر دی تھی، ان کی دلجوئی کے لئے اور خصوصاً اپنی بیٹی کے گھر میں چین و سکون کا ماحول پیدا کرنے کی خاطر کبھی کبھی انہیں حکومت کے کسی عہدے پر مامور کر دیا۔ شاید اس کا مقصد حضرت علی کی آزمائش تھا۔

امانت میں خیانت؟

ترمذی نے براء سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ نبی کریم صلعم نے دو لشکر بھیجے۔ ایک پر حضرت علیؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا اور دوسرے پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اور فرمایا جب قتال ہو اس وقت ساری فوج کے سپہ سالار علی بن ابی طالب ہوں گے۔ علی نے ایک قلعہ فتح کیا اور مال غنیمت میں سے اپنے لئے ایک لونڈی رکھ لی۔ خالد

بن ولید نے میرے ساتھ ایک خط بھیجا جس میں حضرت علی کی شکایت لکھی تھی۔ براء کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلعم کے پاس حاضر ہوا وہ خط پیش کیا۔ خط پڑھتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا پھر آپ نے فرمایا تم اس شخص کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس کو خدا اور اس کا رسول دوست رکھتا ہے۔ براء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میں خدا اور رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں میں تو صرف قاصد ہوں۔ آپ خاموش ہو گئے۔

(ازالۃ الخفاء مقصد دوم اردو ترجمہ ص۵۰۲)

بخاری حصہ دوم کے باب نمبر ۵۲۹ کی حدیث ۱۴۷۹ میں عبداللہ بن بریدہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خالد کے پاس خمس لینے کو بھیجا۔ حضرت علی نے اس میں سے ایک باندی لے لی۔ میں سمجھا کہ انہوں نے خیانت کی اور لطف یہ کہ انہوں نے رات کو اس سے خلوت کی اور صبح کو غسل کیا میں ان کا مخالف ہو گیا۔ اور خالد سے کہا تم اسے نہیں دیکھ رہے (کہ خیانت کی ہے) جب ہم نبی صلعم کے پاس آئے تو میں نے آنحضرت سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے بریدہ! کیا تم علی کے مخالف ہو؟ میں نے عرض کیا "ہاں" آپ نے فرمایا مخالفت نہ کرو۔ اس کا حصہ تو خمس میں اس سے زیادہ ہے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق دو الگ الگ روایتیں ہیں یا ان دو حدیثوں کا تعلق دو مختلف واقعات سے ہے۔ مرزا حیرت دہلوی اپنی مشہور کتاب "شہادت" میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کے دل آزار اور نازیبا حرکات سے چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔ شاید آپ نے چار گواہ نہ ہونے کی بنا پر کوئی شرعی سزا دینے سے اجتناب کیا ہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ نے حضرت علی کو کوئی دوسرا اہم اور ذمہ دارانہ کام نہیں سونپا۔

سورۂ براءۃ کا اعلان نہ کر سکے
حضرت علیؓ کی سب سے بڑی ناکامی

محمد بن علی بن ابی طالب (محمد بن الحنیفہ) سے روایت ہے کہ جب سورۂ براۃ نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر بھیج چکے تھے۔ اس لئے آپ نے علیؓ کو طلب کیا اور فرمایا۔ سورۂ براۃ کا صدر لے جاؤ اور قربانی کے بعد جب لوگ منیٰ میں جمع ہوں گے تو اعلان کر دینا کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور یہ کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔ اور یہ کہ جس کا رسول خدا سے معاہدہ ہو وہ اس کی مدت تک ہے۔

احمد نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سورۂ براۃ دیکر بھیجنے لگے تو انہوں نے کہا یارسول اللہ میں خوش بیان نہیں ہوں اور نہ خطیب ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم اس کو لے جاؤ یا میں لے جاتا ہوں کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا اگر ایسا ہے تو میں ہی لے جاتا ہوں کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ خدا تمہاری زبان کو قابو میں رکھے اور دل کو قوی کرے۔ پھر آپؐ نے اپنا دست مبارک ان کے منہ پر رکھا۔ پھر جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی نے کھڑے ہوکر لوگوں کو رسول اللہ کے احکام سے مطلع کرنا شروع کیا۔ لیکن ان کی آواز بیٹھ گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کلمات کا اعلان کرنے لگے۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۵ اردو ترجمہ)

اعلانِ براۃ پر چند لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی منادی کے لئے ابوبکر صدیق کو معزول کرکے جو امیر الحج کی حیثیت سے مدینہ سے روانہ ہوچکے تھے۔ حضرت علیؑ کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر روانہ فرمایا کہ اس اہم اعلان کو میرے اور میرے اہل بیعت کے سوا کوئی غیر شخص نہیں کرسکتا۔ لہٰذا سورۂ براۃ کا صدر لے جاؤ اور قربانی کے بعد جب سب لوگ منیٰ میں جمع ہوں گے تو ان کے درمیان اعلان کردینا کہ "کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا اور یہ کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہوکر خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔ جس قبیلہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہے وہ اس کی مدت تک ہے"۔ آپ سے کہا گیا کہ سورۂ براۃ کو بھی ابوبکر کے پاس بھیج دیں مگر آپ نے فرمایا کہ اس کی تبلیغ میرے اہل بیعت میں سے کوئی کریگا شاید اس کا مقصد حضرت علیؓ کی قابلیت کو پرکھنا تھا کہ ایک معمولی سا کام کرنے کی صلاحیت بھی ان میں ہے یا نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کا فرمان لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہوکر پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ امیر ہوکر آئے ہیں یا مامور۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں آپ ہی امیر الحج ہیں۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے تمام مسلمانوں کو حج کرایا۔ حضرت علی نے بھی ان کے ماتحت رہ کر حج کے ارکان ادا کئے۔ ان کی امامت میں پنجوقتہ نمازیں پڑھتے رہے اور پھر ایام تشریق میں حضرت علی سورۂ براۃ کا اعلان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت علیؓ کی آواز بیٹھ گئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کا اعلان کیا۔

(مقصد دوم ترجمہ عبدالشکور اور انشاء اللہ)

حدیث ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جس حج میں نبی صلعم نے ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا یعنے حجۃ الوداع

سے پہلے، اس سال ابوبکر نے مجھ کو قربانی کے دن یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے اور نہ کوئی ننگا شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ جلد اول ص ۶۲۳ پر اس حدیث کا نمبر ۲۴۵۸ ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ کے ذریعے اس منادی کا بار بار اعادہ کیا تاکہ اللہ اور رسول کے احکام تمام لوگوں تک پہنچ جائیں۔ دین کی تبلیغ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کے نرخرہ کو بند کرکے اس حقیقت کو واشگاف کیا۔ دین کی تبلیغ میں علی کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کا اعترافِ حقیقت

احمد نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یمن کا قاضی مقرر کرکے بھیجنے لگے تو میں نے کہا کہ میں قضاوت کے لئے کمسن ہوں اور مجھ کو قضاء کا کچھ علم نہیں ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر پھیرا اور فرمایا خدا تم کو ثابت رکھے اور درست فرمائے۔ پھر فرمایا تمہارے پاس فریقین حاضر ہوں گے جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سُن لو پہلے کے حق میں فیصلہ نہ دو۔ اس سے تم کو ٹھیک فیصلہ معلوم ہو جائے گا۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں برابر قاضی رہا اور کبھی میں فیصلہ کرنے میں عاجز نہیں آیا۔

اس روایت میں حضرت علیؓ صاف اعتراف کرتے ہیں کہ جب حضرت رسول اللہ صلعم نے ان کو یمن کا قاضی مقرر کرنا چاہا۔ تو ان کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ پہلو بدلنے لگے کہ میں ابھی کمسن ہوں اور مجھ کو قضاء کا کچھ علم نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے حضرت علی کے قضایا یعنے مقدمات کے فیصلے لائے گئے۔ حضرت ابن عباس نے ان میں سے چند فیصلوں کی نقل لی اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ "وَاللہِ مَا قَضٰی بِھٰذَا عَلِیٌّ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ ضَلَّ" (ترجمہ) خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہوکر کیا ہے۔

حضرت علی کے فیصلوں کی کسی عالم نے قدر نہیں کی۔ اور شرف عزت نہیں بخشا۔ البتہ ایرانی اور عراقی علماء نے ان فیصلوں کو خوب سراہا۔ جو حسب ذیل روایت سے ثابت ہے۔

علی پر نزول قرآن مقبول شیعی روایت

عبدالعزیز نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ سے دریافت کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو یمن کا حاکم بنا کے بھیجا تو حکم دیا کہ وہاں کے لوگوں میں آپ فیصلے کیا کیجیے۔ اس پر علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ جو مقدمہ میرے پاس آتا میں اس کو حکم الٰہی اور حکم رسول کے ساتھ فیصلہ کر دیتا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اس وقت تک سارا قرآن بھی نازل نہ ہوا تھا اور پھر یہ بات کہ رسول اللہ ان کے پاس نہ تھے۔ کیونکہ علی یمن میں تھے اور رسول اللہ مدینہ میں۔ اس پر ابوعبداللہ نے فرمایا کہ علی کو حضرت جبرئیل علیہ السلام علیحدہ قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (یعنی قرآن کا وہ حصہ جو ابھی نازل نہیں ہوا تھا وہ جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کو بتا دیتے تھے یا بالفاظ دیگر قرآن ان پہ نازل ہو جاتا تھا) (بحار الانوار جلد ۱ صہ ۴۳۹)

غرض حضرت علی کو بحیثیت قاضی آزمایا گیا اور اس میں بھی روایات کے مطابق وہ پورے نہ اترے بحار الانوار کی بکواسی روایات میں بھی اس کا اعتراف موجود ہے کہ نہ قرآن سے علی اچھی طرح واقف تھے نہ رسول اللہ صلعم ان کی حمایت کے لئے موجود تھے۔ جبرئیل نے ان کو قرآن کے اُس حصہ کی تعلیم دی جو اُس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا۔ پھر وہ کیسے کامیاب قاضی بن کر اُبھرتے؟

واقعہ افک اور علی

ایک اور آزمائش جس میں حضرت علی خود بخود مبتلا ہوئے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت کا واقعہ تھا۔ جس کی تفصیلات تمام مورخین، مفسرین اور معلمین و محدثین نے لکھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بڑے غمگین اور پریشان ہوئے۔ سورۂ نور میں اسی واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے چند صحابہ کو ڈانٹ پلائی ہے کہ "ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت مومن مرد اور عورتیں سب اپنے آپ سے نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو صریح بہتان ہے ۔۔ ۔ ۔ ۔ اگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ ذرا غور کرو، جب تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس قصے کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے۔ جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ (آیات ۱۲ تا ۱۷)

غرض منافقین ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر "بہتان عظیم" عائد کر رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب سے زیادہ حسین و جمیل تعلیم یافتہ اور پاکیزہ بیوی کے خلاف الزامات سن سن کر پریشان ہو رہے تھے عین اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اس عورت کو چھوڑ دو اور اس کی جگہ کسی دوسری کو لو۔ حضرت علی کی اس نازیبا حرکت نے رسول اللہ صلعم کی پریشانی میں اضافہ ہی کیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کی سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ جن کے متعلق حضرت ام المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک شکایت پر آپ نے ان سے فرمایا تھا:۔

يا اُمّ سلمه الا تؤذيني في عائشه فانه والله ما نزل علي الوحي في بيت وانا في لحاف امرأة منكن غيرها.

(بخاری جلد ۱ صہ ۵۳۲ اور البدایہ جلد ۸ صہ ۹۳)

ترجمہ:۔ اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں تم مجھے اذیت مت پہنچاؤ۔ کیونکہ بخدا ان کے سوا تم بیویوں میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں ہونے کی حالت میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہو۔

سبحان اللہ! ایسی بلند مرتبہ اور پاکیزہ خاتون جنت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر رسول اللہ کو رائے دیتے ہیں کہ اسے چھوڑ دو اور اس کی جگہ دوسری لے آؤ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بے پناہ محبت اپنے دل میں رکھتے تھے بلکہ آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کی صاحبزادی فاطمہ زوجۂ علی بھی ان سے محبت کریں۔ چنانچہ البدایہ جلد ۸ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ ایک روز ازواج مطہرات نے فاطمہ زوجۂ علی کو ورغلایا کہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں کچھ گذارش پیش کریں۔ رسول اللہ صلعم نے فاطمہ سے فرمایا۔

يا بنية! اَلَا تحبّين من اُحبّ؟ قالت قُلتُ بلیٰ۔ قال فاحبي هٰذه

ترجمہ:۔ اے بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہ کرو گی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد ہوا پھر ان سے (عائشہ سے) محبت کرو۔

کہنے والے کہیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اپنی رائے پیش کی۔ اگر ارشاد نہ ہوتا تو حضرت علی چپ رہتے۔ ایسا کہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست پر بھی شک کرتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اچھی رائے دینے کی صلاحیت

موجود نہیں۔ ان سے اس بارے میں رائے طلب کرنا بیکار ہے۔ پھر علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں کم از کم پینتیس ۳۵ سال چھوٹے تھے۔ بڑے بزرگان دین چھوٹے بچوں سے رائے نہیں لیا کرتے وہ اپنے ہم مرتبہ اور ہم عمروں سے رائے مشورہ کرتے ہیں۔ بفرض محال اگر رائے طلب کی گئی تھی تو اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیتے کہ یہ ام المومنین پر بہتان عظیم ہے۔ مگر وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ جبکہ ان کا دماغ باطل پرستوں کے پروپیگنڈے کے زیر اثر تھا۔

علی کے مستقبل کے بارے میں نبی صلعم کو علم تھا

اللہ ہی عالم الغیب ہے اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ لیکن غیب کی باتیں بتانے کے لئے وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ لہٰذا امور غیب کے بارے میں اللہ اور رسول پر ایمان رکھنا ہر مومن کا فرض ہے۔ (آل عمران آیت ۱۷۹)

اے محمدؐ ان سے کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ (الانعام آیت ۵۰)

غیب کا جو علم بھی اللہ اپنے رسول کو دیتا ہے تو رسول اسے لوگوں تک پہنچانے میں کسی بخل سے کام نہیں لیتا۔ (التکویر آیت ۲۴) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔

بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور جو باتیں اس وقت سے قیامت تک ہونے والی تھیں ان سب کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابی بکرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ پیش آئے گا۔ اس بڑے فتنہ میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور چلنے والا بہتر ہوگا۔ فتنہ کی طرف دوڑنے والے سے۔ (مسلم)

لہٰذا رسول اکرم صلعم نے اپنی امت کو اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پیش آنے والے واقعات سے خبردار کر دیا۔ چھوٹے اور بڑے تمام فتنوں کا ذکر فرمایا اور مسلمانوں کو خبردار کر دیا تاکہ وہ ان فتنوں سے بچ کر رہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آئندہ آنے والے واقعات سے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کے ذریعے لوگوں کو واقف کر دیا تھا تو کیا صرف حضرت علیؓ اور ان کے دو بیٹوں کا ذکر لوگوں سے چھپائے رکھا۔ کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان فتنوں میں ان لوگوں نے بھی اپنا اپنا معینہ پارٹ ادا کیا۔

رسول اکرم صلعم کو تو ضرور علی اور ان کے دو بچوں کی آئندہ کارگزاری سے واقفیت رہی ہوگی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کرنے کا حکم دیا تو اس نے آئندہ وجود میں آنے والے فتنوں اور ان میں علی کا پارٹ بھی رسول اللہ کو سمجھا دیا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اپنے خاندان میں صرف دو گھرانے ایسے ہوں گے جو حکومت یا خلافت حاصل کرنے کی خواہش میں اپنے نفس کو غلاظت کے قعر عمیق میں جھونک دیں گے وہ حضرت عباس اور حضرت علی کے گھرانے ہوں گے۔ اسی لئے ۵ھ میں جب ازواج مطہرات کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے اے اہل بیت کہ تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک بیان کے مطابق حضور انور صلعم نے ایک دن حضرت علیؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن اور حسین کو اپنے پاس بلایا اور ان سب کو ایک کپڑے سے ڈھانک کر دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ الْبَيْتِ فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا

ترجمہ: اے میرے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے گندگی کو دور کر دے اور انہیں پاک کر دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے بھی کپڑے میں داخل کر کے میرے حق میں بھی دعا فرمائیے۔ حضور اکرم صلعم نے فرمایا۔ تم الگ رہو تم تو خیر (اہل بیت) ہو ہی۔"

یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ۵ھ میں قرآنی آیت نازل ہونے کے فوراً بعد نہیں فرمائی ہوگی بلکہ حسین کی پیدائش کے بعد ایسا کیا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ علی اور عباس کے گھرانوں کے سیاسی بیت الخلا میں قدم رکھنے کی خبر اللہ تعالےٰ نے حسین کی پیدائش کے بعد رسول اللہ صلعم کو دی ہوگی۔ اسی وقت آپ نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حسن و حسین کو بلا کر ان پر کپڑا اڑھا کر انہیں خلافت کی حرص کی گندگی سے دور کرنے کی دعا کی ہوگی۔

یہ بھی یاد رکھنے بات ہے کہ رسول اللہ صلعم نے علی کی دو بیٹیوں کو یعنے ام کلثوم اور زینب کو جو

فاطمہ بنت رسول کے بطن سے تھیں اس دعا میں شریک نہیں فرمایا کیونکہ وہ خلافت کے لئے دوڑ دھوپ والوں میں سے نہیں تھیں حضرت فاطمہؓ کو کسی ایک وجہ سے کپڑے کے نیچے بٹھایا گیا۔ یا تو رسول اکرم صلعم وفات کے فوراً بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے مدینہ کے تمام انصار گھرانوں میں جاکر علی کو منتخب کرنے درخواست کرنے کی وجہ سے سیاسی گندگی میں مبتلا ہونے والی تھیں یا حسین کو سنبھالے رکھنے کے لئے اس وقت حسین میں خود بخود بیٹھے رہنے کی سکت و تمیز نہیں تھی۔

رسول اکرم صلعم کے دیگر احکامات و اقدامات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے علیؓ کو سیاسی معاملات میں قدم نہ رکھنے کی ہدایت فرمائی مگر علی نے ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا۔ آئندہ صفحات میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کیا علی اور اولادِ علی اہلِ بیت رسول میں شریک تھے؟

حضرت ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں جس سیاق و سباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ کیونکہ خطاب کا آغاز ہی "یانساء النبی" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ اور ماقبل کی پوری تقریر میں وہی مخاطب ہیں علاوہ بریں اہل بیت کا لفظ عربی زبان میں ٹھیک انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جن میں ہم "گھر والوں" کا لفظ بولتے ہیں۔ اس مفہوم میں آدمی کی بیوی اور اس کے بچے دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بیوی کو مستثنیٰ کر کے اہل خانہ کا لفظ کوئی نہیں بولتا۔ خود قرآن مجید میں بھی اس مقام کے سوا۔ دو مزید مقامات پر یہ لفظ آیا ہے۔ اور دونوں جگہ اس کے مفہوم میں بیوی شامل' بلکہ مقدم ہے۔ سورہ ہود میں جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی پیدائش کی بشارت دیتے ہیں تو ان کی اہلیہ اسے سن کر تعجب کا اظہار کرتی ہیں کہ بھلا اس بڑھاپے میں ہمارے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ اس پر فرشتے کہتے ہیں۔

"أتعجبين من امر الله رحمت الله و بركاته عليكم اهل البيت"

کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو' اس گھر کے لوگو! تم پر تو اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں ہیں۔

سورہ قصص میں جب حضرت موسیٰ ایک "شیر خوار بچہ" کی حیثیت سے فرعون کے گھر میں پہنچتے ہیں اور فرعون کی بیوی کو کسی ایسی انا کی ضرورت ہوتی ہے جس کا دودھ بچہ پی لے تو حضرت موسیٰ کی بہن جاکر کہتی ہیں۔

"هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه لكم" کیا تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو

تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کا ذمہ لیں۔ پس محاورہ اور قرآن کے استعمالات اور خود اس آیت کا سیاق وسباق' ہر چیز اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں آپ کے ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اور آپ کی اولاد بھی۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا اصل خطاب ازواج سے ہے۔ اور اولاد مفہوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پائی ہے۔ اسی بنا پر ابن عباس عروہ بن زبیر اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج النبی صلعم ہیں۔ (تفہیم القرآن ص ۹۲)

جس سورہ میں تطہیر کی آیت نازل ہوئی ہے اسی میں ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "وَاذكُرنَ مَا يتلى فى بيوتكنّ من آيات الله والحكمة ان الله كان لطيفاً خبيراً" اور اے نبی کی اہل خانہ تم اللہ تعالےٰ کی آیتوں اور حکمتوں کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو۔ بے شک اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے

ان آیات میں ازواج نبی کے حق "بیوت" کا ذکر ہے انہیں گھروں میں آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا اور رسول اللہ کی بیویاں رہتی تھیں۔ ان بیوت میں نہ علی اور نہ علی کے بیوی بچے رہتے تھے نہ عباس اور حضرت عباس کے بیوی بچے اہل بیت میں سے ہرگز نہیں تھے۔

صرف رسول اللہ کی خواہش

یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اللہ تعالےٰ علی اور اولاد علی کو "اہل بیت" تصور کرتے ہوئے انہیں بھی گندگی سے پاک صاف کردے۔ آپ نے بحیثیت پیغمبر کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک انسان کے اپنے خاندان کے تمام افراد کو گندگی سے پاک صاف کر دینے کی اللہ تعالےٰ سے التجا کی مگر اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ علی کے متعلق ایک ارادہ کرچکا تھا۔ اس ارادہ کو کسی نبی کی دعا بھی نہیں بدل سکتی۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ایک کافر چچا یعنی ابوطالب کو مسلمان بنانے کی کوشش کی مگر اسے مسلمان نہ بنا سکے وہ آخر تک کافر ہی رہا اور کافر ہی مرا۔ اسی طرح رسول اللہ نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن سلول کی نماز جنازہ پڑھائی' اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی' اس کی میت کو قبر سے اٹھایا۔ اپنے زانوں پر رکھ کر میت کو اپنا مبارک پیراہن پہنایا اس کے منہ میں لعاب دہن داخل فرمایا۔ پھر بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا تم اس کی مغفرت کی ستر مرتبہ دعا کرو۔ تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی اور اسے جہنم میں داخل کیا جائیگا۔

دُعائے تطہیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسن و حسین کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بلا کر ان پر کپڑا ڈال کر تطہیر کی دعا کرنے سے دنیا پر یہ ثابت ہو گیا کہ علی اور ان کے دونوں بچے اپنے انفاس میں گندگی پلید تھے۔ اگر وہ گندے نہ ہوتے یا ایک گروہ کی تمنا کے مطابق وہ معصوم ہوتے تو رسول خدا کو ضرورت ہی کیوں ہوتی کہ گندگی سے پاک لوگوں کے لئے دعا کرتے؟ اس دعائے تطہیر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علی اور ان کی اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے "اہلِ بیت" سے ہرگز نہیں تھے۔ اگر وہ "اہلِ بیت نبی" کے افراد ہوتے تو رسول اللہ صلعم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اللہ سے کہتے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں"۔ اللہ جانتا تھا کہ کون رسول کے اہلِ بیت میں شامل ہیں اور کون نہیں ہیں۔

حضرت عباس کی نجاست اور گندگی

الصواعق المحرقہ میں لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو چادر سے ڈھانپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پاک کیا۔ اسی طرح حضرت عباس اور ان کے بچوں کو ایک چادر تلے جمع کر کے ان کو بھی غلاظت سے پاک کرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ الصواعق المحرقہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

"آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا "اے پروردگار! یہ میرے چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں، اور یہ لوگ بھی میرے "اہلِ بیت" ہیں، ان کو نار (دوزخ) سے اس طرح بچائیو جیسے میں نے اپنی اس چادر سے" پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے "آمین" کی آوازیں آئیں۔ پھر آپ نے بھی "آمین" کہی۔

خاندانِ نبوت میں صرف دو گھرانے ہی یعنے علی اور عباس کے گھر والے تطہیر کے قابل تھے حضرت عقیل کا گھرانہ، حضرت جعفر طیار کا گھرانہ، حضرت حمزہ کا گھرانہ تطہیر کے لئے ناقابل سمجھا گیا کیونکہ بقول ایک عالم کے انہوں نے سیاسی بیت الخلا میں قدم ہی نہیں رکھا۔

حجۃُ الوداع اور حضرت علیؓ

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں نو برس رہے اور اس عرصہ میں حج نہیں کیا۔ دسویں سال آپ نے منادی کرائی کہ رسول اللہ صلعم اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس اعلان

کو سن کر لوگ کثرت سے جمع ہوئے۔ پس مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نبی صلعم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی جب یہ جماعت ذوالحلیفہ پہنچی تو اسماء بنت عمیس رضؓ کے بطن سے محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے (محمد بن ابوبکر حضرت علی کا ربیب اور قاتل عثمانؓ ہے) (یہ ایک بڑی حدیث ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔

خانۂ کعبہ کے طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بعد آنحضرت صلعم نے لوگوں سے پکار کر کہا کہ اگر پہلے سے مجھ کو یہ بات معلوم ہوتی تو جو بعد میں معلوم ہوئی تو ہدی کو اپنے ساتھ نہ لاتا۔ پس تم میں سے جو شخص اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے اور حج کو عمرہ کر دے۔ یہ سن کر سراقہ بن مالک بن جعشم رضؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا اسی سال ہمارے لئے یہ حکم ہے یا ہمیشہ کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حکم صرف اسی سال کے لئے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیئے ہے۔

حضرت علیؓ سے رسول اللہ نے دریافت فرمایا جب تم نے احرام باندھا تھا تو کیا نیت تھی۔ (حضرت علیؓ یمن سے رسول اللہ صلعم کے لئے قربانی کے جانور لائے تھے۔ جن کی تعداد ستو تھی) انہوں نے کہا میں نے اس طرح یہ نیت باندھی تھی۔ "اللّٰھُمَّ انی اھل بما اھل بہ رسولک" یعنے اے اللہ میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ تو قربانی کے جانور ہیں پس تم بھی میری طرح حلال نہ ہو۔ (اور جب تک حج سے فارغ نہ ہو جاؤ احرام باندھے رہو)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور حلال ہو گئے۔ پھر انہوں نے ایک طواف کیا۔ جب وہ منیٰ سے واپس آئے۔ اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ مجھ کو حیض آنے لگا اور میں نے ابھی تک نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا تھا نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی۔ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا۔ نبی صلعم نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنے سر کو کھول ڈالوں اور سر میں کنگھی کروں یعنے عمرہ کا احرام کھول کر حلال ہو جاؤں اور عمرہ چھوڑ کر صرف حج کا احرام باندھوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اور جب حج کو پورا کر لیا تو آپ نے میرے ساتھ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضؓ کو بھیجا اور مجھ کو حکم دیا کہ مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھ کر اپنے عمرہ کا بدلا کر لوں میں نے ایسا ہی کیا۔

ام المومنین سے بدتمیزی

طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم جلد اول میں لکھا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ ذی القعدہ کے ختم ہونے میں پانچ راتیں باقی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ اور تمام اصحاب کی زبان پر صرف حج کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ آپ سرف پہنچے۔ آپ نے اپنے ہمراہ حج کی ہدی بھی کر لی تھی اور دوسرے شرفا کے ساتھ بھی ہدی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ سوائے ان لوگوں کے جو ہدی ساتھ لائے ہیں اور لوگ عمرہ کر سکتے ہیں۔ میں اسی دن حائضہ ہوئی تھی۔ میں رو رہی تھی۔ علی میرے پاس آئے اور انہوں نے پوچھا "کیا ہوا؟ شائد تم کو حیض آیا ہے" میں نے کہا اچھا ہوتا کہ میں اس سال تم سب کے ساتھ حج کو نہ آتی۔ انہوں نے کہا یہ خیال نہ کرو بلکہ یہ بات زبان سے بھی مت کہو۔ طواف کے علاوہ تم تمام وہی مناسک حج ادا کر سکتی ہو جو دوسرے حاجی کرتے ہیں۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب آیت ۶) بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ جس طرح نبی کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے اسی طرح امہات المومنین کا احترام بھی فرض ہے۔ کجا یہ کہ کوئی خواہ وہ کتنا ہی اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مذاق کرے۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ علی پر نبی کے گھرانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ خود نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی جاہل ہی رہا اور کافر ہی مرا۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ" اس امر پر آئندہ صفحات میں اور روشنی ڈالی گئی ہے۔

کہنے والے کہیں گے کہ علی نے ام المومنین کو حج کے مناسک سمجھائے تھے۔ مگر حضرت علی سے اس وقت کسی نے کوئی مسئلہ نہیں دریافت کیا تھا اور علی دین سے اس طرح واقف بھی نہیں تھے جس طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں۔ تمام صحابہ کرام آپ سے دین کے مسائل پوچھتے تھے۔ حضرت علی سے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ حضرت علی کتنے پانی میں ہیں۔

قربانی کے جانوروں میں حضرت علی کی شرکت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ کی طویل حدیث میں درج ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم "پھر قربانی کی جگہ کی طرف بڑھے اور ذبح کئے آپ نے تریسٹھ جانور اپنے ہاتھ سے پھر چھری یا نیزہ حضرت علی کو دیدیا۔ اور باقی جانوروں کو جو سینتیس ۳۷ تھے انہوں نے ذبح کیا اور شریک کیا نبی صلعم نے اپنے قربانی کے جانوروں میں حضرت علی کو بھی۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر جانور میں سے تھوڑا

سا گوشت لے لیا جائے۔ چنانچہ وہ گوشت لایا گیا اور ہانڈی میں پکایا گیا۔ دونوں نے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضؓ نے اس کو کھایا اور شوربے کو پی لیا۔ (مشکوٰۃ جلد اول حدیث ۲۴۴)

واپسی میں غدیر خم پر قیام

حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران رسول اللہ نے غدیر خم پر قیام فرمایا۔ خم ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے یہاں ایک تالاب ہے جس میں بارش کا پانی جمع رہتا ہے۔ غدیر تالاب کو کہتے ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضؓ کہتے ہیں کہ مقام خم کے چشمہ پر ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اول خدا کی حمد و ثنا کی، پھر لوگوں کو نصیحت کی اور ثواب و عذاب کو یاد دلایا اور اس کے بعد فرمایا۔

اے لوگو! آگاہ ہو کہ میں بھی تمہارے ہی مانند ایک آدمی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ آئے اور میں خداوند تعالٰی کا حکم قبول کر لوں۔ (یعنی دنیا سے رخصت ہو جاؤں)۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ان میں سے پہلی چیز خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت ہے۔ تم خدا کی کتاب کو مضبوط پکڑ لو۔ اور اسی پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی طرف لوگوں کو کافی رغبت دلائی اور اس پر عمل کرنے کے لئے خوب ابھارا۔ پھر فرمایا۔

دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تم کو خدا سے ڈراتا ہوں اور خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ کہ تم میرے اہل بیت کو نہ بھولنا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا جو خدا کی کتاب کی اطاعت کریگا راہ راست پر رہے گا اور جو شخص اس کو چھوڑ دیگا گمراہ ہوگا۔ (مسلم) (مشکوٰۃ جلد سوم حدیث ۵۸۷۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر جو شعبان ۵ ھ میں پیش آیا۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنی پارٹی کے لوگوں سے کہا کہ اب مدینہ واپس پہنچ کر شہر کے عزت دار لوگ مکہ کے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔ جس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا حضرت زید بن ارقم سن رہے تھے وہ بالکل کم سن تھے۔ انہوں نے ساری کیفیت رسول اللہ صلعم سے بیان کر دی منافقوں کے سردار نے اس کو جھٹلایا۔ تو اللہ تعالٰی نے اپنے قرآن میں فرمایا کہ لڑکے کی بات صحیح ہے جس لڑکے کی سچائی کے متعلق اللہ تعالٰی گواہی دے اس کی روایت کو کون جھٹلا سکتا ہے؟

مگر ان کی روایت میں جس بات پر لوگوں کا ایک گروہ بغلیں بجا رہا ہے وہ ہے اہل بیت کو یاد دلا

کی تاکید۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اپنی رسالت کا مشن نہایت کامیابی سے انجام دیا اور جۃ الوداع کے خطبہ میں حاضرین سے کہا۔ اے لوگو! تم سے پوچھا جائیگا میری بابت یعنے میں نے دین کے سارے احکام تمہارے پاس پہنچائے یا نہیں' اس وقت تم کیا جواب دوگے؟ حاضرین نے عرض کیا ہم اس امر کی شہادت دیں گے کہ آپ نے ہم تک احکام دین کو پہنچایا اور اپنا فرض ادا کر دیا، اور ہماری خیر خواہی کی۔ آپ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ یا الٰہی تو گواہ رہ۔

جب رسول اللہ صلعم کو پکا یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے بلاوا بہت جلد پہنچنے والا ہے۔ آپ اپنے رفیق الاعلیٰ کے پاس جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ تو اس وقت آپ کے دل و دماغ میں دو باتوں کی فکر تھی۔ ایک آپ کی امت کی بھلائی اور دوسری آپ کی بیویوں کا انجام۔ آپ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ نبی کا ترکہ صدقہ ہے۔ وہ تو امت کے لئے صدقہ ہے۔ ازواج مطہرات میں آپ کا ترکہ تقسیم نہیں ہو گا۔ ان کے نان نفقہ کا انتظام امت کے ذمہ تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے بعد تم اس ذمہ داری کو مت بھولو۔ آپ نے غدیر خم کے خطبہ میں دو تین مرتبہ لوگوں کو اس ذمہ داری کا احساس دلایا اور فرمایا۔ دو اہم ذمہ داریاں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ پہلی ذمہ داری کتاب اللہ کی ہدایت پر عمل کرنا ہے۔ اور دوسری اہم ذمہ داری میری وفات کے بعد اہل بیت یعنے ازواج مطہرات کی دیکھ بھال۔

آنحضرت صلعم نے اپنی زندگی ہی میں علی اور اولاد علی کے نان نفقہ کا خاطر خواہ انتظام فرما دیا تھا۔ ان کو چار مقامات پر بڑی بڑی جاگیریں عطا فرما دی تھیں۔ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ عرب کے اغنیا میں شامل ہو گئے۔ جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ازواج کی فکر تھی نہ کہ علی کی اولاد کی۔

مَنۡ کنت مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ

حضرت براءؓ بن عازب اور حضرت زیدؓ بن ارقم کہتے ہیں کہ غدیر خم کے مقام پر قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ مَنۡ کنت مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ یعنے جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔ اس پر بھی ایک گروہ بغلیں بجاتا ہے آنکھیں نچاتا ہے۔ معلوم نہیں کیوں! رسول اللہ صلعم کے کہنے کا مطلب بالکل واضح ہے۔

یہ بات کچھ شہرت پکڑ گئی تھی کہ رسول اللہ صلعم نے خداوند کریم کے حکم سے اپنی بیٹی فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور اپنے داماد پر حد سے زیادہ مہربان ہو گئے۔ مال غنیمت میں جو حصہ علی کا تھا وہ

بھی دیتے تھے اور خمس سے بھی اتنا ہی اور ان کو عطا کرتے تھے جس کی وجہ سے حضرت علی دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اپنے رہنے سہنے کے مکان کے دروازوں اور کھڑکیوں پر پردے لٹکا دیئے تھے۔ گھر کو آراستہ کیا تھا اپنی زوجہ فاطمہ کے گلے میں سونے کا ہار ڈالا تھا۔ اور حسن کے ہاتھوں میں چاندی کے کڑے اور جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ نے اپنے قربانی کے ایک سو جانوروں میں ترسیٹھ (۶۳) جانوروں کو خود ذبح کر کے باقی سینتیس (۳۷) جانور حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ذبح کرائے تھے۔ تو لوگوں کی نظروں میں ان کا مرتبہ کچھ بلند ہو گیا۔ خود علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی نظروں میں میرا اتنا مرتبہ تھا کہ مخلوق میں اتنا مرتبہ کسی اور کا نہ تھا۔ (نسائی) حضرت علی کا سر فخر سے تن رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خیر الناس بعد الرسول سمجھنے لگے تھے ان میں نسلی غرور و تکبر پیدا ہو رہا تھا انہوں نے اپنے برابر کے لوگوں میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ

نَحۡنُ شَجرۃِ النبوۃ و محبط الرسالۃ و مختلف الملائکۃ و معاون العلم و ینابیع الحکم یعنی ہم نبوت کے شجر ہیں۔ رسالت کے اترنے کا مقام ہیں۔ فرشتوں کی آمد و رفت کی جگہ ہیں۔ علم کی کان اور حکم دینے والے ہیں۔ (علی کا خطبہ ۱۰۵ نہج البلاغۃ)

جب رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی کہ ان کا داماد حد سے زیادہ بڑھ رہا ہے تو آپ نے بر سرِ عام علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا کہ میں جس کا غلام ہوں علی بھی اس کا غلام ہے۔ یہ اس لئے فرمایا تھا تاکہ علی میں غرور و تکبر جو سر اٹھا رہا تھا وہ نیچا ہو جائے۔ اس کے قبل آپ نے حضرت علی کے نفس میں جو گندگی بھری تھی اسے دور کرنے کے لئے دعائے تطہیر فرمائی تھی۔

مولیٰ کون ہے

قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

(۱) واللہ مولکم وھو العلیم الحکیم (التحریم آیت ۲)	اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہی علیم والحکیم ہے۔
(۲) وَاِنۡ تظٰھَرَ علیہ فان اللہ ھو مولٰہ (التحریم آیت ۴)	اگر تم نے نبی کے مقابلے میں باہم جتھہ بندی کی تو جان لو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبرئیل اور تمام صالح اہل ایمان اور ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں
(۳) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللہ مولی الذین آمنوا	یہ اس لئے کہ ایمان لانے والوں کا مولیٰ (حامی و ناصر)

وان الکفرون لا مولیٰ لھم (محمد آیت ۱۱) اللہ ہے اور کافروں کا حامی و ناصر کوئی نہیں ہے

واعف عنا٭ واغفرلنا٭ وارحمنا٭ (اے پروردگار) ہمارے ساتھ نرمی کر۔ ہم سے درگزر

انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ فرما ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

(البقرہ آیت ۲۸۶)

لفظ مولیٰ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہیں آقا، حامی، ناصر مددگار وغیرہ کے

اور جب وہی لفظ بندے کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہیں غلام مثلاً بخاری جلد دوم کی حدیث ۲۹۵

میں مذکور ہے:۔

صلح حدیبیہ کے دوسرے سال جب مسلمان مکہ میں قضا عمرہ کر چکے اور تین دن مکہ میں قیام کے بعد واپس

ہو رہے تھے تو حمزہ کی صاحبزادی چچا چچا پکارتی ہوئی رسول اللہ کے پیچھے آئی حضرت علی نے اسے لے لیا۔۔۔۔

مدینہ پہنچ کر علیؓ زید اور جعفر رضی اللہ عنہم نے جھگڑا کیا۔ علی نے کہا میں نے پہلے لے لیا وہ میرے چچا کی لڑکی ہے

زید نے کہا وہ میری بھی بھتیجی ہے۔ جعفر نے کہا۔ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ رسول اللہ نے جعفر کے حق

میں فیصلہ دیا۔ اور فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ علی کو بطور تسلی فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے

ہوں۔ حضرت جعفر سے فرمایا کہ تو میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہے اور حضرت زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی ہے

اور مولیٰ۔ کیا رسول اللہ صلعم نے حضرت زیدؓ کو مولیٰ کہہ کر اپنا آقا بنا لیا؟

مولیٰ تو صرف اللہ ہے

مشکوٰۃ کے باب الاسامی میں درج ہے کہ

قال رسول اللہ لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ، ولا یقل العبد سیدہ مولائی، فان مولاکم اللہ۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسی کو میرا غلام یا میری باندی نہ کہو تم سب اللہ کے غلام ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا کو میرا مولا نہ کہے۔ کیونکہ تمہارا سب کا مولا تو صرف اللہ ہے۔

وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولیٰ ونعم النصیر (سورۃ انفال)

ترجمہ:۔ تو لائی (یعنی مولا علی مولا علی چلانے والے مشرکوں و باغیوں) کو بتا دو کہ مسلمانوں کا مولا تو صرف اللہ ہے وہ کیسا اچھا مولا اور کتنا اچھا مددگار و مشکل کشا ہے۔

نوٹ: ایک دینی عالم کو جب ہم "مولانا" کہتے ہیں تو اس کے معنی ہیں "اے ہمارے غلام" کیونکہ ایک عالم دین سب مسلمانوں کا غلام ہوتا ہے۔ اس پر ڈیوٹی لگا دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو علم دین کی تعلیم دیتا پھرے۔ ورنہ وہ نمک حرامی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہے۔

باب ــــــ ۷

خلفائے راشدین کے حق میں دعا

حجۃ الوداع سے مدینہ واپس ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ سے ملاقات کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سورۃ النصر بھی نازل ہو چکی تھی جس میں آپ کو اپنی وفات کی خبر دیدی گئی تھی اس لئے آپ آخرت کے لئے محنت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت میں بھی شدت کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اسی تربیت کے سلسلے میں طبرانی کی ایک تحریر کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر حمد و ثنا کے بعد مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھ کر فرمایا۔

میں ابوبکر سے بہت خوش ہوں

اے لوگو! ابوبکر نے مجھے کبھی رنجیدہ نہیں کیا میں ان سے راضی اور خوش ہوں۔ ابن عساکر نے حضرت علیؓ کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

"ابوبکرؓ پر اللہ تعالیٰ اور مہربانیاں کرے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی مجھ سے شادی کی دار الہجرت مدینہ تک مجھے پہنچایا۔ اسلام کی خاطر اپنا سارا سرمایہ خرچ کیا۔ بلال کو آزاد کیا۔ عمرؓ پر بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہوں۔ بات کتنی ہی کڑوی ہو وہ حق بولتے ہیں۔ عثمانؓ پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں اور اے اللہ علی کے ساتھ حق کو قائم رکھ۔" (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ علیؓ حق پر قائم نہیں رہیں گے۔ اسی لئے وہ علی کے لئے حق پر قائم رکھنے کی دعا کرتے تھے)۔

ابوبکر اور عمر کے حق میں ارشادات

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسالت مآب نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے امید ہے کہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ایسی ہی محبت رکھے گی جیسی کہ وہ کلمہ طیبہ کو عزیز رکھے گی۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض و عداوت رکھنا کفر ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی محبت دراصل سنت ہے اور سنت رسول کی پیروی کیونکہ رسول اللہ ان دونوں اصحاب سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ (حوالہ کے لئے ازالۃ الخفاء ملاحظہ ہو)

ترمذی میں ابو سعید خدری کی زبانی رسالتماب کا یہ ارشاد درج ہے کہ ہر نبی کے دو آسمانی اور دو زمینی وزیر ہوتے ہیں۔ میرے آسمانی وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمینی وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ ترمذی، حاکم اور طبرانی نے قلمبند کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اس شان سے جلوہ افروز ہوئے کہ آپ کے دائیں اور بائیں ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ آپ نے ان دونوں اصحاب کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ روزِ حشر ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔

انہیں بزرگوں نے تحریر کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں اٹھوں گا اس کے بعد ابوبکرؓ اٹھیں گے اور پھر عمرؓ اٹھیں گے۔

نیز ان تینوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ میرے آنکھ اور کان ہیں۔

بزار و حاکم نے، نیز طبرانی نے ابو اروی الدوسی کی زبانی لکھا ہے کہ میں دربار رسالت ماب میں حاضر تھا اتنے میں ابوبکر و عمر آئے تو سرور عالم صلعم نے فرمایا' اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے جس نے تم دونوں کو میرا معاون و مددگار بنایا یہی روایت براء بن عازب سے بھی مروی ہے۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ ہبادہ بن عم نے کہا کہ رسول اللہ کے عہد میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فتوے دیا کرتے تھے اور ان دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی مفتی نہیں تھا۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت علی کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ کے بعد لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ہی سب سے بہتر اور افضل ہیں۔ کسی مسلمان کے دل میں مجھ سے محبت اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ سے بغض و نفرت اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ (یعنی جو لوگ علی سے محبت جتاتے ہیں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر پر سب و شتم کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں)

امام بخاری نے ابن جمہان و سفینہ کے ذریعے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ خلیفہ ہوں گے۔

علاوہ ازیں ابن حبان نے بھی امام بخاری کی روایت کو بتوسط ابو یعلیٰ و یحییٰ حمانی و حشرج و سعید بن جمہان و سفینہ اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادِ مسجد نبوی میں اپنے دستِ مبارک سے پہلا پتھر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم ایک پتھر میرے پتھر کے برابر رکھو۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم ایک پتھر حضرت ابوبکرؓ کے پتھر کے برابر رکھو۔ پھر حضرت عثمانؓ سے ارشاد ہوا کہ تم ایک پتھر ان سب پتھروں کے برابر رکھو۔ اس کے بعد ارشادِ عالی ہوا کہ یہی اشخاص میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ابوزرعہ کا بیان ہے کہ حدیث مذکورہ کے اسناد میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے اپنی مستدرک میں اور بیہقی نے دلائلِ نبوت میں درج کیا ہے اور حاکم شیعیت کی طرف مائل تھا۔

جلال الدین السیوطی نے بھی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ رسول مقبول نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا۔

حضرت علی کی تشویش

غرض حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خطبہ میں لوگوں کو ہدایت دینی شروع کی کہ وہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی پیروی کریں۔ اس سے حضرت علیؓ دلبرداشتہ ہوئے اور انہیں تشویش و پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے داماد بن جانے سے وہ نبی کی وراثت کے گویا حقدار ہو چکے تھے۔ ان کی تشویش کی جھلک ریاض میں سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں پائی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول خدا صلعم کی بیعت کی۔ حضرت علیؓ نے اس اعرابی سے کہا کہ تم نبی کریم صلعم کے پاس جا کر دریافت کرو کہ اگر آپؐ کی وفات ہو جائے تو کون فیصلہ کریگا۔ اعرابی رسول اللہ کے پاس جا کر پوچھا تو آنحضرت نے فرمایا۔ ابوبکرؓ تمہارا فیصلہ کریں گے۔ اس نے حضرت علیؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جاؤ اور پوچھو کہ ابوبکرؓ کا انتقال ہو جائے تو کون فیصلہ کریگا۔ اعرابی نے دریافت کیا تو رسول اللہ نے فرمایا عمرؓ تمہارا فیصلہ کریں گے۔ حضرت علی نے اعرابی سے جواب سن کر کہا کہ جاؤ اور پوچھو کہ حضرت عمرؓ بھی وفات پا گئے تو کون فیصلہ کرے گا۔ دریافت کرنے پر آنحضرت نے فرمایا کہ عثمانؓ تمہارا فیصلہ کریں گے۔ حضرت علی نے اعرابی کو پھر بھیجا کہ پوچھو کہ حضرت عثمانؓ کا بھی وقت آ جائے تو کون فیصلہ کرے گا۔ جب اعرابی نے آنحضرت سے دریافت کیا

اشخاص کے ساتھ پیچھے رہ گئے اور لشکر آگے بڑھ گیا۔ اس وقت آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے اگر لشکر صدیق اور فاروق کی اطاعت کریگا تو راہ پائے گا۔ یہ حدیث ازالۃ الخفا مقصد دوم کے صفحہ ۴۴ پر بھی درج ہے)۔

اسی طرح حضرت علی کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک وقت قبیلۂ بنو عمر اور بنو عوف میں کچھ مارپیٹ ہو گئی اطلاع ملنے پر سرور عالم صلعم بعد نماز ظہر وہاں تشریف لے گئے مگر جاتے وقت حضرت بلالؓ سے فرما گئے کہ عصر کی نماز تک واپس نہ آسکوں تو ابو بکرؓ سے کہدو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔ اس وقت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگ "خیر الناس بعد الرسول" سمجھنے لگے تھے۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ اس مرتبہ وہ نماز کی امامت پر حاوی ہوجائیں۔ ان کا یہ ارادہ خود ان کے ایک اعتراف سے عیاں ہے۔

دار قطنی نے افراد میں اور خطیب و ابن عساکر نے بحوالہ حضرت علیؓ لکھا ہے۔ کہ حضرت علی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "میں نے تین مرتبہ اللہ تعالےٰ سے تمہیں امام بنانے کی درخواست کی مگر ہر مرتبہ انکاری جواب ملتا رہا۔ اور ابو بکرؓ کو امام بنانے کا حکم ملتا رہا۔"

ابو بکر شافعی نے غیلانیات میں اور ابن عساکر نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے زبانی لکھا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ نے اپنی بیماری میں حضرت ابو بکرؓ کو امام مقرر فرما دیا تو ارشاد گرامی ہوا میں نے نہیں بلکہ اللہ نے ان کو امام بنانے کا حکم دیا تھا۔

غرض مرض الموت کے وقت حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم سے چمٹے رہتے تھے اور اپنے مطالبات منوانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم ان سے تنگ آگئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی کو بھیج کر ابو بکر کو بلالوں اور ان کے لئے (خلافت کی) وصیت کر دوں۔ تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں اور آرزو نہ کریں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ خداوند تعالےٰ ابو بکر کی خلافت کے علاوہ دوسرے کی خلافت کا انکار کر دیگا اور مسلمان بھی اس کی خلافت کی مخالفت کریں گے۔

بخاری میں یہ حدیث موجود ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کی جلد سوم میں ۵۷۱۶ ہے مذکورہ بالا ارشادِ نبی اس طویل حدیث کا اختتامی حصہ ہے۔

رسول اکرم صلعم کی پیشین گوئی

ابن ابی الحدید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات کی

شرح لکھتے ہوئے جو نہج البلاغہ میں درج ہیں لکھا ہے کہ ایک مجلس مشاورت میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری ایام میں منعقد ہوئی تھی علی اور معاویہ کے درمیان سخت کلامی ہوئی۔ غصہ میں حضرت علیؓ اٹھ کر جانے لگے اور روکنے سے نہ رکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا

واللہ لا تصل الیک ولا الی احد من ولدک

(ترجمہ) قسم بخدا! (یہ خلافت) نہ تمہیں نصیب ہوگی اور نہ تمہاری اولاد میں سے کسی ایک کو حضرت امامہؓ بن زیدؓ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے ذکر کیا تو سعد نے کہا عثمانؓ نے سچ کہا۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خلافت نہ علی کو ملے گی نہ ان کی اولاد کو

"لا ینالها علی ولا ولدہ" (شرح ابن الحدید)

شرح ابن ابی الحدید کو ایک طبقہ مثل قرآن کے مقدس سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس میں درج کردہ روایت کبھی جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ اس روایت کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اولادِ علی نے بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافتوں کے خلاف چھیاسٹھ مرتبہ خروج کیا۔ لیکن حکومت حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی لفظ بلفظ صحیح ثابت ہوئی۔

فاطمیین مصر یہودی تھے

کہنے والے کہیں گے کہ فاطمیین کی حکومت مصر میں ۲۹۷ھ سے ۳۵۸ھ تک قائم رہی مگر وہ یہ بھولتے ہیں کہ جو شخص بحیثیت مہدی حکومت قائم کرنے کے لئے ظاہر ہوا۔ وہ ایک یہودی تھا۔ ڈاکٹر زاہد علی بھورہ پرنسپال نظام کالج حیدرآباد دکن نے اپنی تصنیف "فاطمیین مصر" (طبع ۱۹۴۸ء) میں صاف طور پر لکھا ہے کہ

"کہا جاتا ہے کہ حسین۔ جو ائمۂ مستورین کا سب سے آخری امام تھا" اپنے شیعوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا لڑکا مشرق سے مغرب جائے گا۔ راستہ میں بہت تکالیف اٹھائے گا اور آخر کار مغرب میں مہدی بن کر ظہور کرے گا۔ لیکن حسین کو اولادِ نرینہ نہ تھی۔ اسی لئے آخر وقت میں ایک بیوہ یہودن کو جس کے پاس ایک پانچ سالہ بچہ بنام سعید الخیر بھی تھا شادی کر کے اس بچہ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اس کا نام بدل کر عبداللہ المہدی رکھا۔ مرتے وقت اس بچہ پر نص کی یعنے اسے امام مقرر کیا اور بچہ کو اپنے بھائی ابو الشلعلع کے حوالے کیا تاکہ اس کی تربیت کی جائے۔ پہلے تو اس کے بھائی نے خود کو امام ظاہر کیا پھر اس نے اپنے بچہ کو نص کیا۔ جب وہ مرگیا تو اپنے دوسرے بچہ کو نص کیا۔ اسی طرح اس نے اپنے دس بچوں کو نص کیا لیکن سب کے سب مرگئے

آخر مجبور ہو کر بیہودن کے بیٹے کو ہی امام بنا دیا اور اسے اسماعیلیہ فرقہ کی خاص احادیث اور طریقت کی تعلیم کا

علوی حکومت کے نمونے

علی کی اولاد کو خلافت نہ ملنی تھی نہ ملی۔ اللہ نے اس سے ان کو محروم ہی رکھا اچھا ہی کرتا ہے جو کچھ اللہ کرتا ہے کیونکہ جب کبھی بغاوت کر کے دو چار دن کے لئے حکومت پر قبضہ کر لیا تو اولاد علی نے عام رعایا پر وہ ظلم ڈھائے کہ لوگ ان سے نفرت کرنے لگے۔ علامہ شبلی نعمانی نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کی ان بغاوتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "علوی حضرات نے اپنے چند روزہ حکومت میں جو جو ظلم اور زیادتیاں کیں ان کے بیان کو ایک دفتر چاہیئے۔ زید فرزند موسیٰ (الکاظم) نے بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ سیکڑوں خاندان تباہ کر ڈالے گئے۔ عباسیوں کے ہزار ہا مکانات ڈھا دیئے گئے حسین بن الحسین نے مکہ کا وقفی خزانہ لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر (الصادق) کی حکومت میں جو چند روز کے لئے عرب پر قائم ہوئی تھی۔ علویین و فاطمیین کا وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اُٹھا دیا گیا ابراہیم بن موسیٰ الکاظمی یمن کے عامل بنے اور سفاکانہ قتل و غارت گری کی وجہ سے قصاب کہلائے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے انہیں قابو میں لائے۔ لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے؟ لڑے اور شکست کھائی۔

(المامون صـ ۶۸)

حسین الافطس نے جو شیعوں کے چوتھے امام زین العابدین کا پوتا تھا ۱۹۹ھ میں مکہ میں خروج کیا۔ اس کے ساتھ اس کے فرزندان علی بن حسین الافطس محمد بن حسین الافطس اور رشتہ دار محمد بن جعفر صادق بھی شریک تھے۔ ان سب نے مل کر مکہ میں اپنی چند روزہ حکومت قائم کی۔ حسین الافطس (چپٹی ناک والا) نمازی اور پرہیزگار تھا۔ اس کے دونوں بیٹے علی اور محمد اپنے باپ کے برخلاف نہایت قبیح سیرت تھے اکثر مستند مورخین و نسابین نے ان دونوں کی بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب جمہرۃ الانساب کے صفحہ ۴۷ پر لکھا ہے کہ حسین الافطس "احد المفسدین فی الارض" یعنے دنیا کے مفسدوں میں سے ایک تھا۔ اس کے دونوں بیٹوں کو بھی انہوں نے مفسدین قرار دیا ہے۔ جامع اللطیف میں جو مکہ کی مستند تاریخ ہے ان تینوں کے متعلق لکھا ہے "هما قبیح سیرۃ مع الناس" یعنے لوگوں کے ساتھ ان کی سیرتیں نہایت قبیح تھیں۔ علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ وہ بنو عباس کی امانتوں کے پیچھے پڑ گئے لوگوں کے مال و اسباب کو بجبر و تعدی چھیننے لگے۔ تب بہت سے اہل مکہ بخوف جان و مال مکہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حسین کے ہمراہیوں نے حرم شریف کی جالیوں کو توڑ ڈالا۔ خود افطس نے کعبہ شریف کے ستونوں

پر جتنا سونا چڑھا ہوا تھا اس کو اتار لیا اور خانۂ کعبہ کے خزانہ میں جو کچھ نقد تھا نکال لیا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ۴)

شیعہ مورخ و نساب (مولف عمدۃ الطالب) نے بیان کیا ہے کہ حسین الافطس نے کعبہ کا مال اپنے تصرف میں کر لیا۔ لیکن جب ابوالسرایا کے مارے جانے کی خبر ملی تو بہت گھبرایا اور جعفر صادق کے بیٹے محمد کے پاس آیا۔ وہ عالم و فاضل اور نیک سیرت تھے۔ افطس نے ان سے کہا

"لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہیں۔ میں آپ کی بیعت کئے لیتا ہوں پھر کوئی آپ کی مخالفت نہیں کریگا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا۔ مگر ان کا بیٹا علی برابر اس بات پر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر وہ اپنے لئے بیعت خلافت پر راضی ہو گئے اور لوگ ان کو امیر المومنین کہہ کر پکارنے لگے۔

بعد چند دنوں کے محمد بن جعفر صادق کے لڑکے علی اور علی بن حسین الافطس نے ہاتھ پاؤں نکالے اور طرح طرح کی بداعمالیاں کرنے لگے۔ زنا، اغلام اور سر بازار عورتوں کو بے عزت کرنا شروع کر دیا۔ خوبصورت اور حسین عورتوں کو اپنی عصمت کا بچانا دشوار ہو گیا۔ جہاں کہیں خوبصورت عورت یا لونڈا نظر آ جاتا یہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے جبراً پکڑ لے جاتے۔ تاریخ ابن خلدون اور تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صـ ۱۲۸ پر یہ واقعہ درج ہے مکہ کے قاضی کا لڑکا جس کا نام اسحاق تھا اور جو نو عمر اور حسین تھا۔ ایک روز بازار مکہ سے گذر رہا تھا۔ اتفاق سے علی بن محمد بن جعفر صادق کی نظر اس پر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی رال ٹپک پڑی۔ اس نے اسحاق کو پکڑ لیا اور اپنے دو چار ہم خیالوں کی مدد سے اپنا منہ کالا کرنے کو اپنے مکان پر پابدست وگرے و دست بدست وگرے اٹھا لے گیا۔

(تاریخ ابن خلدون صـ ۱۰۲ جلد ۷)

ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مکہ نے محمد بن جعفر صادق (خلیفہ) کا مکان شور و غل کرتے ہوئے گھیر لیا تو خلیفہ لوگوں سے امن حاصل کر کے اپنے لڑکے کے مکان پر گئے اور اسحاق کو اپنے بیٹے علی سے لے کر لوگوں کے حوالے کر دیا۔

ایک اور شخص محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن زید بن الحسن بن علیؓ بن ابی طالب نے ۲۵۶ھ میں مدینہ میں بغاوت کی۔ یہ علوی نہایت بداعمال اور فاسق تھا۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر دن دہاڑے شراب پیتا تھا اور بعض اہل مدینہ کی چھوکریوں سے فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا۔ اہل مدینہ

کو آپ نے فرمایا۔ جب ابوبکرؓ پر موت کا وقت آجائے جب عمرؓ پر بھی آجائے اور جب عثمانؓ پر بھی تو تم بھی اگر مرسکتے ہو تو مر جاؤ۔ (حضرت علیؓ کی خلافت کا نام نہیں لیا)۔

حضرت علیؓ کے لئے خلافتِ راشدہ میں کوئی حصہ نہیں تھا

اس طرح کی اور بہت ساری روایات جمع کر کے شاہ ولی اللہ شاہ ازالۃ الخفا مقصد دوم میں لکھتے ہیں کہ :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحتاً وکنایۃً بیان فرمایا کہ خلافت کا حضرت عثمانؓ کے بعد منعقد نہ ہوگی اور یہ معنی متعدد سندوں اور مختلف طریقوں سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی جن میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہ رہا۔ اور یہ بات خارج میں بھی ظاہر ہوگئی اسی لئے حضرت علیؓ خلافت پر متمکن نہ ہوسکے اور ہر طرف آپ کا حکم نافذ نہ ہوا۔ اور ہر دن خلافت کا دائرہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخری زمانہ میں کوفہ اور اس کے گرد میں حکومت رہ گئی۔

ابوداؤد نے حسن نے ابو بکرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں سے دریافت کیا تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں نے دیکھا ہے۔ گویا ایک ترازو اترا۔ آپ کا اور ابوبکرؓ کا وزن کیا گیا۔ آپ ابوبکرؓ سے بھاری نکلے۔ پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ کا وزن کیا گیا تو ابوبکرؓ عمرؓ سے بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ کا وزن کیا گیا تو عمرؓ عثمانؓ سے بھاری نکلے۔ پھر ترازو اٹھا لیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر کہ ترازو اٹھا لیا گیا تو رسول اللہ صلعم کے چہرۂ مبارک پر کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا یہ نبوت کی خلافت ہے اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا۔

ابوداؤد نے ایک دوسری روایت سمرہ بن جندب کی لکھی ہے کہ ایک آدمی نے کہا۔ یا رسول اللہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے کناروں کو پکڑ کر کمزوری کے ساتھ پیا۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے اس کے دونوں کناروں کو مضبوطی سے پکڑ کر شکم سیر ہو کر پیا۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور انہوں نے بھی اس کے دونوں کناروں کو پکڑ کر آسودگی سے پیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے اور اس کے کناروں کو پکڑا تو ڈول پھٹ گیا۔ اور ان کے اوپر کچھ پانی گر گیا۔

علی کا اعتراف کہ برکت ان پر جمع نہ ہوگی۔

غنیۃ الطالبین میں جو عبدالقادر گیلانی کی تصنیف ہے مذکور ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت

فرمانے سے پہلے مجھ سے فرما دیا تھا کہ خلافت آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو اور پھر مجھ کو ملے گی لیکن وہ مجھ پر پوری طرح جمع نہ ہوگی۔

اُمت علی کو بُرا جانے گی

حاکم نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے جن باتوں کی پیشین گوئی کی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آنحضرت صلعم کے بعد اُمت مجھ کو بُرا جانے گی۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ عنقریب آنے والے فتنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کیا پارٹ ہوگا۔ آئندہ صفحات میں اس پارٹ پر مکمل روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب ــــ ۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الموت اور حضرت علیؓ کا کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا حدیثوں اور سیر کی کتابوں میں سب کچھ قلمبند ہے۔ مورخوں نے اس اہم مواد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کیوں۔

شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خیالی حقوق منوانے پر تلے ہوئے تھے! اسی لئے وہ اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو بار بار آتے تھے جو مرض الموت کے وقت آپ کا قیام گاہ تھا تاکہ آپ سے درخواست کریں کہ ان کو مسجد میں نماز کا امام بنا دیا جائے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی پیغمبر کے آخری وقت میں مسلمانوں کے دین کا امام ہوگا، وہی ان کی دنیا کا امام ہوگا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے حالانکہ وہ خود غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام میں شامل نہیں تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہ صرف لشکرِ اسلام کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بلکہ لشکر کی امامت بھی ان کے تفویض کی گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی شان میں اضافہ ہوگیا تھا۔

(مسلم کی ایک حدیث میں درج ہے کہ اثنائے راہ میں ایک روز آخری شب کو آنحضرت صلعم چند

کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا۔ اس نے المعتمد باللہ کے عہد خلافت میں بغاوت کی تھی۔ بہت سے اہل مدینہ کو قتل کیا۔ اور اس تمام مدت میں مسجد نبوی میں جمعہ اور جماعت کی کوئی نماز نہ ہو سکی۔ خلافت کے لشکر نے جلد ہی اس کا خاتمہ کر دیا۔ (جمہرۃ ابن حزم ص ۲۳)

علوی حکومت کے نمونوں سے تاریخی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن کے پڑھنے سے ایک سچے مسلمان کا دل غم و غصہ سے بھر جاتا ہے۔ اولادِ علی میں حضرت علیؓ ہی کا خون دوڑ رہا تھا۔

حضرت علی کا عزم و استقلال

مرض الموت میں حضرت علیؓ کا زیادہ وقت رسول اللہ صلعم کو اپنے مطالبات سے پریشان کرنے میں گزرتا تھا جب کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھریلو کام کاج میں لگ جاتیں تو حضرت علی بیمار کے بستر سے چمٹ جاتے۔ آخر حضرت رسول اللہ صلعم نے ان سے تنگ آ کر کہہ دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ کسی کو بھیج کر ابو بکرؓ کو بلاؤں اور ان کے لئے خلافت کی وصیت کر دوں تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں اور آرزو نہ کریں۔ (بخاری) حضرت علیؓ یہ سن کر بہت آزردہ ہوئے۔ اور اٹھ کر باہر نکل گئے اس وقت مسجد نبوی میں اصحاب الرسول نبی کریمؐ کی بیماری کی وجہ سے بہت متفکر اور غمگین تھے انہوں نے رسول اللہ صلعم کی طبیعت کا حال دریافت کیا۔ اس وقت جو گفتگو ہوئی اس کو بخاری نے قلمبند کیا ہے۔

"عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے علی بن ابی طالب سے سنا کہ علی بن ابی طالب آنحضرت صلعم کے پاس آپ کے مرض الموت میں جا کر واپس ہوئے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے) تو لوگوں نے دریافت کیا اے ابوالحسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت صبح کو کیسی رہی۔ انہوں نے کہا الحمد للہ اچھے ہیں عباس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم ڈنڈے کے غلام (تابع) ہو جاؤ گے میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ میں بنی عبدالمطلب کے چہروں سے ان کی موت کے آثار پہچان لیتا ہوں۔ اس لئے تم میرے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں چلو تاکہ ہم آپ سے پوچھ لیں کہ خلافت کس خاندان میں ہو گی۔ اگر ہمارے خاندان میں رہے گی تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو گی تو ہم کہیں گے کہ ہمارے لئے وصیت کریں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ خدا کی قسم۔ اگر ہم نے آپ سے پوچھا اور آپ نے منع کر دیا تو پھر لوگ

ہمیں کبھی نہ دیں گے۔ میں اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی سوال نہ کروں گا۔"

(بخاری جلد دوم حدیث ۱۱۹۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں نہیں پوچھوں گا۔ اگر آنحضرت نے انکار کر دیا تو آئندہ کوئی امید منصب حاصل کرنے کی نہ رہے گی۔ حضرت علیؓ نے خلافت کے لئے وصیت کی کوشش کی اور جب جھڑک دیئے گئے تو ایسے انجان بن گئے گویا انہوں نے رسول اللہ صلعم سے خلافت کے متعلق کبھی گفتگو نہیں کی۔ ان کا رویہ ان کے عزم و استقلال کا آئینہ دار ہے۔ ان کی قسم بتاتی ہے کہ وہ خلافت کے حصول کی ہر وقت کوشش کرتے رہیں گے۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں تین گروہ ہو گئے (۱) انصار (۲) مہاجرینؓ (۳) بنو ہاشم جو مہاجرین سے الگ ہو گئے۔

صحیح بخاری میں باب مرض نبی میں اور فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

"ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ علی و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔"

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بڑے مجمع عام میں کی تھی۔ اگر کوئی بات خلاف واقعہ ہوتی تو لوگ انہیں ٹوک دیتے۔ تاریخ طبری میں بیان ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور کہا کہ جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہیں ڈالوں گا۔

مسند ابو یعلی میں درج ہے کہ واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جس دن رسول کا انتقال ہوا۔ اس دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دوسرے اصحاب رسول کے ساتھ رسول اللہ کے خانۂ مبارک میں بیٹھے تھے (آنحضرت کی میت کو غسل دیا جا رہا تھا) کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک نے آواز دی کہ ابن الخطاب ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت صلعم کے بندوبست میں مصروف ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔

انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں جلدی پہنچ کر ان کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ کر بیٹھیں اور لڑائی ہو جائے۔ اس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عبیداللہ بن الجراحؓ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ نہیں گئے تھے۔ انہیں وہاں جلد از جلد پہنچنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم کو غسل دینے میں مصروف تھے۔ اگر انہیں مصروفیت نہ ہوتی تو ممکن تھا وہ بھی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ جاتے۔

حضرت علی کی کوئی حیثیت نہیں تھی

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ہم لوگ یعنے صحابہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو، عثمان کے بعد ہم باقی تمام صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ رسول خدا کی امت میں نبی صلعم کے بعد ابوبکرؓ بہتر ہیں پھر عمر فاروقؓ پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔ لہٰذا حضرت علی اس وقت سقیفہ بنو ساعدہ پہنچتے تو حقیقت نہیں بدل جاتی۔

حضرت علی کا غصہ

کلینی و صفا و شیخ طوسی، ابن بابویہ و قطب راوندی اور دوسرے بڑے بڑے جگادری مجتہدوں اور اماموں نے متفق اللفظ یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے علی سے فرمایا تھا کہ جب میری وفات ہو جائے اور تم مجھے غسل و کفن کر چکو تو میرے کفن کا گریبان پکڑ کر مجھے اٹھا کے بٹھا دینا۔ اس وقت جو سوال تم کرو گے تمہیں جواب دوں گا۔ چنانچہ علی نے وفات کے بعد یہی حرکت کی۔ رسول مقبول کا کفن پکڑ کر گھسیٹا اور آپ کو اٹھا کے بٹھا دیا اور آپ سے ہزار ہا سوال کئے اور ہر سوال کے جواب میں علم کے ہزار دروازے حضرت علی پر کھل گئے۔"

شیعی مجتہدوں، اماموں، آیات اللہ ؤں نے جب متفق اللفظ یہ روایت بیان کی ہے تو ضرور کوئی بات ہوگی۔ جس پر پردہ ڈالنے کے لئے روایت گھڑی گئی ہے۔ روایت بھی ایسی کہ راوی جعفر صادق ہیں انہوں نے اپنے باپ محمد الباقر سے سنا، انہوں نے اپنے جد امجد سے اور انہوں نے خود امیر المومنین (حضرت علی) سے سنا۔ اگر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہے تو ضرور دال میں کچھ

کالا ہے۔ جس کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہے خدا ہی علیم و خبیر ہے مگر اس روایت کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلعم کے غسل میں شرکت کو ترک کر کے اچانک باہر نکل گئے (غسل دلانے میں حضرت ابوبکرؓ پانی ڈالتے جاتے تھے اور علی، عباس، فضل، قثم، اسامہ بن زید اور شقران دوسرے کام کر رہے تھے یعنے کروٹ بدلوانا، پانی تیار کرنا وغیرہ) تو علی کو بہت ناگوار گزرا۔ اور جب تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ پر جمع ہو کر اپنا خلیفہ منتخب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے وقت پر وہاں پہنچ کر اپنی خوش تدبیری اور روشن ضمیری سے اس ابھرتے ہوئے فتنہ کو دبا دیا۔ اور بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا تو حضرت علی کو اتنا غصہ آیا کہ وہ آپے سے باہر ہو گئے اور رسول اللہ صلعم کے کفن کو پکڑ کر گھسیٹا، اور اپنے آپ بڑبڑایا کہ اگر آپ زندگی میں خلافت کی وصیت میرے لئے کر جاتے تو آج مجھ پر یہ مصیبت نہ آتی۔ یہ ایک خیال ہے مگر یہ حضرت علیؓ کی شخصیت سے ان کے عادات و اطوار سے میل کھاتا ہے۔ بعد کے واقعات بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

علی کو اپنی قوم قریش سے نفرت ہو گئی

چنانچہ آغا سلطان مرزا خطبہ شقشقیہ کا ترجمہ کرتے ہوئے البلاغ المبین حصہ دوم کے صفحہ ۴۸۰ اور ۴۸۱ پر لکھتے ہیں کہ

"رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی امت مسلمہ میں اختلافات پیدا ہو گئے اور اصل اختلاف تھا ان کی جانشینی کا۔ حضرت علی کا دعویٰ تھا کہ وہ علاوہ داماد رسول ہونے کے باطنی شریعت کے رسول بھی تھے، رسول کے وصی بھی تھے، پھر اللہ کے ولی بلکہ ولی عہد تھے۔ اس لئے خلیفہ بننے کا حق ان کے سوا کسی کو نہیں پہنچتا تھا۔ مگر ہوا کیا؟

علی تو رسول کے کفن دفن میں لگے رہے اور عمر نے سقیفہ بنی سعد میں جا کر حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی اور ان کو نصب خلافت کر دیا کہتے ہیں کہ علی نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا خلافت کو وہ اپنا موروثی حق سمجھتے تھے رسول اللہ کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ انہوں نے علی کو پالا تھا چنانچہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے آپ فاطمہؓ کو گدھے پر بٹھا کر مہاجر و انصار کے گھر گھر لے گئے اور اپنے حق میں

کینوینگ کروائی۔ مگر ہر جگہ یہی جواب ملا کہ ہم تو ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے۔ اب اپنے عہد سے کیسے پھر سکتے ہیں آپ پہلے آئے ہوتے تو ہم منوغور کرتے۔

علیؓ نے کہا کیا میں رسول اللہ کو بے گور دکفن چھوڑ کر سقیفہ بنی سعد میں جا کر الیکشن لڑتا؟ لوگوں نے کہا۔ آپ پہلے جانشینی کا معاملہ طے کر لیتے پھر ان کا جانشین شایانِ شان انتظام کفن دفن کر دیتا۔ جب ہماری اُمت شریک ہوتی۔ آپ کو مٹی دینے کی ایسی جلدی کیوں تھی۔ یہ کام تو اُمت کا تھا۔ پیغمبر کی وارث اُمت ہوتی ہے۔ داماد یا بیٹا نہیں ہوتا کہتے ہیں اس جواب سے علیؓ کو اپنی قوم قریش سے نفرت ہو گئی۔"

(البلاغ المبین حصہ دوم)

کینوسینگ کب کی گئی

صحیح روایات کے مطابق رسول اللہ صلعم کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی اسی روز میت کا غسل ہوا، اور اسی دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب بحیثیت خلیفۃ الرسول سقیفہ بنی سعد میں عمل میں آیا۔ تصفیہ ہوتے ہی وہاں سے بھاگوں بھاگ لوگ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو گئے۔ اس دن شام سے سہ شنبہ کی شام تک لوگ باری باری جنازہ کی نماز ادا کرتے رہے۔ ہجوم کی زیادتی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں تنگی کی وجہ سے صفیں مختصر ہوتی تھیں اسی لئے وقت گزرتا گیا اور میت کو اسی دن دفن نہ کیا جا سکا۔

آغا سلطان مرزا کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب اور سہ شنبہ کا سارا دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دو بچوں یعنی حسن اور حسین کو گدھے پر سوار کرا کر مہاجر اور انصار کے گھر مارے مارے پھر رہے تھے اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے کیونکہ دفن کے دوسرے دن لوگوں نے مسجد نبوی میں جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام بیعت کی پہلی بیعت میں جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی بہت تھوڑے لوگ وہاں جمع تھے۔ عام بیعت رسول اللہ صلعم کی تدفین کے دوسرے دن مسجد نبوی میں ہوئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت مبارک ابھی دفنائی بھی نہیں گئی تھی کہ حضرت علیؓ خلافت کی بھیک مانگنے کے لئے مدینہ منورہ کے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

اور جب مدینہ کے مہاجر و انصار نے انہیں صاف کہہ دیا کہ پیغمبر کی وارث اس کی اُمت ہوتی ہے اس کا داماد یا بیٹا نہیں ہوتا تو علیؓ کے ہوش و حواس درست ہوئے اور انہوں نے بیعت عام میں اپنا

ہاتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیدیا۔ اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ پر بے جا الزام

ابن الاثیر الجزری نے اپنی مشہور کتاب التاریخ الکامل میں حضرت ابوسفیان بن حربؓ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر مجتمع ہو گئے اور ان سے بیعت کرنے لگے تو ابوسفیان یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہ گڑبڑ جو میں دیکھتا ہوں اسے آلِ عبد مناف بغیر خون کے فرد ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارے امور و معاملات میں ابوبکر کو کیا دخل ہے۔ وہ دونوں ضعیف اور ذلیل یعنی عباس اور علی کہاں گئے۔۔۔۔ پھر حضرت علی سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلا میں تجھ سے بیعت کرتا ہوں۔ واللہ اگر تو چاہے تو تمام مدینہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دیتا ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کو نہ مانا اور کہا کہ اس سے تمہارا ارادہ یہ ہے کہ فتنہ برپا کرو۔ واللہ تم نے اسلام کے خلاف مدتوں جھگڑے اٹھائے تھے۔ مجھے آپ کی نصیحت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نجران کے عامل تھے وہ مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ پھر وہ حضرت علیؓ کی حیثیت جانتے تھے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے، جنگِ احد میں جب مسلمان ہار کے بالکل قریب پہنچ گئے بلکہ مشرکینِ مکہ نے اپنی کامیابی پر یقین کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلعم کے ہلاک ہو جانے کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ اس وقت حضرت ابوسفیانؓ نے جو مشرکین کے سپہ سالارِ اعظم تھے۔ احد کے پہاڑ کے ایک حصہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پوچھا تھا۔ تم میں محمد زندہ ہے؟ رسول اللہ صلعم کی ہدایت پر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا تو پوچھا تم میں ابوبکر زندہ ہے، تم میں عمر زندہ ہے؟ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ تم میں علی زندہ ہے۔ کیونکہ علی کے زندہ رہنے یا مر جانے سے اسلام کے پھیلنے اور ترقی کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ مگر ان تینوں ہستیوں کی غیر موجودگی سے اسلام کا ابھرتا ہوا پودا مرجھا جانے کا ڈر تھا۔ جس کے مشرکین کوشاں تھے۔ اسی لئے ابوسفیان نے اسلام کی ان تین بلند و بالا ہستیوں کی خیریت دریافت کی اور حضرت علی کو فراموش کر دیا۔

اور اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو علی سب سے پہلے حضرت ابوسفیان کے قدم چومتے اور کہتے کہ چچا جان مجھے کسی طرح خلیفہ بنا دو۔ تمام مدینہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دو۔ خدا کے لئے تم مجھ پر احسان کرو۔

جس شخص نے خلافت کی بھیک مانگنے کے لئے مدینہ کے در بدر کی ٹھوکریں کھائی ہوں کیا وہ شخص حضرت ابو سفیان کی پیشکش کو اس طرح حقارت سے ٹھکرا دیتا جس طرح کہ مورخوں نے بیان کیا ہے۔ یہ روایت حضرت علیؓ کی فطرت سے میل نہیں کھاتی۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ایک مدبر، معزز، مفکر، منتظم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ وہ رسول اللہ صلعم کے چچا اور سسر تھے وہ ایک ایسے شخص تھے کہ ان کی عرب میں خوب چلتی تھی اور ان کے مقابلہ میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ ٹھہر سکتا اگر وہ چاہتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام میں فتنے کھڑے کر سکتے تھے۔ مگر وہ سچے مسلمان تھے اور اسلام کا خیر خواہ۔ کوئی شخص جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو ان کے متعلق یہ گمان نہیں کر سکتا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو انتشار کے لئے ابھارا ہو۔ کیونکہ یہ بات ان کی فطرت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

باب — ۹

حضرت علی عہد ابو بکر صدیقؓ میں

مختلف اور متضاد روایات کی وجہ سے یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت علیؓ نے توقف کی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وفات رسول اللہ کے چھ مہینے بعد جب فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ شاہ لکھتے ہیں کہ جب دوسرے روز بیعت عامہ ہوئی تو سادات اہل بیت نے تخلف کیا۔ یہ ایک دوسرا اشکال تھا جو پیدا ہوا۔

فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ

ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ علی اور زبیر اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین حضرت ابو بکرؓ کے پاس جمع ہوئے تاریخ طبری میں بیان موجود ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر نے علیحدگی اختیار کی زبیر نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک

علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ ایک وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ یا بنت رسول اللہ! خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح جمع ہوتے رہیں گے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔

اس انتباہ کے بعد فاطمہ کے گھر میں لوگوں کا جمع ہونا بند ہوا، ورنہ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جبکہ رسول اللہ کا انتقال ہوا تھا۔ جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوتیں جو آگے چل کر حضرت علی اور حضرت معاویہ میں واقع ہوئیں کیونکہ بنی امیہ کسی حالت میں بنو ہاشم کی برتری قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتے۔

خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے اور جس کو شاہ ولی اللہ نے اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت کے اسناد صحیح ہیں کہ رسول خدا صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی تو علی اور زبیر فاطمہ کے گھر میں ان کے پاس مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جب اس کی خبر عمر بن خطابؓ کو ہوئی تو وہ فاطمہ کے گھر گئے اور کہا کہ اے رسول صلعم کی بیٹی۔ خدا کی قسم تمہارے باپ سے زیادہ مجھ کو کوئی عزیز نہیں تھا۔ اور نہ ان کے بعد تم سے زیادہ کوئی مجھے پیارا ہے لیکن خدا کی قسم اگر یہ لوگ تمہارے پاس جمع ہوتے رہیں تو یہ محبت مجھ کو اس سے نہ روکے کہ جس وقت یہ جمع ہوں میں اس گھر کو آگ لگا دوں۔"

اس روایت کو بیان کرنے والے اسلم کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ چلے گئے" وہ لوگ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ میرے پاس عمرؓ آئے تھے اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم دوبارہ یہاں آؤ گے تو وہ تمہاری موجودگی میں گھر جلا دیں گے۔ بخدا وہ اپنی قسم پوری کریں گے۔ تم سیدھے لوٹ جاؤ اور اپنے آپ مشورہ کرو۔ میرے پاس نہ آؤ۔ وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے اور جب تک ابو بکرؓ کی بیعت

نہ کرلی پھر نہ آئے۔

علیؓ نے فوراً بیعت کرلی

ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں کوئی توقف نہیں کیا۔ وہ بیعت میں پیچھا رہ جانا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دوسرے روز جب بیعت عامہ ہوئی تو حضرت عمرؓ نے تقریر کی اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو منبر پر چڑھا دیا اور لوگوں نے بیعت عامہ کی۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا حضرت علیؓ نظر نہ آئے آپ نے پوچھا کہاں ہیں علی؟ انصار میں سے چند لوگ اٹھے اور علی کو بلا لائے۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ آپ رسول اللہ صلعم کے چچازاد بھائی اور ان کے داماد ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں؟ عرض کیا نہیں یا خلیفۃ الرسول اللہ اور پھر انہوں نے بیعت کرلی۔ (بخاری)

علامہ ذہبی اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں حبیب بن ثابت تابعی کی روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ ان کے گھر میں تھے۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ ابوبکرؓ بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے۔ اس وقت ان کے بدن پر نہ چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے منگوائے کپڑے آگئے تو پہن لئے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن زبیر سے پوچھا۔ اَشَھِدتَ وفاۃ رسول اللہ صلعم کیا تم نے رسول اللہ صلعم کی وفات دیکھی؟ فقال نعم۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فمتیٰ بویع ابوبکر کی بیعت کب ہوئی؟ جواب دیا جس دن آنحضرت صلعم کی وفات ہوئی۔ کیا ابوبکر کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید نے جواب دیا نہیں البتہ انصار میں سے ایک نے مخالفت کی تھی اور قریب تھا کہ وہ مرتد ہو جاتا لیکن اللہ عزوجل نے اس کو بچا لیا۔

عمرو بن حریث نے پھر پوچھا فہل قعد احدٌ من المہاجرین۔ کیا مہاجرین میں سے

کسی نے پہلو تہی کی تھی؟ سعید بن زبیر نے جواب دیا "نہیں مہاجرین تو بغیر بلانے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے"

ایک اہم روایت خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان کا قول تمام کتابوں میں بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ہم نے معاملہ پر غور کیا تو سمجھے نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو ہمارے لئے دین کی امامت کا حکم دیا اسی کو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے منتخب کرلیا۔ ابوبکر کو اپنا امیر بنا لیا۔ جب انہوں نے جہاد کا حکم دیا تو ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انہوں نے عطا کیا اس کو خوشی قبول کرلیا۔ ان کے سامنے حدود اللہ قائم کیں اور کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ رسول اللہ نے حضور صلعم کی وفات کے اٹھارہ دن بعد یعنے جیش اسامہ بن زیدؓ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے۔ ایک دستہ حضرت علی کی سرکردگی میں متعین کیا۔ (الطبری جلد ۔

حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمیشہ خلیفہ رسول کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ مثلاً نواح مدینہ میں جب غدار قبیلوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے کے لئے سوار ہوئے تو حضرت علیؓ نے آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی اور حضرت صدیق اکبر سے کہا:

"اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ احد کے وقت آنحضرت صلعم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دردمند نہ کریں۔" (البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۳۱۵)

حضرت علیؓ کا صدیق اکبرؓ کی امامت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی پہلے ہی دن بیعت کر چکے تھے۔ تخلف عن البیعۃ کی ساری روایتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ جب فاطمہ بیمار پڑیں تو حضرت ابوبکرؓ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فاطمہ نے ان کو اندر بلا کر باتیں کیں۔ (زمخشری)

شیعوں کی مقدس کتاب نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب "الشافی" کی وہ عبارت نقل کی ہے جو قاضی القضاۃ کے حوالے سے درج ہے کہ

کہ ان ابابکر ھو الذی صلّی علی فاطمۃ و کبّر اربعا یعنے حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہی تھیں۔ (شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ ایران جلد دوم ص۹۸۰)

غرض حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں پنج وقتیہ نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کی قیادت میں جہادیں کرتے تھے۔ گو ان کی جہادیں مدینہ منورہ کی گلی کوچوں تک محدود تھیں پھر بھی ان کا خیال یہی تھا کہ خلافت میں ہمارا بہت کچھ حق ہے۔ مشلاً

ہمارا اس میں بہت کچھ حق ہے

ازالۃ الخفاء میں "رواہ البخاری" کہہ کر شاہ ولی اللہ شاہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ "میں آپ سے حسد نہیں کرتا بلکہ بات یہ ہے کہ مشورۂ خلافت میں آپ منفرد ہو گئے اور ہمیں شریک نہیں کیا حالانکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ بوجہ قرابت آنحضرت صلعم ہمارا اس میں بہت کچھ حق ہے۔ (مقصد دوم اردو ترجمہ ص۵۸) پھر حضرت علی نے یہی بات مسجد نبوی میں تمام لوگوں کے روبرو کہی جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی بیعت لینے کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اب تک جو حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کرنے میں توقف کیا وہ اس لئے نہیں کہ ہم آپ سے حسد کرتے تھے۔ آپ کی فضیلت و بزرگی سے انکار نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ مشورۂ خلافت میں ہماری بھی شرکت ہے (یعنے ضروری تھی) باوجود اس کے آپ اس میں منفرد ہو گئے۔ یہی ہماری ناراضگی کا باعث تھا۔ اور یہی توقف بیعت کا سبب۔ اس بیان پر تمام مسلمان خوش ہوئے اور کہا۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ امر حق کی طرف رجوع کیا۔ (رواہ البخاری)

یہ حدیث دودھ الگ اور پانی الگ کر دیتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے دکھاوے کے لئے بیعت عامہ کے دن حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی مگر دل میں ان سے بیر رکھتے تھے کہ سقیفہ بنی سعد کو اپنے ساتھ نہ لے جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کی نگاہوں میں انہیں ذلیل کیا۔ یہی حضرت علی کی شکایت تھی۔

کتاب شہادت کے مصنف لکھتے ہیں۔

حضرت علی کی دل ہی کی دل میں رنج تھا اور انہیں حضرت ابوبکرؓ سے یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ مجھے مشورۂ خلافت میں تو ضرور شریک کر لینا چاہئیے تھا یعنے مجھے بھی سقیفہ بنی ساعد کو ساتھ لے چلنا چاہئے تھا۔

یعنے علی اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر اشارہ ہوتا تو وہ رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ کر چل دیتے۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ اگر مجھے بھی مشورہ میں شریک کر لیا جاتا تو کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی نظروں میں میری توقیر تو ضرور ہو جاتی۔

فتنۂ ارتداد سے لاتعلقی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مکہ، مدینہ اور طائف کو چھوڑ کر باقی عرب کے اکثر قبیلوں نے ارتداد کا اظہار کیا۔ ان میں سے چند قبیلوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی لیکن اکثر لوگ دین اسلام پر قائم رہے مگر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اور چند ایسے بھی تھے جو زکوٰۃ بھی دینے کے لئے تیار تھے مگر وہ زکوٰۃ حکومت کے حوالے کرنے کے حامی نہیں تھے بلکہ اسے خود اپنے غربا میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات نہ مانی اور فرمایا کہ جو کوئی رسول اللہ صلعم کے زمانے میں اونٹ کی رسی بھی زکوٰۃ میں حکومت کو دیتا تھا۔ اب اسے روک لے گا تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے تمام قبیلوں کو خطوط لکھے اور ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور جن جن قبیلوں نے اس سے انکار کیا ان کے خلاف فوج کشی کی گئی۔ حضرت علیؓ نے فوج کشی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور بالکل بے غرض بن کر مدینہ میں بیٹھے رہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسلامی فوج کو چھوٹے چھوٹے گیارہ فوجی دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستہ کا امیر مقرر کر دیا۔ حضرت علی کو کسی دستہ کی سالاری عطا نہیں کی گئی کیونکہ انہوں نے بے رخی ظاہر کر دی تھی۔

فوجی دستوں کے سالار کے نام

امیر خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا گیا کہ طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ پر جائیں اور اس سے فارغ ہو کر بطاح میں مالک بن نویرہ سے لڑیں۔ امیر عکرمہ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا۔ مہاجر بن ابی امیہ کو اسود عنسی کے خلاف بھیجا گیا۔ امیر سعید بن العاص کو حکم دیا گیا کہ تم شام کی سرحد پر حمقتین جاؤ اور مرتدین کے ارتداد کو روکو۔ امیر عمرو بن العاص کو قضاعہ ودیعہ اور حارث کی جمعیتوں کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔

امیر حذیفہ بن محصن الغلفانی کو اہل دبا کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ امیر عرفجہ بن ہرثمہ کو حکم ہوا کہ مہرہ جاؤ اور ارتداد کو روکو۔ امیر شرجیل بن حسنہ کو حکم ہوا تم عکرمہ بن ابی جہل کے پیچھے رہو اور ان کی مدد کرو۔ امیر طریفہ بن حاجز کو بھی فوجی کمان دیکر مرتدوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا گیا۔ امیر سوید بن مقرن کو

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے اے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھیئے اور مسکین ہی کی حالت میں موت دیجئے اور قشر کے دن مجھے بھی مسکینوں کے گروہ میں اٹھایئے۔ رسول اکرم صلعم نے حضرت علی کو اتنی جاگیریں اور اتنا مال عطا کیا کہ وہ عرب کے اغنیاء میں شامل ہو گئے اس کے باوجود حضرت علیؓ کی حرص میں کمی نہیں ہوئی اور جب حضرت ابوبکرؓ نے باغِ فدک فاطمہ بنت الرسول کو دینے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ مسئلہ پھر اٹھایا گیا۔ اب اس کی نوعیت بدل دی گئی۔ اب حضرت علی اور حضرت عباس دونوں نے مطالبہ کیا کہ ان دونوں کو رسول اللہ صلعم کی جائیداد کے متولی بنا دیا جائے۔

رسول اللہ کی جائداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے زمانۂ حیات میں تین جگہ زمینات تھیں۔ اور ان کی آمدنی حسبِ ذیل طریقہ پہ خرچ کی جاتی تھی۔

۱۔ بنو نضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے مخصوص تھی۔

۲۔ فدک کی آمدنی سفیروں اور مسافروں کے لئے وقف تھی۔

۳۔ خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ دو حصے عام مسلمانوں کے لئے تھے۔ ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لئے ملتا تھا۔ اس میں سے جو بچ جاتا وہ بھی مہاجروں کی اعانت میں کام آتا۔

حضرت علیؓ کی عہد شکنی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت علی اور حضرت عباس کے اصرار پہ مدینہ کی جائداد کو حضرت علی کی تولیت میں اور فدک اور خیبر کی جائداد حضرت عباسؓ کی تولیت میں دیدی اور ان دونوں سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ دونوں اس جائیداد کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ دونوں متولیوں نے اس کا اقرار کیا لیکن حضرت علیؓ نے مدینہ کی جائداد پر قبضہ کر لیا۔ (سیرت النبی از شبلی نعمانی حصہ دوم ص ۱۸۹)

مشربہ اُم ابراہیم پر قبضہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جائداد مدینہ میں بھی تھی۔ وہ ایک باغ تھا جس میں ایک خوبصورت بنگلہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اتارا تھا

تہامہ بھیجا گیا۔ جو یمن کے علاقہ میں ہے اور امیر علاء الحضرمی کو بحرین میں ارتداد روکنے کے لئے بھیجا گیا امیروں میں بنو ہاشم کے جوانوں کا نام و نشان نہیں ملتا۔ کیا وہ سب کے سب بے دل ہو گئے تھے جو ارتداد کے مقابلہ سے بے رخی ظاہر کر رہے تھے؟

صدقہ کے مال پر نظریں

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ہمارے کی میراث نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے۔ (بخاری)

حضرت علیؓ بھی جانتے تھے کہ نبی کا ترکہ اس کے وارثوں کو نہیں پہنچتا بلکہ نبی جو کچھ چھوڑتا ہے وہ کے لئے صدقہ ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنتِ رسول کو بہکایا تھا کہ جاؤ اور اپنے باپ سے باغ مانگ لو۔ رسول اکرم صلعم نے فاطمہ کو باغ فدک دینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کا ترکہ اس کے کو نہیں پہنچتا وہ جو کچھ چھوڑتا ہے صدقہ ہے۔ چنانچہ مغیرہ کا بیان ہے کہ

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے دادا حضرت مروان کے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور ان سے کہا، سنو! رسولِ اکرم کے قبضہ میں باغ فدک تھا جس کی آمد آنحضرت صلعم بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں، یتیموں، اسیروں اور خواتین کی شادیاں کرنے پر خرچ کرتے ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے اس کو اپنی ملکیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ نے انکار فرمایا رسالت مآب علیہ کی رحلت کے بعد باغ فدک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نگرانی میں رہا۔ آخر کار میرے دادا نے باغِ فدک کو اپنی ذاتی ملکیت بنا لیا۔ جو میرے ترکہ میں آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب باغِ فدک حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت فاطمہؓ کو دینے سے انکار کر دیا تھا تو وہ میری ملکیت بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر میرا کوئی ذاتی حق بھی نہیں ہے میں تم سب کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ جس طرح اس باغ کی ملکیت رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں تھی، اسی طرح اب بھی وہ جمہور مسلمانوں کی ملکیت رہے

(تاریخ الخلفاء از حافظ جلال الدین سیوطی)

معلوم ہوا کہ باغِ فدک حضرت فاطمہؓ کے ورثہ میں نہیں پہنچ سکتا تھا اور رسول اللہ صلعم نے علی کو یہ بات واضح طور پر بتا دی تھی۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مجبور کیا کہ وہ خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے باغِ فدک کا مطالبہ کریں

اور جہاں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ مختلف تاریخی کتب مثلاً اصابہ، روض الانف وغیرہ میں درج ہے کہ مدینہ کے مشہور یہودی مخیریق یا مخریق نے جنگ احد کے دن اپنے یہودی بھائیوں سے کہا کہ محمد صلعم سچے نبی ہیں۔ ہم سب پر محمد صلعم کی مدد فرض ہے۔ آؤ ہم سب مل کر محمد کی مدد کریں۔ انہوں نے کہا کہ آج شنبہ کا دن ہے۔ ہم لڑ نہیں سکتے۔ مخریق نے کہا کہ ایک نبی اور کفار کے درمیان مقابلہ ہے شنبہ مانع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے تلوار اٹھائی اور سیدھا میدانِ جنگ میں جا پہنچا۔ جاتے وقت اس نے اعلان کیا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو محمد صلعم سے کچھ تعرض نہ کرنا اور میری ساری جائداد کو محمد صلعم کے حوالے کر دینا کہ وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ چنانچہ وہ لڑائی میں شریک ہوا اور کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے مر گیا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بہترین یہودی تھا۔

بعض کتابوں میں مخریق کی جائداد کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ وہ سات باغ تھے۔ باغ برقہ، دلال، صائفہ، حسنی، الاعراف، المثبت اور مشربہ اُمِ ابراہیم۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جنگِ احد کے وقت مخریق اسلام لاتے ہوئے اور اپنی جائداد کو رسول اللہ صلعم کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ میرے باغ محمد کے سپرد ہیں۔ وہ جو چاہیں کریں۔ تو رسول اللہ صلعم نے ان باغوں کو وقف فرما دیا اور یہ اسلام کا سب سے پہلا وقف تھا۔

علی اپنے چچا کی نظر میں

صحیح مسلم جلد دوم کے صفحہ ۸۵۸ پر جس کا اردو ترجمہ عابد الرحمن صدیقی نے کیا ہے ایک طویل حدیث درج ہے اس کا نمبر ۲۰۷۱ (2071) ہے۔ اس حدیث میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے علی بن ابی طالب کے متعلق کہا ہے کہ وہ جھوٹا، گنہگار، دغا باز اور خائن ہے۔ علی کو خدا یا شیرِ خدا یا مقدس ہستی سمجھنے والے لوگ جب اس حدیث کو پڑھتے ہیں تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور توبہ استغفار کرنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت عباس کو ضعیف اور کمزور پاکر فدک اور خیبر کی جائداد پر بھی جو ان کی تولیت میں دی گئی تھی قبضہ کر لیا اور اس کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ تو حضرت عباس رض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر فیصلہ چاہا۔ حدیث ملاحظہ ہو:۔

حدیث: عبداللہ بن محمد بن اسماء الضبعی، جویریہ، مالک، زہری، حضرت مالک بن اوس بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا بھیجا ... ... اتنے میں یرفا (حضرت عمر کا غلام) اندر آیا اور عرض کرنے لگا۔ امیر المومنین! حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد حاضر ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا اچھا انہیں آنے دو۔ وہ آئے۔ پھر یرفا آیا اور کہنے لگا کہ حضرت عباس اور حضرت علی آنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اچھا انہیں بھی اجازت دو۔ وہ دونوں اندر آگئے۔ حضرت عباس بولے یا امیر المومنین! اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن۔ فقال القوم اجل یا امیر المومنین فاقض بینھم وارحمھم۔

ترجمہ:۔ حضرت عباس بولے۔ امیر المومنین! میرا اور اس جھوٹے گنہگار، دغا باز خائن کا فیصلہ کر دیجئے۔ حاضرین بولے ہاں یا امیر المومنین! ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ اور انہیں اس نزعہ سے راحت دلائیے۔ حضرت عمر نے کہا۔ ٹھہرو میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس ذات کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ ہم پیغمبروں کے مال میں وارثوں کو کچھ نہیں ملتا۔ ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے؟ سب نے کہا ہاں۔ پھر عباس اور علی کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے۔ انہوں نے کہا "ہاں"۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ایک بات خاص کی تھی اور کسی کے ساتھ خاص نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو گاؤں والوں کے مال میں سے دیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کا تھا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو بنی نضیر کے مال تقسیم کر دیئے۔ اور خدا کی قسم آپ نے مال کو تم لوگوں سے زیادہ نہ سمجھا اور ایسا بھی نہیں کیا کہ خود لے لیا ہو اور تمہیں نہ دیا ہو۔ حتیٰ کہ یہ مال رہ گیا۔ اس میں سے آپ اپنے ایک سال کا خرچ نکال لیتے اور جو باقی رہتا وہ بیت المال کا ہو جاتا۔ پھر حضرت عمر بولے۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ تم لوگ یہ بات جانتے ہو؟ وہ بولے "ہاں" پھر اسی طرح عباس اور علی کو قسم دی۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا ولی ہوں۔ اور تم دونوں اپنا ترکہ مانگنے آئے ہو عباس اپنے بھتیجے کا ترکہ مانگتے تھے اور علی اپنی بیوی کا حصہ ان کے باپ کے مال سے چاہتے تھے حضرت

ابوبکرؓ نے کہا کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے تو تم دونوں ان کو جھوٹا، گنہگار، دغاباز اور چور سمجھے لیکن اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے، نیک، راشد اور ہدایت پر حق کے متبع تھے پھر حضرت ابوبکر کی وفات ہوئی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ولی ہوا تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا دغاباز، گنہگار اور چور سمجھا اللہ جانتا ہے کہ میں سچا اور ہدایت یافتہ ہوں اور حق کا تابع ہوں۔ میں اس مال کا ولی رہا۔ پھر تم دونوں میرے پاس آئے تم دونوں بھی ایک ہو اور تمہارا معاملہ بھی ایک ہے تم نے کہا یہ مال ہمارے سپرد کرو۔ میں نے کہا اچھا۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہارے سپرد کر دیتا ہوں۔ مگر ایک شرط پر کہ تم اس مال کو وہی کرتے رہوگے جو رسول اللہ صلعم کیا کرتے تھے۔ اور تم نے اسی شرط پر یہ مال مجھ سے لے لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کیوں کیا ایسا نہیں ہے"؟ وہ بولے "جی ہاں" حضرت عمرؓ نے کہا پھر تم دونوں میرے پاس فیصلہ کرانے آئے ہو؟ خدا کی قسم قیامت تک اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر تم سے اس کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر مجھے واپس دیدو۔

اس حدیث میں حیدرِ کرار کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی تصویر ہے جس میں اس زمانے کے حالات دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت علی اور عباس کا حضرت ابوبکر و عمر کو تنگ کرنا، ان کو جھوٹا دغاباز اور چور سمجھنا، مسلمانوں کے لئے جو مال صدقہ تھا اس پر بُری نظریں ڈالنا، اس مال میں ان دونوں صاحبوں کا اس طرح کھڑا ہو جانا "جیسے اونٹ فصلِ بہار کی دوب چرتے ہیں"۔ سب کچھ صاف دکھائی دیتا ہے۔

ہمارے باپ کا منبر

سیوطی کی تاریخ الخلفاء مترجم اقبال الدین احمد کے صفحہ ۹۸ پر یہ روایت درج ہے۔ ابونعیم وغیرہ نے عبدالرحمٰن اصبہانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفۂ رسول اللہ صلعم برمنبر خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں امام حسنؓ آئے اور کہا "ہمارے باپ کے منبر پر سے اتر جائیے۔ حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا "بخدا یہ بات میں نے نہیں سکھائی ہے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا "آپ سچ کہتے ہیں بخدا میں آپ پر تہمت نہیں لگاتا"

یہ روایت تبصرہ کی محتاج نہیں ہے حسن کی پیدائش ذی الحجہ ۶ھ کے آخری دنوں میں ہوئی تھی انہیں کی ولادت کے سبب حضرت رسول اللہ نے حضرت علی کو ان کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے خیبر کی مہم میں حضرت علی شریک نہیں ہو سکے تھے۔ عقبہ بن حارث کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وفاتِ رسول کے چند دن بعد نمازِ عصر سے فارغ ہو کر جا رہے تھے حضرت علی بھی ساتھ تھے

کہ حسن بن علی کو بچوں کے ساتھ کھیلتا پایا تو انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور کہنے لگے کہ اے وہ جس پر میرا باپ قربان ہو جائے جو نبی کی شبیہ ہے نہ کہ علی کی۔ حضرت علی مسکرانے لگے۔ (بخاری) یاد رہے کہ حسین کھیلنے والے بچوں میں نہیں پائے گئے۔ اگر وہ ہوتے تو ان کو بھی حضرت ابوبکرؓ ضرور پیار کرتے۔ حسین کی عمر اس وقت کوئی ڈھائی سال کی تھی۔ غرض حسن دو سال بعد جبکہ وہ چھ سال کی عمر کو پہنچ گئے تو لوگوں کے سکھاوے پر عمل کرنے کے قابل ہو گئے اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ نے انہیں سکھائی نہیں تھی کہ وہ برسرِ منبر خلیفۃ الرسول کی توہین کریں۔ مگر خود اپنے گھر میں جو گزر رہا ہے اس سے بالکل تم بھی نہیں رہے ہوں گے۔

حسین کو کس نے سکھایا تھا؟

ابن عساکر نے ابوالبختری کی زبانی لکھا ہے کہ حضرتِ فاروق اعظمؓ ایک دن برمنبر خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حسین بن علی بن ابی طالب وہاں آئے اور کہا۔ "میرے باپ کے منبر پر سے اتر جائیے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے تمہارے ہی باپ کا ہے میرے باپ کا نہیں ہے۔ مگر یہ تو کہو کہ تمہیں یہ چیز بتائی کس نے؟ اس پر (حسین کے جواب دینے کے قبل) حضرت علیؓ نے کہا بخدا میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ اور حسین کی جانب متوجہ ہو کر کہا۔ اے بے وفا تم سے یہ بات کس نے کہی تھی۔ اس پر فاروقِ اعظم نے فرمایا میرے بھتیجے کو نہ ڈانٹئے۔ انہوں نے سچ کہا ہے کہ یہ منبر انہیں کے باپ کا ہے۔

جلال الدین سیوطی نے اس روایت کو بھی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں درج کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کے اسناد صحیح ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں حسن نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ میں حسین نے کس کی سکھائی پر عمل کیا تھا۔ کیا حضرت علیؓ کے انکار کر دینے سے وہ بری الذمہ سمجھے جائیں گے۔ ان حادثات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی دن رات خلافت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے بچوں کی زبانی وقت وقت پر اصحابِ رسول کی توجہ کو اس بات پر مبذول کر رہے تھے کہ خلافت ان کی میراث ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے انہیں صاف بتا دیا تھا۔ کہ خلافت نہ تجھے ملے گی نہ تیرے بچوں میں سے کسی کو۔

شکم پھولے ہوئے کی نظریں اونچی ہو رہی ہیں

امام ابو یوسف نے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے شاگرد تھے اپنی تصنیف "کتاب الخراج" میں اسماء بنت عمیس سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کے چند فقرے یہ ہیں۔ "میں سب سے پہلے آپ کو اتباع نفس سے ڈراتا ہوں کیونکہ نفس ہر چیز کی خواہش کرتا ہے۔ جب تم اس کی خواہشیں پوری کروگے تو وہ سرکش ہوجائیگا۔ اور حد سے آگے بڑھے گا۔ میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب سے ڈراتا ہوں۔ جن کے شکم پھولے ہوئے ہیں۔ اور ان کی نظریں اونچی ہو رہی ہیں اور ہر شخص ان میں سے اپنے نفس کو دوست رکھتا ہے۔ مگر انہیں ہر ایک ذات کے بالمقابل فضیلت حاصل ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان میں سے ہوجاؤ۔ اور جان لو کہ وہ تم سے ڈرتے رہیں گے جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہوگے، اور جب تک کہ تمہارا طریقہ شریعت پر ہے۔ یہ تم کو میری وصیت ہے۔"

یہ آخری وصیت تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔ کتابوں میں حضرت علی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا شکم پھولا ہوا تھا۔ وہ پست قد تھے اور ان کی ٹانگیں پتلی تھیں۔ مرزا حیرت دہلوی "کتاب شہادت" میں تذکرۂ خیبر میں لکھتے ہیں۔ "یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت علی پستہ قد تھے آپ کے ہاتھ پیر بہت مختصر سے تھے۔ صرف پیٹ زیادہ بڑا تھا جو موماً جسمانی ورزش نہ کرنے والوں کا ہو جاتا ہے۔" (ص ۳۵۱) حضرت اسماءؓ بنت عمیس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سالی اور حضرت جعفر طیارؓ کی بیوی تھیں۔ جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ جن سے محمد قاتل عثمان پیدا ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت وہ موجود تھیں۔ لہٰذا مرنے کے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو جو وصیت کی تھی اس سے وہ واقف تھیں۔ ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے ان سے نکاح کر لیا تھا لہٰذا ان کا لڑکا محمد بن ابوبکر حضرت علی کا ربیب اور پالکڑا تھا۔ جسے حضرت علی نے اپنی خاص تربیت سے اپنے کام کا آدمی بنا لیا تھا۔

باب ۱۰

حضرت علیؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ (بخاری و مسلم) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبیوں کے بعد آفتاب حضرت عمرؓ سے بہتر کسی شخص پر طلوع نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ سے انسانوں اور جنوں دونوں کے شیاطین ڈر کر بھاگتے تھے۔ ابن عباس کی حدیث ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں رسول اللہ صلعم نے دعا فرمائی کہ اسلام کو عزت و عظمت عطا فرما۔ ابوجہل بن ہشام کے ذریعے یا عمر بن الخطاب کے ذریعے اس دعا کے نتیجے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فوراً مسلمان ہوئے اور اس کے بعد مسلمانوں نے مسجد حرم میں اعلانیہ نماز پڑھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ طبیعت کے سخت اور نظم و ضبط کے حامی تھے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ قدامہ بن مظعون جو رتبہ میں صحابی اور حضرت عمرؓ کے سالے تھے۔ اور ابوشحمہ جو حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے۔ ان دونوں کو شراب پینے کے جرم میں اپنے ہاتھ سے اسی کوڑے لگائے۔ ابوشحمہ اسی صدمہ سے انتقال کر گئے نعمان بن عدی بھی صحابی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی۔ وہ میسان کے والی مقرر ہوئے۔ انہوں نے میسان سے ایک خط لکھا۔ اس میں ایک شعر تھا جس میں شراب کی تعریف تھی۔ اس بنا پر خلیفۂ ثانی نے ان کو ولایت سے معزول کر دیا۔

حضرت علی جانتے تھے کہ حکومت کے خلاف سرکشی یا خلیفہ کے احکام کی بے توجہی مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ان کی امامت میں پنج وقتہ نمازیں پڑھتے رہے۔ ان کی امیری میں ہر سال حج کرتے رہے۔ ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ اور ان کو یا امیرالمومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو قاضی مقرر فرمایا

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت علیؓ کو قاضی مقرر فرمایا تھا۔ (جلد ۴ ص ۸۹) آپ کو مشاورتی کمیٹی میں بھی شریک

کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی زندگی میں پہلی مرتبہ امورِ حکومت میں تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا ہوا۔ اس کے قبل عہدِ نبوی میں ان کو ایسا موقع کبھی نہیں ملا تھا۔ خود حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلعم کو یہی فرماتے سنا کہ "میں اور ابوبکر اور عمر تھے"۔ "میں نے اور ابوبکر اور عمر نے یہ کیا تھا" "میں اور ابوبکر اور عمر داخل ہوئے"۔ "میں اور ابوبکر اور عمر وہاں سے چلے" (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۱۲۱)

حکومت کے نظم و ضبط میں بھی رسول اللہ صلعم صرف ابوبکر و عمر اور انصار کے سرداروں سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ اور جب رائے مشورہ کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچتے تھے تو اللہ پر توکل کر کے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ لہٰذا امورِ سلطنت میں حضرت علی سے نہ کبھی مشورہ طلب کیا گیا نہ ان کو کوئی اہمیت دی گئی۔

حضرت علی کا غلط اندازہ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے نہیں تو کم از کم سارے مسلمانوں کے سردار ضرور تھے۔ اور اس زمانے میں عربوں کے قانون کے مطابق سرداری بھی وراثت میں ملتی تھی۔ لہٰذا حضرت علی رضؓ نے یہ غلط اندازہ لگا لیا کہ رسول اکرم صلعم کے بعد سارے مسلمانوں کی سرداری انہیں کو عطا ہوگی۔ اسی لئے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں دیری کی۔ مگر مرورِ زمانہ نے انہیں بتا دیا کہ عام مسلمانوں سے الگ تھلگ ہو کر گھر بیٹھ جانے سے خلافت پر متمکن ہونے کی خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے اپنا رویہ بدلا اور ہر وقت خلیفۃ المسلمین کے بالکل قریب رہنے لگے۔

حضرت عمر رضؓ کی تربیت میں وہ چمک اُٹھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلعم کی صحبت میں رہ کر اسلامی اخلاق کی تربیت حاصل کی تھی۔ اُن ہی اخلاق کو آپ مسلمانوں میں پھیلاتے رہے۔ حق پرستی، راست گوئی۔ لذائذ دنیا سے اجتناب تقویٰ و پرہیزگاری، یہ سب صفات حضرت عمر رضؓ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ فخر و غرور ان میں نام کو بھی نہ تھا۔ یہی اوصاف ان کے ماتحت افسروں میں بھی پیدا ہوئے۔ اور آہستہ آہستہ تمام مسلمانوں میں پھیلتے گئے۔ حضرت علی کے اخلاق بھی ان کی صحبت اور تربیت میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

ایران کے خلاف لڑنے سے اِنکار

بویب کی جنگ میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو بُری طرح شکست دی۔ ایرانیوں نے کہا کہ ہماری شکست کی وجہ یہ ہے کہ ہماری حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ جب یہ وہم زور پکڑ گیا تو انہوں نے پوران دخت کو

تخت پر سے اتار کر اس کے بیٹے یزدگرد کو جو اس وقت سولہ سال کا کم عمر لڑکا تھا اپنا شہنشاہ بنا لیا۔ اس واقعہ سے ایران کے عام باشندوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عراق کی سرحد سے ملی ہوئی جتنی زمین ایرانیوں کی مسلمانوں کے قبضہ میں تھی وہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت سُنتے ہی مدینہ میں ہر طرف فوجی بھرتی شروع کر دی۔ جب نئی فوج تیار ہوئی تو آپ نے صرار کے مقام پر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے منزل فرمائی۔ آپ کا ارادہ تھا کہ آپ خود فوج لے کر آگے بڑھیں۔ لوگوں نے بھی کہا کہ امیر المومنین یہ مہم آپ کے بغیر سر نہیں ہوگی۔ مگر بڑے بڑے اصحاب نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا کہ لڑائی کے دو پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو صدمہ ہوا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔

اسی لئے حضرت عمر رضؓ اور دوسرے اصحاب نے حضرت علی رضؓ کو مشورہ دیا کہ وہ فوج کی کمان سنبھالیں اور اس کو لے کر ایران پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیں۔ مگر حضرت علی رضؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اس انکار کے بعد فوج کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی سپہ سالاری میں ایران فتح کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔

حضرت علی رضؓ نے کیوں انکار کیا؟

ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کے دل میں یہ وہم بیٹھ گیا کہ نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد جبرائیل یا میکائیل کی حمایت انہیں حاصل نہیں ہوگی جن کی مدد سے وہ جنگوں میں بہت بہادر بنتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تا قیامت ہونے والے حادثات اور بڑے بڑے اہم فتنوں کی پیش گوئی فرما دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایرانی سازش کا شکار ہوں گے اور پھر ایرانی ان کو اپنا بزرگ و پیشوا بنائیں گے۔ وہ ان واقعات کے منتظر تھے۔ وہ خلیفۂ ثانی سے دُور ہونا نہیں چاہتے تھے۔ تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کو خود اپنے پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے لڑنا جانتے تھے۔ مگر اعلیٰ فوجی تدابیر سے وہ ناواقف تھے۔ جنگوں میں فوج کی نقل و حرکت دشمن پر حملہ کا بندوبست، لشکر کی تربیت، ماتحت دستوں کے سرداروں کو زیرِ اقتدار رکھنے کا معاملہ ایسے جنگی امور تھے جن کی تربیت انہیں بالکل نہیں ملی تھی۔ اسی لئے وہ اعلیٰ فوجی اقتدار سے گھبرا گئے۔ چوتھی بات شاید یہ ہو کہ وہ جہادوں سے اکتا گئے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلعم کی قیادت میں بہت سے غزوات میں حصہ لیا تھا۔ وہ صرف غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے کیونکہ غزوۂ

...کے وقت حضرت حسن اور غزوۂ تبوک کے وقت حضرت حسین کی آمد نے ان کو مدینہ میں روک لیا...

علاوہ ازیں بدری صحابی ہونے کی بنا پر وہ جنتی تھے۔ تفسیر مجمع البیان میں طبرسی نے لکھا ہے کہ...

نے فرمایا "لعل الله اطلع علی اهل بدر فغفرهم فقال اعلموا ما شئتم فقد غفرت...

یعنی خدا نے اہل بدر کی شان میں فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو۔ میں تم کو بخش چکا ہوں تفسیر...

خلاصۃ المنہج میں بھی یہی لکھا ہے کہ پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے اہل بدر کا قطعی جنتی ہونا اور خدا کا...

متعلق "اعلموا ما شئتم فقد غفرت لکم" کہنا ثابت ہے۔ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے...

...اللہ صلعم نے فرما دیا ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ اصحاب بدر میں سے ہے۔ اور بدر والوں...

...کرنے اور ان کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ اللہ نے فرما دیا ہے۔ لہٰذا حضرت علی بھی...

...تھے۔ ان کو مزید اجر کی ضرورت نہیں تھی۔ جس کے لئے ایرانیوں کے خلاف جہاد کرتے۔ وہ اس دنیا...

...خلافت کے خواہاں تھے اور جانتے تھے کہ خلافت ان کو ایرانیوں کی مدد سے ملے گی۔ شاید اسی لئے انہوں نے ایران کے...

خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔

ام کلثوم کا نکاح

۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نکاح ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے ہوا۔ وہ فاطمہ رض بنت رسول اللہ کے بطن سے تھیں تاریخ طبری حصہ سوم...

...ہے کہ ان کی رخصتی ماہ ذوالقعدہ ۱۷ھ میں ہوئی۔ آپ نے ان کے لئے چالیس ہزار درہم مہر...

...فرمایا۔ ان کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے پاس قرآن مجید سے بھی مقدس کتاب ہے، حضرت عمر رض اور ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کے نکاح کے بارے میں یہ بیان درج ہے کہ

روی ابن الحدید شارح نہج البلاغۃ فی قصۃ تزوج ام کلثوم :-

فجاء عمر الی مجلس المهاجرین بالروضة وقال رفئونی رفئونی - قالوا بماذا امیر المومنین - قال تزوجت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب -

ترجمہ:- ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے ام کلثوم اور حضرت عمر رض کے نکاح کے بارے میں بیان کیا ہے کہ

حضرت عمر رض روضۂ مبارک پر تشریف لائے جہاں مہاجر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور فرمایا۔ مجھے مبارک...

دو۔ مجھے مبارکباد دو۔ مہاجرین نے پوچھا کاہے کی مبارکباد یا امیر المومنین؟ حضرت عمر رض نے فرمایا میں نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا ہے۔

کتب امامیہ میں صحیح صحیح روایتیں اس نکاح کے بارے میں موجود ہیں حضرت امام باقر سے ام کلثوم کے حضرت عمر رض سے نکاح کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی رض حضرت عمر رض کو ام کلثوم کے لائق نہیں سمجھتے تو ہرگز ان کا نکاح ان سے نہ کرتے وہ سارے جہان کی عورتوں میں سب سے زیادہ شرافت والی تھیں۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۲۱۹)

طبقۂ امامیہ کے سب سے سچے امام یعنی جعفر صادق کا قول ہے کہ حضرت عمر رض ام کلثوم پر قادر نہیں ہوئے۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک جن بیچ میں حائل ہو جاتا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عمر رض کی ام کلثوم کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں زید اور رقیہ۔ حضرت زید جوان ہوئے اور کئی برس کی عمر میں بنی عدی کی باہم خانہ جنگی میں شہید ہوئے۔

کتب اسلامیہ میں درج ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دیدی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ امور سلطنت میں وہ مداخلت کرے گی۔ پھر جب عورتوں کے درمیان سوشیل ورک کرنے والی عورت کی کمی محسوس کی تو انہوں نے ایک جوان عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔

یہ خبر جب حضرت علی رض کو پہنچی تو انہوں نے، جو دن رات حصول خلافت کے خواب دیکھتے رہتے تھے، اسے ایک زرین موقع سمجھ کر حضرت عمرو بن العاص کو پکڑا کہ کسی طرح امیر المومنین کا نکاح میری بیٹی ام کلثوم سے کرا دو۔

غلط روایت

اس حقیقت کو کتب امامیہ میں توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے کہلا بھیجا کہ آپ سخت گیر آدمی ہیں۔ اور ام کلثوم بنت ابوبکر رض ایک نازک اندام لڑکی ہے۔ وہ آپ کے ظالمانہ طرز زندگی کو برداشت نہیں کرے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ صرف انداز اصل حقیقت پر پردہ پوشی کا

حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیاں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں، دو سے انہوں نے ایام جاہلیت میں اور باقی اور باقی دو سے دورِ اسلام میں نکاح کیا تھا۔ پہلی بیوی قتیلہ سے اسماء اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی۔ دوسری بیوی زینب اُمّ رومان سے حضرت عبدالرحمٰن اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ تیسری بیوی اسماء بنت عمیس کے بطن سے قاتل عثمان پیدا ہوا۔ چوتھی شادی حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد حبیبہ بنت خارجہ انصاری سے ہوئی۔ جس کے بطن سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اوران کی پیدائش حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مرنے کے بعد ہوئی۔

مرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو وصیت کی تھی اس میں درج ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد فلاں جائداد تم تینوں بہنیں آپس میں تقسیم کرلو۔ ام المومنینؓ نے دریافت فرمایا کہ میری تیسری بہن کون ہے آپ نے فرمایا حبیبہ بنت خارجہ حمل سے ہیں اوران سے تمہاری تیسری بہن پیدا ہوگی۔ لہٰذا ۱۷ھ میں ان کی عمر چار سال کی بھی نہ رہی ہوگی۔ ان پر پیغام ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ازواج کی عمریں

نکاح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر پچاس برس کی تھی۔ اور ام کلثوم بنت علی ابی طالب کا سن بارہ یا تیرہ سال تھا۔ حضرت علی کا نکاح فاطمہ بنت رسول اللہ سے جنگ احد کے بعد ہوا اور رخصتی نکاح کے بعد لہٰذا ۴ھ میں حضرت علیؓ اپنا گھر بسا سکے۔ ان کی پہلی اولاد یہی ام کلثوم زوجۂ حضرت عمرؓ تھیں۔ کتابوں میں جو روایات پائی جاتی ہیں کہ حسن حضرت علی کے سب سے پہلی اولاد تھے بالکل لغو اور ناقابلِ قبول ہیں۔

کیا وہ سیاسی تحفہ تھا؟

بے شک حضرت عمرؓ جوان تھے۔ اور امام باقر کے مطابق ام کلثوم کے شوہر بننے کے لائق تھے مگر ازدواج کی عمروں میں تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قریبی رشتہ جوڑنے اوران کے درمیان آپس کے تعلقات کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اپنی خوشی سے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس نکاح کی وجہ سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تعلقات نہایت بہتر ہوگئے۔ اور حضرت علی امیر المومنین کے مشیر خاص بن گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ

رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عراق میں ایک زرخیز زمین انہیں بطور جاگیر عطا فرمائی۔ ضلع ینبوع کا زرخیز علاقہ بھی ان کی جاگیر بن گیا۔ بیت المال سے دس ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ عطا کیا۔ ان کے بچوں حضرت حسن اورحسین کو پانچ پانچ ہزار درہم کا وظیفہ ملا جبکہ خود اپنے بیٹے عبداللہ کو جو علمی اخلاقی اور دیگر قابلیتوں میں حسنین سے ہزار درجہ بہتر تھے اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔ ان کو صرف چار ہزار درہم کا وظیفہ عطا کیا۔ یہ سب کچھ اسی نکاحی تعلقات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی میں بنو ہاشم کو کوئی لفٹ نہیں دی تھی۔ کیونکہ وہ ہر لحاظ سے دیگر قریش و انصار سے مقابلتہً کمتر تھے۔

رسول اللہ صلعم کے سب سے زیادہ محبوب

رسول اللہ صلعم کو حضرت علی سے بڑھ کر حضرت اسامہ بن زیدؓ سے محبت تھی۔ حضرتِ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی وفات سے چند دن قبل مسلمانوں کا ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار اسامہ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ لوگوں نے ان کی سرداری پر اعتراض کیا تو رسول اللہ صلعم کھڑے ہوئے اور فرمایا تم اس کی سرداری پر اعتراض کرتے ہو اور تم اس کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ بخدا وہ سرداری کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرتِ زید بن حارثہؓ کی سرداری پر اعتراض کرنے والے حضرتِ علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار بن ابی طالب تھے۔ جنگ موتہ میں آنحضرت صلعم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سپہ سالار بنایا اور فرمایا کہ اگر وہ جنگ میں کام آجائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر اور عامل فوج ہوں۔ اگر وہ بھی کام آجائیں تو عبداللہ بن رواحہ۔ اس پر جعفر بن ابی طالب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھ پر زید بن حارثہ عامل ہونے لگا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم کو یہ نہیں معلوم کہ دونوں میں کون زیادہ (عنداللہ) بہتر ہے۔

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے پیچھے اسامہ بن زید کو بٹھائے ہوئے تھے۔ (بخاری جلد دوم حدیث ۲۴۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسامہ بن زید رضہ کے ریینٹ کو صاف کرنا چاہا (جب وہ بالکل بچے تھے) تو میں نے عرض کیا آپ رہنے دیجئے۔ اس کام کو میں کروں گی۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ تو اسامہ سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔
(مشکوٰۃ جلد سوم حدیث ۱۱۴۳)

غرض خونی رشتہ میں حضرت علی کے برابر رسول اللہ کے دوسرے رشتہ دار موجود تھے۔ محبت میں اسامہ بن زید کا درجہ علی سے بہتر تھا۔ پھر کس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کا وظیفہ امہات المسلمین کے برابر سے زیادہ رکھا۔ اس کی صرف دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں (ایک) ام کلثوم کے نکاح کے بعد بحیثیت سسر حضرت علی کا درجہ خلیفۂ ثانی کے پاس بلند ہو گیا اور (دو) اس کا مقصد حضرت علی کو راضی اور مطمئن رکھنا تھا۔ حضرت علی میں حد سے زیادہ حرص و آز اور خواہشات موجود تھے۔" ان کی حرص و آز اور نازیبا خواہشات پر رسول کریم ان سے ہمیشہ ناراض رہے۔ ان کی عادتیں اسی قسم کی تھیں کہ حضرت خاتونِ محشر ایک دن بھی اپنے شوہر سے خوش نہیں رہیں۔ (کتاب شہادت)

حضرت علی کا یادگار مشورہ

جنگ قادسیہ کی جیت کے بعد اسلامی فوجیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مدائن میں داخل ہوئیں۔ ایران کا آخری شہنشاہ یزدگرد مدائن چھوڑ کر بھاگا۔ مدائن میں داخل ہو کر ایوانِ کسریٰ میں سرزمین عراق میں پہلا جمعہ پڑھا۔ ایوانِ کسریٰ میں ہر طرف مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ اور تصویریں لٹک رہی تھیں۔ حضرت سعد نے ان سب کو برقرار رکھا اور نماز پڑھائی۔

علامہ طبری نے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر حضرت سعد نے حکم دیا کہ دیوانِ شاہی کا خزانہ اور نادرات جمع کئے جائیں۔ سب مال جمع ہوا جن میں نوادرات زمانہ تھے۔ ان میں ایک فرش بھی تھا جس کو ایرانی "بہار" کے نام سے پکارتے تھے۔ جب بہار کا موسم ختم ہو جاتا تو شاہی خاندان کے لوگ اس فرش پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں موسم بہار کے تمام سامان مہیا کئے گئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور ہر درخت پر پھول اور پھل بنے ہوئے تھے۔ اور سب کے سب جواہرات کے تھے۔ سونے کی زمین تھی۔ زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ یہ فرش نہایت قیمتی تھا۔ اور عجیب بہار دے رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اس فرش کو تقسیم نہ کیا جائے اسے یونہی رہنے دیا جائے۔ (بطور یادگار زمانہ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس بہار پر خزاں آئی۔ اور دولت نوشیروانی کے پرزے پرزے اڑ گئے۔ (الفاروق صہ ۱۴۳)

حضرت عمر رضہ نے حضرت علی کے اصرار پر اس عجیب و غریب فرش کے ٹکڑے کر کے صحابیوں میں تقسیم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ علی نے اپنے حصہ کا ٹکڑا نہایت اونچے داموں پر فروخت کیا۔

حضرت علی اور ہرمزان

جب عراق میں ایرانی فوجیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست پر شکست کھا رہی تھیں۔ اس وقت خوزستان کا گورنر ہرمزان تھا جو یزدگرد شہنشاہ ایران کا رشتہ دار تھا۔ اس نے یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عربوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک بڑی فوج اس کے حوالے کر دی۔ ہرمزان خاندانِ ساسانی کا فرد تھا۔ اس نے خوزستان کے صدر مقام شوستر کے قلعہ کی مرمت کرائی۔ خندق اور برجوں سے اس کو مستحکم کیا اور مسلمانوں کے خلاف تازہ دم فوج جمع کی۔ مگر جنگ میں ہار گیا۔ مسلمانوں نے حضرت موسیٰ اشعری کی قیادت میں شوستر پر حملہ کیا۔ اور ہزاروں ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر ہرمزان نے قیدی بن کر مطالبہ کیا کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس کا مطالبہ منظور ہوا وہ بڑے کر و فر سے مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پینے کے لئے پانی مانگا اور پانی کا پیالہ ہاتھ میں پکڑ کر حضرت عمر رضہ سے درخواست کی کہ جب تک میں پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ اور جونہی اس کی درخواست منظور ہوئی وہ پانی پھینک دیا اور کہنے لگا کہ مجھے آپ نے امان دیدی۔ اور جب تک میں زمین میں جذب شدہ پانی کو نہ پی لوں آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضہ اس کے اسلام قبول کر لینے پر نہایت خوش ہوئے مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دیدی اس کے لئے سالانہ دو ہزار کا روزینہ مقرر کر دیا۔ فارس کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیتے رہے۔ (تاریخی کتابوں کا بیان)

دلیل العارفین میں قطب الدین بختیار کاکی لکھتے ہیں کہ معین الدین چشتی نے کہا کہ حضرت عمر رضہ کے زمانے میں ہرمزان کو قید کر کے لایا گیا تو اس نے پانی کا برتن توڑ کر حضرت عمر رضہ سے معافی مانگ لی۔ پھر حضرت عمر رضہ نے اسے ایک عابد و زاہد اور نیک شخص کے سپرد کیا کہ شاید اس کی صحبت کے اثر سے وہ ایمان لائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا۔
(کشف المجوب، خواجہ بندہ نواز صہ ۱۴۳)

فاروقِ اعظم کا قتل ایک بہت بڑی سازش سے ہُوا

ہرمزان کے متعلق مِرزا حیرت دہلوی کا اِنکشاف

کتاب شہادت میں مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ تاریخ صاف الفاظ میں شہادت دیتی ہے کہ فاروقِ اعظم کا قتل کسی بہت بڑی سازش سے ہوا تھا۔ کعب الاحبار (یہودی) نے تین دن یا اس سے کچھ پہلے آپ کے قتل کی سازش کی آپ کو اطلاع دیدی مگر کسی مصلحت یا دِلی کمزوری کی وجہ سے وہ اصل سازش کے راز کو افشا کرنے سے احتراض کرتا رہا۔ جب فاروق نے کھود کھود کر اس سے پوچھا کہ یہ خبر تجھے کہاں سے ملی تو کعب الاحبار نے ٹالنے کے طور پر کہہ دیا کہ توراۃ میں اس کی پیشین گوئی دیکھی ہے۔ فاروق سمجھ گئے کہ چھپانے کے لئے وہ توراۃ کا نام لیتا ہے۔ مگر آپ نے اس راز کو مزید ٹٹولنے سے احتراض کیا اور مولا کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ دوسرے دن مغیرہ بن شعبہ کا فیروز نامی غلام آپ کو راستے میں مِلا۔ اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ روزانہ مجھ سے اتنے درہم لے لیتا ہے اور مجھے مزدوری میں زیادہ نہیں بچتا۔ فاروق نے پُوچھا تجھے کیا کیا ہُنر آتے ہیں۔ وہ بولا مجھے یہ ہُنر جانتا ہوں اور پن چکی بھی بنا سکتا ہوں۔ فاروق نے کہا کہ اتنے ہنر پر اگر تیرا آقا روزانہ اتنے درہم لے لیتا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کرتا۔ پھر فرمایا اگر تو پن چکی بنا سکتا ہے تو ہمیں بھی ایک بنا دے تجھے منہ مانگی مزدوری دی جائے گی۔ سازشی غلام نے کہا آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا کہ اس کا شہرہ مشرق سے مغرب تک ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ فاروقِ اعظم اس کے لہجہ اور تیور سے سمجھ گئے کہ وہ مجھے دھمکی دے گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کا کچھ تدارک نہیں کیا۔

عقل باور نہیں کرتی کہ ایک غلام صرف اتنی سی بات پر کہ خلیفہ نے اس کی نالش پر اس کے آقا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا اپنی جان جھوکوں میں ڈالنے پر تیار ہو گیا اور یہاں تک دلیری کی کہ خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ کئی اور صحابہ کو بھی قتل اور زخمی کر دیا۔ فیروز یا ابولولو مجوسی مجنون نہیں تھا۔ وہ اپنے فعل کے نتیجہ کو خوب سمجھتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ ایسا بے رحمانہ فعل اسے جہنم واصل کر دیگا۔ مگر پھر بھی اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ دراتہ مسجد میں گھس گیا اور خلیفہ کے ساتھ کئی جلیل القدر صحابہ کو بھی نماز پڑھتے میں مہلک زخمی کر دیا۔

تاریخ سے اس سازش کا اچھی طرح پتہ لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہرمزان والیٔ اہواز و خوزستان جنگ کے بعد قید کر کے مدینہ بھیج دیا گیا۔ یہاں وہ جفینہ نامی نصرانی کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا چونکہ وہ

دونوں نامسلمان تھے اور فیروز بھی مسلمان نہیں تھا۔ ان تینوں میں خوب گھٹ جوڑ تھی۔ جب ابولولوء یا فیروز فاروق کو زخمی کر کے مسجد سے بھاگا۔ تو اس کا تعاقب بنی تمیم کے ایک شخص نے کیا اور راستے میں اسے جالیا اور فوراً قتل کر دیا۔ اور جو خنجر اس کے پاس تھا اسے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو دیدیا۔ عبدالرحمٰن نے اس خنجر کو فاروق کے بیٹے عبیداللہ کو دیدیا اور کہا کہ یہ وہی خنجر ہے جو میں نے بچشم خود ہرمزان کے پاس دیکھا تھا۔ عبیداللہ بن عمر نے جب یہ سنا تو فوراً ہرمزان کے مکان پر پہنچ کر اسے بھی قتل کر دیا۔ اور اس کے نصرانی ساتھی جُفینہ کو بھی مار ڈالا۔

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو اس کی نگرانی اور اس کے کھانے پینے کا انتظام فاروق نے بنی ہاشم کے سپرد کر دیا تھا۔ بنی ہاشم کے سرگروہ حضرت علی تھے اور ان سے ہرمزان کی خوب گھٹ جوڑ تھی۔ آنا جانا اور ملنا ملانا حد درجہ پہ پہنچا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہاں خلیفہ کے قتل کی سازش کی جائے اور ابو طالب کے بیٹے کو اس کی خبر نہ ہو۔ (کتابِ شہادت)

محمد حسین ہیکل مصری کا اِنکشاف

جو بات مرزا حیرت دہلوی کی سمجھ میں نہیں آسکی اسے فاضل مصر محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "عمر فاروق اعظم" میں جس کا ترجمہ مکتبۂ جدید لاہور سے شائع ہو چکا ہے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجم کے بادشاہ ہرمزان کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے حضرت علیؓ کے حوالے کر دیا۔ عجم کے بادشاہ کے گھر تمام مجوسی غلام جن میں فیروز "سلمان فارسی" جفینہ وغیرہ جمع ہوتے تھے حضرت علیؓ ان کو اسلام کی تعلیم دینے کے لئے روزانہ وہاں جاتے تھے اور ان کو اسلام سکھاتے تھے حتیٰ کہ ۸ سال بعد عراق کے بادشاہ نے فیروز ابولولوء کو ایک خاص چھری دیکر عرب کے بادشاہ کو قتل کر وادیا اور حضرت علی صرف وَاللہِ اَنَا بَرِیٌ کہہ کر صاف بچ گئے۔

کیا حضرت علی کچھ نہیں جانتے تھے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے قتل کی سازش ہرمزان کے گھر پر تیار ہوئی جہاں حضرت علی کا آنا جانا تھا۔ وہ گھنٹوں وہاں بیٹھ کر عجمی مجوسی غلاموں کو اسلام کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ بات معین الدین چشتی کے بیان سے بالکل عیاں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے عجم کے بادشاہ کو ایک عابد و زاہد اور نیک شخص کے سپرد کر دیا کہ شاید اس کی صحبت کے اثر سے وہ اسلام لے آئے یہی بات فاضل مصر محمد حسین ہیکل نے بھی بتائی ہے لہٰذا ان

دونوں کے بیانات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت علی ہرمزان کے گھر پہ تیار کردہ سازش سے خوب واقف تھے۔ بلکہ ممکن ہے کہ ان کی رائے مشورہ سے ہی امیرالمومنین کے قتل کی اسکیم تیار کی گئی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر حضرت علی کی وفات تک ابن ابی طالب کا رویہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ہر پیش آنے والے واقعہ سے وہ پہلے سے پوری طرح آگاہ تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس کی پیشن گوئی فرمادی تھی۔

اس حقیقت کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں۔ جو علی کو مولائے کائنات تصور کرتے ہیں یا معصوم و مقدس ہستی تصور کرتے ہیں۔

محمد کے پرستار جس وقت رسول اللہ کا انتقال ہوا حضرت ابوبکرؓ سخ میں تھے اور حضرت عمرؓ رسول اللہ کے پاس موجود تھے۔ حضرت عمر بیتاب ہو کر گھر سے باہر نکل کر کہنے لگے کہ منافق لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا انتقال ہوگیا۔ واللہ وہ ہرگز مرے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ واللہ وہ لوٹ کر پھر واپس آئیں گے۔ اور جو لوگ ان کو مردہ بتاتے ہیں ان کے ہاتھ پیر قطع کریں گے۔

حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلعم کی موت کی خبر سن کر دوڑے چلے آئے۔ انہوں نے عمر کو بیٹھے بڑبڑاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں جاکر رسول اللہ صلعم کا چہرہ دیکھا اور فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ زندگی میں بھی اچھے تھے اور اب مرنے کے بعد بھی اچھے ہیں جو موت کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تقدیر میں لکھی تھی وہ تو آپ کو نصیب ہوگئی۔ پھر منہ کو کپڑے سے ڈھک دیا اور باہر نکل آئے۔ دیکھا تو عمرؓ وہی باتیں کر رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے ان سے کہا چپ رہو۔ مگر حضرت عمرؓ نے جو اس وقت جوش اور غصہ میں بے تاب تھے کچھ نہیں سنا اور اپنی ہی کہے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے پہلے تو اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا

بھائیو! جو شخص محمد صلعم کی عبادت کرتا تھا۔ وہ جان لے کہ محمد تو مر گئے۔ لیکن جو لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ جان لیں کہ "اللہ حیٌ لا یموت" ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اور اس کا دین بھی زندہ رہے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی

اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و سیجزی اللہ الشاکرین

ترجمہ: محمد صلعم اس سے بڑھ کر اور کیا ہیں کہ خدا کے ایک رسول ہیں اور بس۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا وہ (محمد) مرجائیں تو تم کفر کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے، اور جو الٹے پیر کفر کی طرف لوٹ جائے گا۔ وہ خدا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور جو لوگ اسلام کی نعمت کا شکر کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ عنقریب جزائے خیر دیگا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سنی تو حیرت سے مجھ پر سکتہ کا عالم ہوگیا اور پیر کانپنے لگے یہاں تک کہ مجھ میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی اور زمین پر گر پڑا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم بے شک مر گئے۔

لہٰذا علی کو مولائے کائنات سمجھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علی بھی مر گئے۔ وہ اصل مولائے کائنات کے ایک حقیر غلام تھے مسلمان سوائے اللہ کے محمد صلعم کی بھی پوجا نہیں کرتا اور کافر ہی علی کو مولائے کائنات معصوم، مقدس اور بے گناہ سمجھتے ہیں۔

باب ــــ ۱۱

علی امین تھے اُن میں خُدا کا خوف تھا؟

تاریخ کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ جس وقت زخمی ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا، کاش آپ اپنا جانشین مقرر فرما جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کس کو جانشین مقرر کروں۔ اگر ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو ان کو جانشین مقرر کر جاتا۔ میرا رب اگر اس بارے میں مجھ سے باز پرس کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کی زبان سے سنا تھا کہ ابوعبیدہ اس امت کا امین ہے۔ یا ابوحذیفہؓ کے مولیٰ سالمؓ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ نامزد کر جاتا میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو یہ فرماتے سنا ہے کہ سالم اللہ سے بہت محبت کرنے والا ہے

کیا اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ علی نہ امانت کے امین تھے نہ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ سے بہت زیادہ خوف کرنے والے تھے؟

جب حضرت علیؓ نے اپنے داماد کی زبان سے یہ کلمات سنے ہوں گے تو ان کا دل ٹوٹ گیا ہوگا وہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھروسہ کئے ہوئے تھے کہ آخری وقت میں ان کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں گے۔ اسی امید کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے انہوں نے اپنی بیٹی اُم کلثوم کا نکاح ان سے کردیا تھا۔ حالانکہ اُم کلثوم اور حضرت عمرؓ میں عمر کا نمایاں تضاد تھا۔

علی اپنے نواسے کے دشمن بن گئے

تاریخ بتاتی ہے کہ ہرمزان نے ابولولو یعنے فیروز کو دو دھاری خنجر دیکر حضرت عمرؓ کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ اس مردود نے صبح کی نماز کے وقت اس دو دھاری خنجر سے حضرت عمرؓ پر چھ حملے کئے جس کی وجہ سے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ مگر جب قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے پانچ دس اور صحابہ کو بھی شہید کر کے خودکشی کرلی۔ اس کے دو دھاری خنجر کو دیکھتے ہی حضرت عبدالرحمن بن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کل انہوں نے اسی خنجر کو ہرمزان، جفینہ اور فیروز کے درمیان کرتے ہوئے دیکھا تھا جب وہ کھڑے ہوئے آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ خلیفۂ وقت کے صاحبزادے عبیداللہؓ کو معلوم ہوا انہوں نے ہرمزان، جفینہ اور فیروز کی بیٹی لولوہ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے عبیداللہ بن عمرؓ کو گرفتار کر کے اپنے گھر میں قید کر رکھا اور حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

زمام حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے جو مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا وہ ہرمزان جفینہ اور لولوہ کے خون کے قصاص کا تھا۔ جفینہ اور لولوہ کے وارثوں کا ذکر نہیں ملتا۔ شاید ان کے کوئی وارث نہیں تھے یا مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ ہاں البتہ ہرمزان کے بیٹے اور ولی الدم قباذان موجود تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ سے رائے طلب کی تو حضرت علیؓ نے اپنے سوتیلے نواسے عبیداللہ بن عمر کے خلاف قصاص یعنے خون کے بدلے خون مانگا۔ انہوں نے چاہا کہ عبیداللہ بن عمر کو فوراً قتل کیا جائے تو حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ کل باپ کو قتل کیا گیا آج بیٹے کا خون مانگا جا رہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجرم اور گواہوں کے بیانات سننے کے بعد اپنا یہ عادلانہ فیصلہ سنایا کہ قاتل کو مقتول کے ولی الدم کے حوالے کر دیا جائے اور ہرمزان کے بیٹے قماذان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے میرے فرزند۔ یہ تمہارے باپ کا قاتل ہے اور تم ہم سے زیادہ اس کو قتل کرنے

کا حق رکھتے ہو۔ جاؤ اور اسے قتل کر دو۔ (علامہ محب الدین خطیب از تعلیقہ العواصم من القواصم)

طبری کی روایت بھی اس فیصلے کی تصدیق کرتی ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ عادلانہ اور منصفانہ فیصلہ کیا تھا کہ ہرمزان مقتول کے قصاص میں جو بظاہر مسلمان تھا۔ عبیداللہ کو ہرمزان کے بیٹے اور ولی الدم قباذان کے ہاتھ میں دیدیا کہ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے لو۔ لیکن قباذان سچے مسلمان تھے۔ وہ اپنے باپ کی سازش سے بھی واقف تھے۔ انہوں نے عبیداللہ کو "اللہ واسطے" چھوڑ دیا۔ اور دیت لے لی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عبیداللہ اپنے اقدام قتل میں حق بجانب تھے۔

(طبری جلد پنجم ص ۴۳ - ۴۴)

خود قباذان کا بیان

قباذان (یا قماذان) نے کہا جب عثمانؓ خلیفہ بنا دیئے گئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور عبیداللہ بن خطاب کو میرے سپرد کر دیا اور کہا کہ بیٹا یہ تیرے باپ کا قاتل ہے۔ جا اس کو لے جا کر قتل کر دے۔ میں اس کو لے کر نکلا۔ مدینہ کے سب لوگ میری حمایت میں تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا "ہاں" پھر میں نے ان سے پوچھا کیا تم اسے بچا سکتے ہو؟ تو کہنے لگے "نہیں" پھر میں نے اس کو اللہ اور مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیا تو لوگوں نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ خدا کی قسم میں اپنے گھر لوگوں کے سروں اور ہاتھوں پر سوار ہو کر آیا۔ (طبری جلد پنجم ص ۴۳-۴۴)

رَضِیَ الْخَصْمَانِ وَمَا رَضِیَ الْقَاضِی

غرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زمام حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلا جو فیصلہ کیا تھا وہ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کے قضیہ کا تھا۔ اس قضیہ کا تصفیہ ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کر دیا جبکہ ہرمزان کا بیٹا قباذان نے اللہ اور مسلمانوں کی خوشنودی کے لئے اپنے باپ کے قاتل کو معاف کر دیا۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ حضرت علی نے اپنے سوتیلے نواسے کو معاف نہیں کیا۔ بارہ سال بعد جب حضرت علی عجمی غلاموں کی مدد سے حضرت عثمانؓ کو ٹھکانے لگا کر خلافت کی گدی پر بیٹھے تو سب سے پہلے انہوں نے عبیداللہ بن عمرؓ کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا اور بے چارے عبیداللہ بن عمرؓ ان کے ظلم اور استبداد سے گھبرا کر دمشق بھاگ گئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے پاس پناہ لی۔

علامہ ابن اثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ چند ماہ بعد جنگ صفین میں جب دونوں دوبدو ہوئے تو حضرت علیؑ نے کہا تم وہی قاتل ہرمزان ہو جس پر قصاص باقی ہے۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جی ہاں مجھ پر ایک کافر مجوسی کا قصاص باقی ہے۔ اور تمہاری گردن پر خلیفۂ معصوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قصاص باقی ہے۔

اور جب عبیداللہ بن عمرؓ جنگ میں شہید ہوئے۔ تو میر خاوند داہن اثیر لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چاہا کہ ان کی لاش کی بے حرمتی کی جائے مگر عبیداللہ بن عمرؓ کی بیوی نے اہل قریش کی حمیت کو للکارا اہل قریش نے علی پر حملہ کر کے ان کو ایسی حرکت کرنے سے باز رکھا۔

ابن اثیر کو حیرت ہے کہ علیؓ جیسے بلند مرتبہ شخص نے ایک عجمی غلام کے قصاص کے لئے اپنے ہم قبیلہ و ہم قوم بلکہ سوتیلے نواسے کے ساتھ ایسا بدسلوک کیوں کیا۔ اس کا محرک کونسا جذبہ تھا۔ اگر کہا جائے کہ محض مقتضائے انصاف تھا تو جفینہ اور ابولولوء کی لڑکی کے قصاص کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا

(ابن اثیر جلد ۳ صـ۳۱) (صوالحات میر خاوند باب ۲ صـ۲۱)

مسلمانوں کے جذبات کی توہین کی

غرض ایرانی سازش نے جس سے حضرت علی بھی واقف تھے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا خاتمہ کر دیا کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ ہرمزان کے کفن دفن میں لگے رہے اور بعض روایات کے مطابق اس کا جنازہ بڑے دھوم دھام سے اٹھایا گیا کیونکہ وہ خوزستان کا سابق والی، شاہ ایران یزدگرد کا رشتہ کا ماموں اور "از بزرگ زادگان و صاحب افسرانِ ایران" تھا۔ وہ حضرت علیؓ کا جگری دوست تھا۔ معین الدین چشتی کے بیان کے مطابق وہ حضرت علیؓ کی صحبت میں رہ کر مسلمان ہوا تھا۔ (دلیل العارفین۔ خواجہ بندہ نواز صـ۱۶) حضرت علیؓ بھی اس کی بزرگی کے قائل تھے کیونکہ انہوں نے اسی کی پیروی میں علم معرفت کے گُر سیکھے تھے۔ روایات کے مطابق حضرت علی رضؓ نے مرنے سے پہلے اپنے پیر و مرشد ہرمزان عجمی سے حاصل کئے ہوئے علم معرفت کے تمام نکتے عجمی حسن بصری کو سونپ گئے۔ اور حضرت حسن بصری نے ان کی روشنی میں سلسلہ طریقت قائم کر کے اسلام میں گمراہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا۔

علیؓ ہرمزان کے کفن دفن میں ایسے بقدر معروف و مشغول رہے کہ ان کی توجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی حالتِ زار کی طرف مبذول نہیں ہوئی۔ ہرمزان سے فارغ ہو کر جب وہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا سر شرم سے نیچا تھا۔ شرح ابن ابی الحدید کی حسب ذیل روایت اس کی ترجمانی کرتی ہے۔

اپنی پاک زندگی کے آخری لمحات میں جب حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس دونوں قریب بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسرت سے کہا۔ "برا ہو عمر کا اور اس کی ماں کا اگر اللہ اس کی مغفرت نہ کرے۔" عبداللہ بن عباس نے حضرت عمرؓ کی زبان سے حسرت بھرے کلمات سن کر کہا:۔

فواللہ لقد کان اسلامک عزاً وامارتک فتحاً ولقد ملاءت الارض عدلاً۔

فقال أتشهد لی بذالک یا ابنِ عباس۔

فقال لہ علیؓ قل نعم وانا معکم۔

ترجمہ:۔ خدا کی قسم آپ کا اسلام لانا تو اسلام کی عزت کا موجب ہوا۔ آپ کی امارت اسلام کی فتح کا باعث ہوئی۔ آپ نے تو عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے ابنِ عباس! کیا تم خدا کے سامنے اس کی شہادت دو گے۔ علی نے ابن عباس سے کہا کہہ دو ہاں اور میں بھی شہادت دینے میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳)

حضرت علی شرم سے خود کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کو شرم اس لئے آئی کہ انہوں نے یہ جانتے بوجھتے کہ ہرمزان ہی خلیفۂ ثانی کا قاتل تھا۔ ایک قاتل کا جنازہ دھوم سے اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کی توہین کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنو ہاشم کے چند افراد جو پہلے طرفدار تھے اب ان سے بدظن ہو گئے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی تلوار جو کبھی طرفداری میں میان سے باہر نکلی تھی۔ اب ان کی مخالفت میں بلند ہونے لگی۔ خود علی کے فرزند حسنؓ بھی ان سے بدظن رہنے لگے۔ جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ملے گا۔

خلیفہ کا انتخاب

جب فیروز نے حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں خنجر سے حملہ کر دیا اور حضرت عمرؓ کے بچنے کے آثار نہیں تھے تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ اپنا جانشین منتخب کر دیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے خیال میں عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ خلافت کے لئے موزوں ہیں۔ حالانکہ

ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی ہے۔ لہٰذا حکم دیا کہ مرنے کے بعد ان چھے حضرات کو ایک جگہ جمع کیا جائے عبدا

بن عمرؓ اس مجلس کی صدارت کریں اور ایک انصاری جن کا نام   تھا ان سب پرنگ

رکھے۔ جب تک کہ سب مل کر آپس میں اتفاق سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب نہ کرلیں ان میں سے کسی کو گھر

سے باہر جانے نہ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص منتخب ہو جائے تو باقی دوسرے اُسی وقت اس کے ہاتھ پر

بیعت کرلیں۔ جو بیعت سے انکار کرے اس کا سر اس کی گردن سے علیحدہ کر دیا جائے۔

پھر ایک ایک کی خامیاں بتائیں اور فرمایا کہ حضرت عثمان رضؓ اپنے قبیلہ کی حد سے زیادہ طرفداری

کرتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ خود سر اور ظریف ہیں۔

حضرت شبلی نعمانی لکھتے ہیں :۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش

کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ (الفاروق ص۲۶۵)

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا حضرت علی رضؓ کے متعلق جو خیال تھا وہ ان کے ایک مکالمہ

سے جو حضرت عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضؓ : کیوں ابن عباسؓ ؟ علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے ؟

ابنِ عباس : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : تمہارے باپ رسول اللہ صلعم کے چچا اور تم رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی ہو پھر

تمہاری قوم تمہاری طرف داری کیوں نہیں کرتی ؟

ابن عباس : مَیں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : لیکن مَیں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

ابن عباس : کیوں۔

حضرت عمرؓ : وہ یہ نہیں پسند کرتے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں جمع ہو جائیں

شاید تم کہو گے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے تمہیں خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے اگر

وہ تمہیں خلافت دے دیتا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔

(طبری ص۲۷۶۸ تا ص۲۷۷۱)

معلوم نہیں کہ علامہ طبری نے مکالمہ صحیح درج کیا یا اس میں ملاوٹ کر دی مگر حقیقت یہ ہے کہ قریش جن

میں بنو ہاشم بھی شریک تھے حضرت علی کو خلیفہ بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے پیشین گوئی کی تھی کہ خلافت نہ علی کو ملے گی نہ علی کے بچوں کو۔

لا ینالہا علیٌ ولا ولدہٗ ــــــــ (شرح ابن ابی الحدید)

علاوہ ازیں وہ علی سے سخت نفرت کرتے تھے کیونکہ وہ مدینہ کے عجمی غلاموں سے بل مل گئے تھے۔

خلیفہ بننے کے لئے علی رضؓ کی بے تابی

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ رکھا گیا تو حضرت علی رضؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھانے

کے لئے آگے قدم بڑھایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں

ہے کہ امیرالمومنین نے فرمایا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے ؟۔

اس پر حضرت علی بڑے شرمندہ ہوئے اور صہیب رضؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ

پڑھائی۔

خلافت ہمارا حق ہے

جب اراکین مجلس انتخاب خلیفہ کی نامزدگی کے لئے جمع ہوئے تو حضرت علی رضؓ نے کہا

اللہ ہی حمد و ثنا کے مستحق ہے جس نے ہم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری

طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ہم مرکزِ نبوت، معدنِ حکمت، اہل زمین کے لئے باعثِ امن و امان اور طالب

نجات کے لئے باعث نجات ہیں۔

یہ خلافت ہمارا حق ہے اگر تم اسے دو گے تو ہم قبول کریں گے اور اگر نہ دو گے تو ہم اونٹوں

کی پشت پر سوار ہو کر چلے جائیں گے خواہ ہماری شبِ اوّل کتنی ہی طویل ہو۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معاہدہ کرتے تو ہم اس معاہدہ کو نافذ کراتے۔ اگر وہ

ہم سے کوئی بات کہتے تو ہم مرتے دم تک اس بات پر ڈٹے رہتے۔

دعوتِ حق اور صلہ رحمی میں کوئی مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تاہم قدرت اور اختیار صرف

اللہ ہی کو ہے۔ تم میرا کلام سنو اور میری بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ کیونکہ بہت ممکن ہے

کہ اس اجتماع کے بعد تم یہ دیکھو گے کہ تلواریں بے نیام ہوگئی ہیں

ہونے لگی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایسی جماعت بناؤ جس میں بعض لوگ گمراہوں کے سردار ہو جائیں اور کچھ جاہل لوگوں کے پیرو بن جائیں۔ (طبری حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ دوم ص۳۰۶)

تشریح اس تقریر میں حضرت علی نے صاف کہہ دیا کہ خلافت میرا ہی حق ہے۔

یہ بھی بتا دیا کہ اگر خلافت ان کو نہ ملی تو وہ عرب کو خیر باد کہہ کر اونٹوں کی پشت پر سوار ہو کر چلے جائیں گے۔ خواہ ہماری شب اوّل کتنی ہی طویل ہو۔ یعنے ہم عراق اور ایران جا کر ہی ٹھہریں گے۔

تیسری حقیقت جو انہوں نے بیان کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی نہیں فرمایا کہ خلافت علی کو ورثہ میں ملے گی۔

چوتھی بات جو اس تقریر میں پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ اگر تم مجھے خلیفہ بنا دو گے تو میں تم سب کو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دوں گا۔ کیونکہ صلہ رحمی میں کوئی مجھ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر یہ رشوت کی بات نہیں تھی۔ تو پھر اراکین مجلس انتخاب کے آگے کیوں کی گئی۔ اور آخر میں حضرت علی رضؓ نے تنبیہ کی کہ اگر مجھے خلیفہ منتخب نہ کرو گے تو میں ایک ایسی پارٹی بناؤں گا جو میرے لئے خلافت حاصل کرنے میں بعض لوگ گمراہوں کے سردار اور کچھ جاہلوں کے پیرو بن جائیں گے۔ حضرت علی رضؓ جانتے تھے کہ عرب کا کوئی شخص ان کا ہم خیال یا ہمدرد نہ تھا۔ لیکن انہوں نے ہرمزان کے ساتھ بیٹھ اٹھ کر پتہ لگایا تھا کہ عراق اور ایران کے تمام غلام جو مدینہ میں تھے وہ سب کے سب ان کے طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ کی آبادی

حضرت امام ابو یوسفؒ شاگرد رشید حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنی مشہور کتاب "الخراج" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المال سے مدینہ کے لوگوں کو وظیفہ دینے کے سلسلے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی مردم شماری کی تو معلوم ہوا کہ وہاں غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد عربوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ مدینہ میں عرب گھرانوں کے لوگ کوئی سینتیس ۳۷ ہزار تھے۔ تو ان کے پاس ایک لاکھ پینتیس ہزار ایرانی عراقی مصری و حبشی غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔

حضرت عمر رضؓ کے زمانے کی فتوحات سے خاص شہر مدینہ کی آبادی بھی محض عربوں پر مشتمل نہ رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجاہدین اسلام کی بھرتی مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں ہوتی تھی۔ وہ مدینہ چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جاتے تھے، ممالک فتح کرتے تھے اور وہاں سے مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے غلام اور لونڈیاں جو جنگوں میں ان کے ہاتھ لگتی تھیں۔ مدینہ بھیجتے تھے۔ خمس میں آئے ہوئے غلام اور لونڈیاں بھی عرب کے باشندے مال دیکر خرید لیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مدینہ میں عجمی غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد عرب باشندوں سے تین گنا زیادہ ہو گئی تھی۔

[illegible] یوسف رحؒ لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ اتنی بڑی غلاموں کی جمعیت نے ایکا کر کے اپنے مٹھی بھر آقاؤں کے خلاف بغاوت کیوں نہیں کی۔ کیونکہ وہ سب جنگجو سپاہی تھے۔ جو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے گرفتار ہو کر غلام بنے تھے۔ مگر انہی غلاموں نے ہرمزان کی سرداری میں متحد ہو کر حضرت علی کی طرفداری کا بیڑہ اٹھایا۔ جنہیں عراقی ایرانی اور بغدادی مورخوں نے صحابہ رسول کے نام سے پیش کر دیا۔ اور مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا کہ رسول اللہ کے وہ کیسے صحابہ تھے جو حضرت علی رضؓ کی سرداری میں قرآنی احکام کے خلاف عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے تھے۔

غرض ہرمزان کی تربیت میں حضرت علی رضؓ نے عجمی سیاست کے جو طریقے سیکھے تھے ان کی بناء پر اور اس علم کی روشنی میں کہ مدینہ میں عراقی اور ایرانی غلاموں کی تعداد عربوں سے تگنی تھی اور وہ سب کے سب ان کے رفیق و مددگار تھے۔ حضرت علی رضؓ کے حوصلے بلند ہوئے اور انہوں نے اپنی پہلی ہی تقریر میں جو اراکین مجلس انتخاب کے سامنے کی عربوں کو دھمکی دینے کی جسارت کی۔ مگر عرب مسلمان تھے وہ خدا سے خوف کرنے والے علی کی دھمکیوں میں نہ آئے اور نہ انہوں نے اپنے عراقی اور ایرانی غلاموں کی پرواہ کی۔

علی کی تقریر کا ردِ عمل

علی رضؓ کی تقریر سننے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تم میں سے کون ہے جو برضا و رغبت اس معاملہ خلافت سے دست بردار ہو جائے۔ اور دوسرے کو خلیفہ بنائے۔ جب کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ میں اور میرے چچازاد بھائی (حضرت سعد بن ابی وقاص) اس معاملہ سے دست کش ہوتے ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے معاملہ (خلافت) ان کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن

بن عوف نے ان سب ارکان (شوریٰ) سے منبر مسجد نبوی کے قریب حلف اٹھوایا کہ وہ اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جس کے ہاتھ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیعت کریں گے۔

مگر حضرت علی رضہ نے حلف اٹھانے میں حصہ نہیں لیا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اے ابوالحسن تمہاری کیا رائے ہے؟

علی رضہ نے کہا۔ آپ مجھ سے پختہ عہد کریں کہ آپ حق وصداقت کو ترجیح دیں گے۔ نفسانی خواہش کی پیروی نہ کریں گے اور کسی رشتہ دار کے ساتھ رعایت نہ کریں گے اور قوم کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں کوتاہی نہ کریں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا۔ تم سب بھی پختہ عہد کرو کہ تم سب مخالف اور تبدیل ہونیوالے کے مقابلے میں میرا ساتھ دو گے اور تمہارے لئے جس شخص کا خلیفہ کی حیثیت سے انتخاب کر دوں تم اس کو تسلیم کرو گے۔ میں بھی اللہ تعالےٰ سے عہد مستحکم کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ دار سے اس کی رشتہ داری کی وجہ سے رعایت نہیں کروں گا اور نہ مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی کروں گا۔ چنانچہ سب نے حلف اٹھایا۔ اور حضرت علی بھی حلف اٹھانے والوں میں شامل ہو گئے۔

حلف کے بعد

حلف کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے تنہائی میں حضرت علی سے دریافت کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ خلافت کے آپ ہی حقدار ہیں۔ اس بنا پر کہ آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ داری ہے۔ تاہم اگر آپ کو اس کا موقع نہ ملا تو اس صورت میں آپ کے خیال میں خلافت کا کون زیادہ حقدار ہوگا۔ وہ بولے "عثمان"

پھر وہ تنہائی میں حضرت عثمان رضہ سے ملے اور کہا۔ تم بنو عبد مناف کے شیخ ہو۔ رسول اللہ صلعم کے داماد اور ان کے چچازاد بھائی ہو اور تمہیں پہلے اسلام لانے کی فضیلت بھی ہے (تم نے اسلام کے لئے جان و مال کی قربانی دی ہے) تاہم اگر تمہیں اس خلافت کا موقع نہ دیا جائے تو تم موجود مجلس کے کس رکن کو اس خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہو۔ وہ بولے "علی"

پھر وہ تنہائی میں حضرت زبیر بن العوام رضہ سے ملے اور ان سے بھی وہی گفتگو کی جو انہوں نے علی رضہ و عثمان سے کی تھی۔ حضرت زبیر بن العوام نے حضرت عثمان رضہ کا نام پیش کیا کہ وہی خلافت کے مستحق ہیں۔ پھر وہ تنہائی میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملے تو انہوں نے بھی حضرت عثمان رضہ کی

تائید کی۔ جب علی رضہ کو معلوم ہوا کہ حضرت سعد نے حضرت عثمان رضہ کی تائید کی ہے تو انہوں نے سعد رضہ سے ملاقات کی اور کہا تم اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم رشتہ داروں کا واسطہ دیتے ہو۔ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ اپنے ان دونوں بیٹوں حسن حسین اور اپنے چچا حمزہ کی قرابت داری کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ تم میرے خلاف عبدالرحمٰن سے مل کر عثمان کے مددگار نہ بن جانا۔

رائے عامہ کا اتفاق

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف راتوں میں گشت کرتے رہے اور صحابہ کرام سپہ سالاروں اور معزز افراد سے ملاقاتیں کرتے رہے جو اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ وہ تنہائی میں جس کسی سے بھی ملے اس نے حضرت عثمان رضہ کے خلیفہ ہونے کی تائید کی۔

(نوٹ:۔ مدینہ کا کوئی باشندہ حضرت علی کا حامی نہیں تھا۔ وہ سب کے سب حضرت عثمان رضہ کی تائید کر رہے تھے۔)

انتخاب کے دن

جب مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھ لی تو مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ نیز اس دن مہاجرین اور قدیم صاحب فضیلت انصار اور سپہ سالاروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور مسجد نبوی کھچا کھچ بھر گئی تو عبدالرحمٰن نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے لوگو! سب لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جائیں مگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا امیر (خلیفہ) کون ہوگا۔

سعید بن زید بولے: ہم آپ کو اس کا حقدار سمجھتے ہیں۔

مقداد بن اسود بولے: اگر آپ حضرت علی رضہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو ہم بھی اطاعت کریں گے۔

ابن ابی سرح نے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ قریش میں اختلاف برپا نہ ہو تو آپ سب حضرت عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

عبداللہ بن ابی ربیع نے کہا: یہ بالکل صحیح ہے اگر آپ حضرت عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو ہم بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: اے عبدالرحمٰن آپ جلد فیصلہ کریں اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں نے خوب غور و فکر کیا اور لوگوں سے بھی مشورہ کر لیا ہے۔

"قریب ہے اور کتنا بڑا فریب" (طبری)

اگر حضرت علی کو اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے نظر نہ آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہ کی مجلس شوریٰ بناتے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک ان کا مخالف تو اس مخالف کی گردن مار دی جائے۔ اگر چار ایک طرف ہوں، اور دو ان کے مخالف تو دونوں کی گردن مار دی جائے اور اگر رائیں مساوی ہوں تو جس طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رائے دیں اس رائے کو قبول کیا جائے۔

حضرت علیؓ کو بہت ملال ہوا

طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کو اپنے منتخب نہ ہونے کا بہت ملال ہوا۔ کیونکہ حضرت علی ہی ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے خلافت حاصل کرنے کی جدوجہد کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے حسن کے ساتھ حضرت سعد بن وقاص سے ملے جو اس انتخاب سے علیحدہ ہوگئے تھے اور ان سے اپنی طرفداری کی درخواست کی تھی۔

یبلغ الکتاب اجلہ

تحریر اپنی مدت کو پہنچ کر رہے گی۔ اس چھوٹے سے فقرے میں حضرت علی رضا کی شخصیت پنہاں ہے۔ مگر افسوس کہ آج تک لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا۔ احادیث و روایات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اکرم صلعم کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں کہ وہ خلیفہ ہوں گے اور پھر مفسدوں کی ایک ٹولی ان کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوگی۔ ان سے خلافت کا کرتا اتار کر رکھ دینے کا مطالبہ کرے گی۔ اور پھر ان کو قتل کر دے گی۔

چند احادیث حسب ذیل ہیں۔

حدیث حضرت عثمان رضا کے آزاد کردہ غلام ابو سہلہ رضا کہتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلعم حضرت عثمان رضا سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہے تھے اور ان باتوں کو سن کر حضرت عثمان رضا کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ پھر جب وہ دن آیا جب حضرت عثمان رضا کو لوگوں نے ان کے گھر میں محصور کر دیا اور ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ہم ان لوگوں سے لڑیں گے تو حضرت عثمان رضا نے کہا "نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھ کو وصیت کی ہے اور میں اس پر صابر و شاکر ہوں۔" (بیہقی)

حدیث ابو حبیبہ رضا کہتے ہیں میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں اس وقت داخل ہوا جب لوگوں نے ان کے

اس لئے تم لوگ دخل نہ دو۔

پھر انہوں نے حضرت علی رضا کو بلایا اور کہا ہم تم سے اللہ کا پختہ عہد و پیمان لے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا تم کتاب اللہ اور سنت نبوی اور آپ کے بعد کے دونوں خلفاء کے طریقے پر چلو گے؟ حضرت علی نے جواب دیا: مجھے توقع ہے کہ میں یہ کام کر سکوں گا مگر میں اپنے علم اور طاقت کے مطابق اس پر عمل کروں گا۔

پھر انہوں نے حضرت عثمان رضا کو بلایا اور ان کے سامنے وہی الفاظ دہرائے جو علی کے سامنے کہے تھے۔

حضرت عثمان رضا نے فرمایا: ہاں ہم اسی طرح عمل کریں گے۔

حضرت علی کی تنبیہ

اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضا کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت علی نے کہا: یہ پہلا دن نہیں ہے جبکہ تم نے ہم پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ بہرحال صبر کرنا بہتر ہے۔ خدا کی قسم آپ نے حضرت عثمان رضا کو اس لئے خلیفہ مقرر کیا ہے کہ معاملہ (خلافت کا معاملہ) تمہارے ہاتھوں میں چلا جائے۔ اس طرح اللہ تعالےٰ روزانہ نئے نئے انقلاب دکھاتا ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا: اے علی تم کوئی مخالفانہ دلیل و حجت پیش نہ کرو۔ میں نے خوب غور و فکر کیا اور لوگوں سے مشورہ بھی کیا، انہوں نے عثمان رضا کے علاوہ کسی کی تائید نہیں کی۔ لوگ کسی کو بھی حضرت عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے۔

یہ سن کر حضرت علی یہ کہتے ہوئے چلدئے کہ "یبلغ الکتاب اجلہ" یعنے تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائے گی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے علی کو جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں پکارا اور ان کا عہد یاد دلایا، اور قرآن کی آیت پڑھی۔ "ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً۔" ترجمہ: جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے تو اللہ اسے بڑا اجر دیگا۔ (اس پر علی ایک گناہ میں مبتلا ہونے سے بچے) وہ واپس لوٹے اور حضرت عثمان رضا کی بیعت کر لی۔ مگر برابر [illegible]

گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس وقت حضرت عثمان رض سے اجازت لے کر حضرت ابوہریرہ نے کھڑے ہو کر اوّل خدا کی حمد و ثنا کی پھر کہا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد تم فتنوں اور اختلافاتِ باہمی سے دوچار ہو گے۔ جن کے ذریعے تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس وقت ہم کس کی متابعت کریں۔ آنحضرت نے فرمایا اپنے امیر کی اطاعت تم پر لازم ہے۔ امیر کا لفظ فرماتے ہوئے آپ نے عثمان رض کی طرف اشارہ فرمایا۔ (بیہقی)

حدیث حضرت مرہ بن کعب کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو فتنوں کا ذکر فرماتے سنا اور ان کو بہت قریب بتایا۔ جب آپ یہ فرما رہے تھے اس وقت **ایک شخص** سر پر کپڑا ڈالے ہوئے اُدھر سے گزرا۔ آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اُن ایام میں راہِ راست پر ہوگا۔ مرہ بن کعب کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کے یہ الفاظ سن کر میں اُٹھا اور اس کی طرف گیا۔ دیکھا تو وہ عثمان رض تھے۔ پھر میں نے حضرت عثمان رض کا رُخ رسول اللہ صلعم کی طرف پھیر کر پوچھا۔ کیا یہ شخص ان فتنوں میں راہِ راست پر ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ (ابنِ ماجہ ترمذی) ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ، فرماتی ہیں کہ نبی صلعم نے ایک روز حضرت عثمان رض سے فرمایا۔ شاید کہ خداوند تعالےٰ تجھ کو قمیص پہنائے۔ (یعنی خلعتِ خلافت عطا فرمائے) پھر اگر لوگ تجھ سے مطالبہ کریں۔ کہ تو اس قمیص کو اتار دے تو ان کی خواہش پر اس قمیص کو ہرگز نہ اتارنا۔ (ترمذی ابن ماجہ)

حدیث حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فتنہ کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس فتنہ میں یہ شخص ظلم سے قتل کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے عثمان رض کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ترمذی)

مبلغ الکتاب اجلہ کا فقرہ ان ہی پیشین گوئی کی طرف اشارہ کرتا ہے لوگ جانتے تھے کہ ایک فتنہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو شہید ہونا ہے۔ وہ ایک دیوار پر لکھی ہوئی تحریر ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ حضرت علی رض نے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے حضرت عثمان رض کو ان کی خلافت کے پہلے ہی روز متنبہ کر دیا کہ میں تمہارا خلافت کا کرتا اتار کر ہی دم لوں گا۔

باب ــــــ ۱۲

حضرت علی اور عثمان غنی

شاہ ولی اللہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء مقصد دوم میں ایک نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

"بنی آدم کی عادت یوں جاری ہے کہ جو لوگ خلیفہ کے ہمسر اور دعویدار خلافت ہوتے ہیں وہ خلیفۂ وقت کی اطاعت و اعانت سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ بلکہ ایذا رسانی اور انتظام سلطنت میں رخنہ اندازی میں مساعی رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت علی رسولِ اقدس کی خدمت میں رہے۔ اس صحبت کی وجہ سے ان میں یہ انسانی عادت کچھ کم ہو گئی۔ باوجود ان سب باتوں کے دِل میل سے خالی نہ تھے اور مصائب خلیفہ کو دور کرنے اور ان کے احکام نافذ کرنے میں سعی تام ظہور پذیر نہ ہوئی۔"

خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے

غرض حضرت علیؓ کا دِل میل سے خالی نہ تھا۔ وہ پہلے ہی روز سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے انتظامِ سلطنت میں رخنہ اندازی کرنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اپنے رقیب کو لوگوں کی نگاہ میں پست اور حقیر اور امورِ سلطنت یعنے خلافت کے نااہل ثابت کرے۔ ان کے اچھے کاموں کو داغدار بنا کر پیش کرے۔ ان کی ہر چیز میں کیڑے نکالے۔

بے شک حضرت علی رض رسولِ اقدس کی خدمت میں رہے۔ لیکن آپ کی صحبت کا اثر ان میں کچھ نمایاں نہیں ہوا۔ اس کے برعکس ہرمزان کی صحبت کا اثر ان کی زندگی پر حاوی اور غالب رہا۔ مثل مشہور ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔

کند ہمجنس باہمجنس پرواز ٭ کبوتر با کبوتر باز با باز

مخالفت پہلے ہی روز رونما ہوئی

زمامِ حکومت سنبھالتے ہی حضرت عثمان رض نے عبید اللہ بن عمر رض کے قضیہ کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت علی رض نے انہیں قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ طبری کی روایت کے مطابق لوگ حضرت علی رض کے

روپیہ پر آوازے کسنے لگے کہ "کل باپ کو قتل کر دیا گیا اور آج بیٹے کو قتل کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔"

محمدؐ کی میراث اغیار کھا رہے ہیں

طبقات ابن سعد میں روایت موجود ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو مہاجرین قریش کی تالیف قلوب کی تاکید فرمائی عبداللہ بن عامر نے حضرت علی رضؓ کو تین ہزار درہم نقد اور پوشاک کا ایک تحفہ بھیجا۔ عطیہ وصول کر کے حضرت علی نے کہا۔ "یہ محمدؐ کی میراث ہے جسے اغیار کھا رہے ہیں"۔ جب حضرت عثمان رضؓ تک حضرت علی رضؓ کا تبصرہ پہنچا تو انہوں نے گورنر بصرہ کو لکھا کہ علی کو ایک اور تحفہ بھیجو۔ اس پر انہوں نے مزید بیس ہزار درہم کا عطیہ بھیجا جسے پاکر حضرت علی بہت خوش ہوئے اور گورنر کی داد و دہش کی بڑی تعریف کی۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضؓ اپنے ملنے والوں سے خفیہ اور اعلانیہ کہتے رہتے تھے کہ خلافت محمد صلعم کی میراث ہے جسے اغیار کھا رہے ہیں۔

کیا حضرت عثمان رضؓ کوئی غیر تھے؟

آپ رسول اللہ صلعم کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔ آنحضرت صلعم کی سگی پھوپھی زاد بہن اروی بنت کریز کے بیٹے تھے اور اروی بنت کریز کی ماں حکیم البیضاء تو رسول اللہ صلعم کی سگی پھوپھی تھیں جو ان کے باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ پھر حضرت عثمان رضؓ آنحضرت صلعم کے چچیرے بھائی تھے۔ جیسے علی ویسے عثمان۔ علاوہ ازیں وہ ذوالنورین تھے۔ کیونکہ ان کے نکاح میں رسول اللہ صلعم کی دو بیٹیاں آئیں۔ جبکہ علی کو صرف ایک ملی۔ امام ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہر متقی مومن میرا دوست و ولی ہے۔ خود حضرت علی کا قول ہے کہ بتحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست وہی ہے جس نے ان کی اطاعت کی اگرچہ گوشت اس کا دور کا ہو اور آپ سے کوئی نسبتی قربت نہ رکھتا ہو اور دشمن محمدؐ صلعم کا وہی ہے جس نے آپ کی نافرمانی کی اگرچہ گوشت اس کا آپ سے قریب ہو یعنے نسبتی قربت آپ سے رکھتا ہو۔ اس قول کی روشنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب تھے۔ اور علی آپ سے کوسوں دور۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔

حضرت علی کا پروپیگنڈہ

غرض حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں سرگرم عمل رہے

ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی۔ چنانچہ اپنے مشہور خطبہ شقشقیہ میں وہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں۔

"پھر قوم کا تیسرا آدمی (عثمان رضؓ) متکبرانہ انداز میں پیٹ پھلا کے چارہ اور لید میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی اولاد (بنو امیہ) بھی کھڑی ہو گئی۔ اور خدا کا مال خوب چبا کے کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے"

(یہ فقرہ کتاب "سلسبیل فصاحت" سے جو نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ ہے لیا گیا ہے)

جاننا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے بیت المال سے ایک درہم بھی خرچ نہیں فرمایا۔ انہوں نے بطور تنخواہ بھی بیت المال سے کچھ نہیں لیا جبکہ خلیفۂ اول اور خلیفۂ ثانی اپنے گھریلو خرچ کے لئے معمولی رقم ہر ماہ لیتے تھے پھر مرتے وقت اپنے وارثوں کو بیت المال کی ساری رقم اکٹھا واپس کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ اس کے برعکس حضرت علی نے نہ صرف اپنی تنخواہ بیت المال سے لی بلکہ اپنی خلافت کو مستحکم کرنے کے لئے بیت المال سے نوے ہزار فوج کے سپاہیوں کی بھرتی کی۔ حضرت عثمان رضؓ کے محاصرے کے زمانے میں بغیر ان کی اجازت کے بیت المال کا دروازہ توڑ کر اس کا سارا مال اپنی پارٹی کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ میں موازنہ

طبقات ابن سعد میں لکھا ہوا ہے کہ ایک وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ شہد اس مرض کے لئے بہت مفید ہے۔ بیت المال میں ایک مٹکا یا کپا شہد کا موجود تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اگر تم لوگ سب مل کر اجازت دو تو بیت المال میں رکھے ہوئے شہد سے تھوڑا سا لے لوں۔ ورنہ بغیر اجازت وہ میرے لئے حرام ہے۔ لوگوں نے اجازت دیدی۔

حضرت عثمان رضؓ کو باغیوں نے گھیر لیا تھا۔ ان باغیوں میں سے چند لوگ حضرت طلحہ رضؓ کے گھر میں جمع ہوئے۔ حضرت علی رضؓ کو جب معلوم ہوا کہ باغی حضرت طلحہ رضؓ کی طرفداری میں جمع ہو رہے ہیں تو انہوں نے بغیر اجازت خلیفۃ المومنین مسلمانوں کے بیت المال کا دروازہ توڑ کر اس میں رکھا ہوا سارا روپیہ اور اسباب باغیوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب طلحہ رضؓ کے طرفداروں کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضؓ

دل کھول کر مسلمانوں کا روپیہ باغیوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ تو وہ طلحہؓ کی مجلس سے کھسک گئے اور حضرت علیؓ کے پاس آکر حاضر ہوگئے۔

حضرت عثمانؓ سے ہمیشہ چپقلش

طبری لکھتا ہے کہ بیت المال کا دروازہ توڑ کر اس کا مال حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تقسیم کر دینے کی خبر جب حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے لیکن دروغ گوئی سے حقیقت پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان میں ہمیشہ تُو تُو میں میں ہوا کرتی تھیں۔ ہر بات میں حضرت علی حضرت عثمان کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی وہ حضرت عثمان کو ماں کی گالی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ مثلاً جب باغیوں کی طغیانی حد سے تجاوز کر گئی تو حضرت عثمانؓ نے علی، طلحہ اور زبیر کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ خلافت کی بنیادیں ہل رہی ہیں جسے تم بخوبی دیکھ رہے ہو۔ اگر تم کو مجھ سے کوئی صدمہ پہنچا ہے تو میں اس کی تلافی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ برائے خدا ایسا مت کیجئے کہ باغی شہر میں بغاوت پھیلائیں اور محض اس غرض سے تہلکہ عظیم برپا کریں کہ تم میں سے ایک شخص میری جگہ خلیفہ بن جائے۔ اس خیال سے تم میری مدد سے باز نہ رہو اور خلافت کی تمنا کو جس کا حاصل ہونا محال ہے اپنے دل سے نکال ڈالو۔ کیونکہ تم میں سے کوئی خلیفہ ہو بھی گیا تو خوب سمجھ لینا کہ اس کی پائیداری محال ہے۔ وہ زیادہ مدت تک خلیفہ نہیں رہ سکے گا۔ یہ سنتے ہی علی کو غصہ آ گیا۔ ان کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور انہوں نے فوراً کہا

"مَالَكَ وَلِذَالِكَ ۰ لَا اُمَّ لَكَ"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ مجھے ماں کی گالی کیوں دیتے ہو۔ میرا تمہارا تو بالکل قریب کا رشتہ ہے۔ اس کے جواب میں حضرت علی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔

(از روضۃ الصفا جلد دو ص ۲۶۲)

ایک اور وقت حضرت علی حضرت عثمان کی مجلس شوریٰ میں جھگڑا کرنے لگے۔

تاریخ طبری میں موسیٰ بن طلحہؓ کی روایت درج ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہؓ کو بلا بھیجا۔ میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وہاں موجود تھے۔

بیٹھ رہا۔ اور کون کون لوگ اس کے ساتھی ہے تاریخ میں کچھ نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد ہی حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش شروع ہوئی۔ عبداللہ بن سبا مدینے سے سیدھے بصرہ گیا اور حکیم بن جبلہ کے ساتھ رہنے لگا۔ وہاں سے پارٹی بازی شروع ہوئی۔ گورنر عبداللہ بن عامر نے پوچھ گچھ کی تو وہاں سے کوفہ چلا آیا۔ کوفے سے دمشق پھر وہاں سے مصر پہنچا۔ اور ہر جگہ اپنی پارٹی بنا رہا تھا۔ - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - -

لیکن اس کی اصل تحریک اور مقصود حقیقی کا حال سوائے اس کے اور اس کے چند خاص الخاص دوستوں کے کسی کو معلوم نہ تھا۔ بظاہر اس نے "حب علی اور حب اہل بیت" کو خلافت عثمان درہم برہم کرنے کے ایک ذریعہ بنایا تھا۔"

مگر تاریخ طبری کے بغور مطالعہ سے اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ وہ حضرت علیؓ کا داعی یہ تھا۔ حضرت علیؓ کو برسر اقتدار لانے کے لئے سیاسی فضا تیار کر رہا تھا۔ جس کے لئے اسے معقول معاوضہ دیا جاتا رہا ہوگا ورنہ یمن کے دارالحکومت صنعا میں رہنے والے ایک یہودی کو حضرت علی اور ان کی اولاد سے کیا نسبت ہو سکتی تھی۔

تاریخ طبری پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہر بڑے شہر میں حضرت علیؓ کے داعی موجود تھے جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سب کا پروپیگنڈہ ایک ہی طرح کا تھا۔ ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی ہیں۔ اور جس طرح حضرت محمد صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ اسی طرح حضرت علی بھی خاتم الاوصیاء ہیں۔ مرتے وقت حضرت محمد صلعم نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کی تھی۔ جس پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ جو رسول اللہ صلعم کی وصیت پر عمل نہ کرے اور اُمتِ اسلامیہ کا نظام خود اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ حضرت عثمان نے خلافت پر ناحق قبضہ کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے وصی موجود ہیں۔ اس لئے تم لوگ اس کام کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اس کا آغاز اپنے حکام پر طعن و تشنیع سے کرو۔ ظاہر یہ کرو کہ تم نیک کام کا حکم دیتے ہو۔ اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ اس طرح تم عوام کو اپنے طرف مائل کر سکو گے۔ اس کے بعد تم لوگوں کو اس کام کی طرف بلاؤ۔ یعنے عثمان کو قتل کرنے کی طرف مائل کرو۔

یہی پروپیگنڈا مسلمانوں کے تمام شہروں میں حضرت علیؓ کے داعی کر رہے تھے۔ تہمت تراشی

اور افترا پردازی کا منظم پروپیگنڈا حضرت عثمان غنی اور ان کے عاملوں کے خلاف شروع کیا گیا ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے۔ حضرت عثمان اور ان کے عاملوں سے منسوب کیا گیا ان پر اتہام لگایا کہ دین اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں ہے۔ قرآن کے احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت عثمان کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ گھوڑے اور بھیڑ بکریاں ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کی چراہ گاہوں کو اپنی بھیڑ بکریوں کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کے نا قابل نا اہل اور نو عمر جوانوں کو حاکم بنا رہے ہیں۔ وغیرہ

سبائی پارٹی کے اراکین

مدینہ میں جعدہ بن ہبیرہ بن وہب۔ یہ حضرت علی رضہ کے بھانجے اور ان کے داماد تھے۔ ہبیرہ بن وہب حضرت علی رضہ کی بہن فاختہ بنت ابی طالب کا شوہر تھا۔ فاختہ کو شادی کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم نے عہد رسالت کے قبل پیغام بھیجا تو ان کے چچا ابی طالب نے اسے ٹھکرا دیا۔ ہبیرہ بن وہب سے اس کا نکاح کر دیا۔ ہبیرہ بن وہب ایک مشرک اور کافر تھا۔ رسول اللہ صلعم کی ہجو کرتا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف ہر جنگ میں وہ شریک ہوا جنگ اُحد کے وقت مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مشرک عربی قبائل کو جمع کرنے میں اس کا ہاتھ تھا۔ جعدہ اسی کافر کا بیٹا تھا۔ مکہ جب فتح ہوا تو ہبیرہ مکہ چھوڑ کر نجران بھاگ گیا۔ اور آخر وہاں مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد فاختہ بنت ابی طالب اپنی تمام اولاد کے ساتھ مسلمان ہو کر اُم ہانی کے نام سے صرف اس لئے مشہور ہوئیں کہ وہ علی کی بہن تھیں۔

جعدہ بن ہبیرہ کو حضرت علی رضہ نے خراسان کا عامل مقرر فرمایا۔ یہ ان کی پارٹی کا نہایت سرگرم ممبر رکن تھا۔ اخبار الطوال کے صفحہ ۲۳۵ پر جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب کا حسب ذیل خط درج ہے جو انہوں نے حسین بن علی بن ابی طالب کو ورغلانے کے لئے لکھا تھا۔

"پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آجاؤ۔ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے کے لئے وقف کر رکھا ہے۔"

جعدہ بن ہبیرہ کے علاوہ حضرت علی رضہ کے ربیب محمد بن ابو بکرؓ اور تمام بچے حضرت علی کی پارٹی کے حامی اور مددگار تھے حضرت حسن اس پارٹی میں شامل نہیں تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو بھی سبائی جماعت کا ساتھ دینا پڑا جس کا تذکرہ اگلے صفحوں پر آئیگا۔

محمد بن ابی حذیفہ رضہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف وہ شخص ہے جس نے مصریوں کو حضرت عثمان رضہ کے خلاف اکسایا۔ اور جب وہ لوگ حضرت عثمان رضہ کے خلاف بغاوت کر کے مدینہ پہنچے اور جب عثمان غنی نے مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح سے مدد چاہی اور جب عبداللہ بن ابی سرح نے مدد کے لیے فوج لے کر مدینہ کو کوچ کیا تو محمد بن ابی حذیفہ نے ایک پلان کے مطابق جو پہلے سے تیار کیا ہوا تھا مصر کی ولایت پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن ابی حذیفہ کو حضرت عثمان نے پالا۔ اور پرورش کی۔ ہر قسم کی اخراجات کی ذمہ داری لی اور سیکڑوں احسانات اس پر کئے۔ لیکن اس نے اپنے قریبی چچا زاد بھائی کے احسانات کا بدلہ ان کے خلاف بغاوت میں حضرت علی رضہ کی پارٹی کی مدد کر کے ادا کیا۔

طبری لکھتا ہے کہ جب قیس بن سعد رضہ الانصاری حضرت علی کی طرف سے مصر کا والی بن کر مصر پہنچا۔ تو اس وقت محمد بن ابی حذیفہ زندہ تھا۔ اس نے بغیر کسی چون و چرا کے مصر کی حکومت کی باگ قیس بن سعد الانصاری کے حوالے کر دی۔ قیس بن سعد الانصاری کو حضرت علی رضہ نے ۳۶ھ میں والی مصر بنا کر بھیجا تھا۔

علاوہ ازیں مدینہ میں اس وقت بھی ایسے عراقی اور ایرانی باشندوں کی اکثریت تھی جو جنگوں میں قید ہو کر غلام بنے تھے۔ وہ سب کے سب حضرت علی رضہ کی سبائی پارٹی کے سرگرم عمل اراکین تھے۔ وہ سبائی پارٹی کی تشکیل کے قبل بھی حضرت علی کے طرفدار تھے۔ کیونکہ ہرمزان نے ان سب کو حضرت علی رضہ کا طرفدار بنا دیا تھا۔

علی رضہ کے طرفدار مدینہ میں ؟

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں" لکھتے ہیں۔

"مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ کچھ لوگ تو ارتداد کی جنگوں میں اور روم اور فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ چکے تھے۔ ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہیں تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے۔ پس حضرت عثمان کی شہادت کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہیں تھی۔ جو پہلے تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر موجود تھی" (ص ۲۹۶) ڈاکٹر طٰہٰ حسین چونکہ شیعہ ہیں۔ اس لئے انہوں نے صاف بات لکھنا خلافِ مصلحت سمجھ کر گول مول الفاظ

میں مکھ دیا کہ وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہیں تھی جو پہلے تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع
تھی۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الخراج میں ظاہر کر دیا ہے کہ حض
عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگوں کو وظیفے دینے کے سلسلے میں مردم شماری
تو مدینہ میں سینتیس[۳] ہزار عربوں کے مقابلے میں ایرانی اور عراقی عجمی غلاموں اور لونڈ
تعداد ایک لاکھ پینتیس ہزار تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں غلاموں کی تع
بے حد اضافہ ہوا کیونکہ ایران کا سارا علاقہ انہیں کی خلافت میں مفتوح ہوا تھا۔

ایرانی اور عراقی مسلمانوں کی ایمانی کیفیت

فارس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے
کے سامنے یہ شرط رکھی کہ یا تم اس
قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ یا ہمیں جزیہ ادا کرو۔ جس کے عوض تمہاری جان و مال کی
کا ذمہ ہمارے سر ہوگا۔ ایرانیوں نے جزیہ ادا کر کے اپنے آبائی دین پر قائم رہنے کا فیصلہ کی
کے مذہبی مقتدا موبذ موبذان یعنے پرد بٹ اعلیٰ نے جو ان کے سارے مذہبی رسومات
کا نگران تھا انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں میں گھل مل جائیں اور اند
کی جڑیں کاٹیں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں کمزور کریں۔ جب تک تم باہر رہ کر ان
کرو گے تو آپس کے اتحاد کی وجہ سے وہ تم پر حاوی رہیں گے۔ پرد بٹ اعلیٰ کا یہ مشورہ انہوں
کر کے کراہت سے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ مورخ مسعودی نے کتاب التنبیہ الاشراف میں لکھا
شواہد تاریخی سے یہ بات بدرجہ یقین ثابت ہے کہ ایرانیوں کو اپنی شہنشاہیت اور ریاست کی
تو بادلِ ناخواستہ قبول کرنا پڑی تھی لیکن جذبۂ حب الوطنی اور احساساتِ ملی کی شکست انہوں نے
قبول کی تھی۔ عربوں کے خلاف کینہ و حسِ انتقام ان کے دلوں میں ہمیشہ موج زن رہا۔ بہت
ان میں منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جب کبھی موقع ملتا عربوں اور غیر عربوں کے
سیاسی رقابتیں پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے کی جدوجہد کرتے تھے ان
مورخ طبری نے بھی ان کے دلوں کے نفاق کی کیفیت اپنی خلافت راشدہ حصہ دوم میں اس طرح
کی ہے کہ وہ بکری کو گھسیٹ کر مذبح میں لے جاتے، پھر جب ذبح کرنے کے لئے اس کی گ
رکھتے تو اللہ کا نام لینے کی بجائے زبان سے "نفاق، نفاق" کہتے یہاں تک کہ وہ ذبح ہو جاتی۔
(اردو ترجمہ صفحہ ۲۲۶ - ۲۲۷)

حضرتِ معاویہؓ نے کہا :- آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور روئے زمین
کے بہترین انسان۔ آپ لوگ اس امت اسلامیہ کے ارباب حل و عقد ہیں۔ آپ نے اپنے ساتھی
حضرت عثمان رضؓ کو کسی جبر و طمع کے بغیر خلیفہ منتخب کیا۔ وہ سن رسیدہ ہو گئے ہیں، اور ان کی عمر
قریب الختم ہے۔ وہ افواہ پھیل گئی ہے جس کا مجھے ڈر تھا۔ تاہم تم عوام کو اپنے بارے میں توقع نہ
دلاؤ۔ کیونکہ اگر وہ اس کی طرف مائل ہو گئے تو تم ہمیشہ اس میں تنزل اور ادبار دیکھو گے۔

حضرتِ علی رضؓ نے کہا تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی تمہاری
ماں نہ رہے۔

حضرت امیر معاویہ رضؓ نے کہا تم میری ماں کو اپنے مقام پر چھوڑ دو۔ وہ بدترین ماں نہیں ہیں
وہ مسلمان ہوئی ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم سے انہوں نے بیعت کی ہے۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں
تم مجھے اس کا جواب دو۔ حضرت علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شرح نہج البلاغہ جزو اول میں ابن ابی الحدید نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سند
سے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہہ دیا تھا کہ اگر عثمان رضؓ کی غیر طبعی
موت واقع ہوئی تو اس کا بدلہ تلوار سے لیا جائے گا۔

شرح ابن ابی الحدید میں حضرت عثمان رضؓ کی مشاورتی مجالس میں حضرت علی رضؓ کی سخت کلامی
کا ایک اور واقعہ درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مجلسِ مشاورت میں جو حضرت عثمان رضؓ نے اپنی خلافت
کے آخری ایام میں منعقد کی تھی حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سخت کلامی ہوئی۔ غصہ میں حضرت علی اُٹھ
کر جانے لگے۔ روکنے سے نہ رُکے تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا واللہ لا تصل الیک ولا الی احدٍ
مِن وُلدِکَ۔ یعنے یہ خلافت نہ تمہیں نصیب ہوگی نہ تمہاری اولاد میں سے کسی کو حضرت اسامہ بن زید
رضی اللہ عنہ کو جو مجلسِ مشاورت میں شریک تھے۔ یہ سن کر تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت سعدؓ سے
اپنے تعجب کا اظہار کیا تو حضرت سعدؓ نے کہا۔ "عثمان نے سچ کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت نہ علی کو ملے گی نہ ان کی اولاد کو۔ "لا ینالہا علیٌّ ولا وَلَدَہ"

(شرح ابن ابی الحدید)

چھ ماہ میں بچہ ایک اور تنازعہ جو حضرت علی رضؓ نے امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

خلاف کھڑا کیا وہ ایک عورت کو رجم کر دینے کے فیصلے کے خلاف تھا۔ علامہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ۲۹ھ میں حج کے موقع پر منا میں خیمہ نصب کر کے حاجیوں کی دعوت دی تو لوگوں نے (شاید علی اور ان کے رفقاء نے) کہا کہ یہ بدعت ہے۔ اُسی وقت ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا۔ پہلے یہ عورت بیوہ تھی۔ پھر شادی ہوئی تو چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا۔ حضرت عثمان رضہ نے اسے رجم کر دینے کا فیصلہ سنا دیا۔ حضرت علی رضہ کو معلوم ہوا تو وہ آئے اور قرآنی آیات پیش کر کے کہا کہ چھ ماہ ہی حمل کی مدت ہے۔ قرآن مجید میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے) قرآن میں ایک اور جگہ مدت رضاعت دو سال بیان کی گئی ہے۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ پس دودھ پلانے کی مدت یعنے چوبیس ماہ کو پوری مدت تیس ماہ سے الگ کر دو تو حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہ جاتی ہے۔ لہٰذا اس عورت پر زنا یقینی طور پر ثابت نہیں کی جا سکتی۔

حضرت علی کا معروضہ قرآنی آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن سے نابلد ثابت کرنے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ سورۃ الاحقاف کی پندھرویں آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اکیونکہ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت ہی سے اس کو جنا اور اسکے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے" اس آیت میں انسان کو اس کے والدین کی تکلیفیں اور خاص طور پر اس کی ماں کی مشقتیں یاد دلا کر اسے نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ یہی نصیحت لقمان نے اپنے بیٹے کو بھی کی تھی۔ اس نصیحت کے دوران اللہ تعالےٰ نے جملۂ معترضہ کے طور پر انسان کی یاد دہانی کے لئے فرمایا۔ "ہم نے انسان کو اپنے والدین کو حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھڑانے میں گئے۔ اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا (آیت ۱۴) مگر سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۳ میں یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (ماں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں) کا جو حکم ہے وہ طلاق یا

خلع یا فسخ کی وجہ سے زوجین میں تفریق ہو جانے کے بعد کا حکم ہے۔ اگر ان دونوں کا دودھ پیتا بچہ موجود ہو تو شریعت کی رو سے بچہ کا ولی اس کا باپ ہو گا۔ وہ اگر عورت کو ستانا چاہے تو مطالبہ کر سکتا ہے کہ جب تک بچہ دودھ پیتا رہے اس کو اپنا دودھ پلائے جا۔ اس طرح وہ اپنی مطلقہ عورت کو اس کی خواہش اور مرضی کے خلاف دوسرے آدمی سے نکاح کر لینے میں روڑے اٹکا سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ بھلے طریقے سے اسے رخصت کر دو۔ محض ستانے کی غرض سے اسے روکے نہ رکھو۔ اپنے بچہ کو دو سال سے زیادہ مدت تک دودھ پلانے کا حکم نہ لگاؤ۔ اور اس پر کسی طرح کی سختی نہ کرو۔ پھر اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ عورت جب تک تمہارے بچہ کو دودھ پلائے اس کا کھانا اور کپڑا مرد کے ذمہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکم کر دیا کہ اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر ان کا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(البقرہ آیت ۲۳۳)

اگر بچہ کو دو سال تک دودھ پلانا فرض ہوتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علی رضہ کی زوجہ فاطمہ بنت رسول اللہ نے یہ فرض کبھی ادا کیا؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کوئی سات سال چند ماہ تک حضرت علی رضہ کی رفیقۂ حیات رہیں۔ اس دوران میں ان کے چھ بچے ہوئے۔ پھر حملہ و فصالہ ثلثون شہرا کی بندھن کہاں پوری ہوئی۔

علم سائنس اور علم طبعیات (OBSTETRIC) کے مطابق نطفہ کامل آٹھ ہفتوں کے بعد عورت کی بچہ دانی میں انسان کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ بارہ ہفتوں کے بعد انگلیوں میں ناخن دکھائی دیتے ہیں۔ اٹھائیس ہفتوں تک بچہ کے اندرونی اعضاء مثلاً کلیجہ دل انتڑیاں وغیرہ بنتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ اٹھائیس ہفتوں کے بعد بچہ کے یُٹرک یعنے بیضا دانی کی ساخت مکمل ہوتی ہے اور بچہ کی نقل و حرکت زیادہ ہوتی ہے۔ اٹھائیس ہفتوں سے پہلے یعنے چھ ماہ میں پیدا ہونے والا کوئی بچہ دنیا میں آج تک کبھی زندہ نہیں رہا۔ دنیا کے تمام حکیم اور طبیب اس بات پر متفق ہیں کہ اٹھائیسویں ہفتہ سے چھتیسویں ہفتہ تک بچہ کے بیضے اس کی بچہ دانی میں اترتے ہیں یعنے آٹھ ہفتے ان کی تعمیر میں لگتے ہیں۔ چالیسویں ہفتہ میں ناخن انگلی کی حد تک پہنچ کر باہر ابھرے ہوئے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر پر حملہ کیا تو حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو فوج کے ایک حصہ کی سپہ سالاری عطا کی اس طرح انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر مصر فتح کیا۔ پھر انہوں نے مصر کے بعد سوڈان فتح کیا۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص کو مصر اور سوڈان کا پہلا گورنر مقرر فرمایا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن سعد کو مصر اور سوڈان کے بیت المال کا افسر بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انہوں نے افریقہ کے سردار اُجل کا خاتمہ کر کے وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ یہ افریقی لوگ بہت اچھے اور نہایت فرمانبردار ثابت ہوئے۔ پھر انہوں نے عبداللہ بن نافع مہدی اور عبداللہ بن حصین فہری کو اندلس (اسپین) کی مہم پر بھیجا۔ ان دونوں نے اندلس فتح کر لیا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلی بحری جنگ ذات الصواری حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں لڑی اور رومی بحری بیڑہ کا خاتمہ کیا۔ شاہ قسطنطین بادشاہ روم اس جنگ میں زخمی ہو کر اور رومیوں کی شکست کے نظارے کی تاب نہ لا کر بھاگا۔ لہٰذا امیر البحر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی قیادت میں اس پہلی بحری جنگ میں مسلمانوں کی جیت ہوئی۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جیسے ایک جلیل القدر صحابی کے خلاف قرآن میں کوئی بات ہوتی اور رسول اکرم صلعم نے ان کے خون کو مباح قرار دیا ہوتا تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو حکومت کے عہدے پر فائز کرتے؟ ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ میں مسلمانوں کی قیادت کی باگ دے دی جاتی؟

تاریخ طبری کے بیانات پر غور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ سبائی پارٹی کے سرغنہ نے مصر کے عوام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے کی پُر زور کوشش کی مگر وہ لوگ اسے ایک دروغ گو سمجھ کر اس کی باتوں پر کان نہ دھرتے تھے۔ جب اس کا پروپیگنڈا مصر میں ناکام ٹھہرا تو اس نے اپنے سرغنہ کو اپنا ناکامی کی اطلاع دی۔ مدینہ کے سبائی پارٹی کے سرداروں نے محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابوبکر کو سکھا پڑھا کر بھیجا کہ تم یہ باتیں کہہ کر لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف بناؤ اور ان کو ہماری طرف مائل کرو۔ ورنہ بچے اپنے چھوٹے منہ سے بڑی باتیں کیسے نکال سکتے تھے؟

مصر میں پروپیگنڈے کا آغاز مورخ طبری لکھتے ہیں کہ جنگ ذات الصواری کے قبل جب مسلمانوں

نظر آتے ہیں۔ چالیس ہفتوں کے بعد بچہ ماں کی بچہ دانی سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ چالیس ہفتوں کے بعد پیدا ہونے کو ولادت کہا جاتا ہے۔ اٹھائیس یا تیس ہفتوں کے قبل اسے ساقط حمل یا حمل کا گرنا کہا جاتا ہے۔ حمل کے گر جانے اور بچہ کے تولد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

قرآن میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بتائی گئی ہے جو بالکل صحیح ہے۔ اس مدت میں نو ماہ حمل کے اور باقی دودھ پلانے کے ہیں۔ اکثر گھرانوں میں مرد بچہ کو پونے دو سال اور لڑکیوں کو سوا یا ڈیڑھ سال کے بعد دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ آج کل کی عورتیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی نہیں۔ مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان کا یہ عمل قرآنی احکام کے خلاف ہے۔

یزدجرد کی بیٹیاں ۳۱ھ میں کسریٰ کے آخری ساسانی خاندان کا بادشاہ یزدجرد جب مرو میں حضرت عبداللہ بن عامر اموی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا اس وقت اس کی تین بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئیں۔ خلیفۃ المسلمین نے حسب معمول ان کو بیت المال کی لونڈیوں کے ساتھ رکھنے کا حکم صادر فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احتجاج کیا کہ اس سے شاہی خاندانی اسیروں کی توہین ہوگی حالانکہ اس وقت ایران کا شاہی خاندان ناپید ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تینوں لڑکیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا کہ وہ جو چاہیں کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان شاہی اسیران کی قیمت لگائی اور ایک کو اپنے بیٹے حسین کے حوالے کیا۔ دوسری کو اپنے ربیب محمد بن ابوبکر (قاتل عثمان رضی اللہ عنہ) کو دیا۔ اور تیسری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی بنی۔

غرضیکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہر بات میں مخالفت کی داستانیں مملکت اسلامیہ میں ہر طرف پھیلنے لگیں تو اُن اصحاب رسول کے لئے تشویش اور پریشانی کا باعث بنیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کو اپنا جزو ایمان بنایا تھا اور اسلامی مملکت کے قیام کے لئے اپنا خون بہایا تھا۔ مگر منافقین کا گروہ اس سے خوش ہوا اور وہ ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں حضرت علی کے پاس جمع ہونے لگے۔

سبائی پارٹی کا قیام علامہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ وہ (عبداللہ بن سبا) مدینہ آیا اور بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے مدینہ میں رہ کر مسلمانوں کی اندرونی اور داخلی کمزوریوں کو خوب جانچا اور مخالف اسلام تدابیر کو خوب سوچا۔ مدینہ میں وہ کب

لیکن وہ میرا بیٹا ہے۔ اگر حضرت عثمان رضؓ کے خلاف بے جا الزامات لگانے میں حضرت علی کا ہاتھ نہ ہوتا تو وہ اپنے محبوب ربیب محمد بن ابو بکر کو مصر جانے ہی کیوں دیتے! لہٰذا مصر میں دونوں محمد اپنی زبانوں سے حضرت علی رضؓ کی پارٹی کا پڑھایا ہوا سبق دہراتے رہے اور جب ان کے زبانی مصریوں نے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے خلاف غلط شکایات اور بے جا الزامات کی طویل فہرست سنی تو انہوں نے اس پر توجہ دی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضؓ کا ربیب اور حضرت عثمان کا پالا ہوا لڑکا کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے جب انہوں نے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہوگا۔ پھر مصر کے چند قبطی نو مسلم سبائی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اس کے قبل عبداللہ بن سبا، خالد بن ملجم، سودان بن حمران، کنانہ بن بشر وغیرہم نے جان توڑ کوششوں کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں کی تھی

باب — ۱۳

حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شورشیں ہوئیں

پہلی شورش پھر مصر کے بانیوں نے دوسرے صوبوں میں اپنے متعلقین کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے سازش کی اور اپنے پیروں کو لکھا کہ وہ مدینہ کے قریب پہنچیں تاکہ وہاں بیٹھ کر سوچیں اور غور کریں کہ ان کا آئندہ اقدام کیا ہو اور یہ بھی لکھا کہ اپنے اپنے صوبوں کے عوام میں یہ مشہور کریں کہ وہ اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے مدینہ جا رہے ہیں۔ پھر ایک مقررہ روز سب لوگ مدینہ کے قریب جمع ہو گئے۔

تحقیقاتی افسر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو تحقیقاتی افسر بنا کر بھیجا کہ تم دونوں جا کر معلوم کرو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ شورش پسندوں نے الزامات کی ایک فہرست پیش کر کے کہا کہ ہم واپس جا کر لوگوں کو بتائیں گے کہ ہم نے حضرت عثمان پر یہ نکتہ چینی کی اور حضرت عثمان رضؓ نے یہ جواب دیا اگر وہ ان الزامات کا معقول جواب نہیں دیں گے تو ہم ان کو گھیر کر معزول کر

"قیس بن سعد رضؓ کی دھوکہ دہی" مدینہ کے عجمی غلاموں کے علاوہ بھی چند افراد حضرت علی رضؓ کی سبائی پارٹی کے رکن تھے ان میں سے اکثر وہ لوگ تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں عیسائی یا یہودی مذہب کو قبول کر لیا تھا۔ اور پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو مجبوراً مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک عدی رضؓ بن حاتم تھے۔ اسلام لانے کے قبل وہ عیسائی تھے۔ مگر جب اسلام کو ذک پہنچانے کا موقع ہاتھ آیا یعنی مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر انہیں کمزور کرنے کا تو وہ علی کی سبائی پارٹی کے رکن بن گئے۔ ان کے فرزند ارجمند حجر بن عدی بھی اسی صف میں شامل تھے۔

انصار میں قیس بن سعد رضؓ حضرت علی کی سبائی پارٹی کے مشہور اور نہایت قابل رکن تھے۔ حضرت علی رضؓ کی طرف سے صوبہ مصر کے عامل بن کر جب گئے تو مقام ایلہ میں انہیں کچھ سوار ملے۔ انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو۔ کہنے لگے کہ میں حضرت عثمان رضؓ کا قاصد ہوں۔ حالانکہ وہ حضرت علی رضؓ کی طرف سے گورنر بن کر مصر کا انتظام سنبھالنے جا رہے تھے۔ بحیثیت ایک صحابی کے انہیں سچ کہنا چاہیے تھا۔ مگر علی کے تمام طرفدار دھوکہ دہی میں ایک سے ایک سبقت کرتے تھے۔ طبری نے "قیس رضؓ بن سعد رضؓ کی دھوکہ دہی" کے عنوان کے تحت اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حصہ سوم کا حصہ دوم ص ۵۶ مع)

حضرت سعد رضؓ بن عبادہ نے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد خلافت پر متمکن ہونے کی کوشش کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام انصاریوں کو جمع کیا۔ اگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم وقت پر پہنچ کر ان کی سازش کو ختم نہ کیا ہوتا تو وہ خلافت پر زبردستی قبضہ کر لیتے انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ ان کے بیٹے قیس بن سعد کا دل بھی رنجش میں مبتلا تھا۔ اسی لئے انہوں نے انصاریوں کی اکثریت کی مخالفت میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔

حضرت عثمان رضؓ کا نمک حرام غلام حمران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا علامہ محب الدین الخطیب نے العواصم میں لکھا ہے کہ وہ بہت شریر آدمی تھا۔ اس نے ایک مطلقہ عورت سے اس کی عدت ختم ہونے کے قبل نکاح کر کے اس کے پاس گیا۔ اس پر ناراض ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے برطرف کر دیا۔ یہ شخص بھی حضرت علی کی حمایت میں قائم ہونے والی سبائی پارٹی کا ممبر تھا۔ اس کی شرارتوں کی وجہ سے امیر المومنین نے اسے مدینہ سے شہر بدر کر دیا۔ یوں یہ شخص کوفہ پہنچا۔ وہاں بھی بے جا حرکتیں کیں اور ایک عابد اور صالح اللسان عامر بن قیس کے

نے عصر کی نماز پڑھی تو نماز کے اختتام پر کسی نے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا۔ امیر البحر حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جو نماز کی قیادت کر رہے تھے۔ دریافت کیا کہ یہ تکبیر کی آواز کس نے؟ کہا گیا کہ ایک نوجوان محمد بن ابی حذیفہ نے یہ تکبیر کہی تھی۔ عبد اللہ بن سعد نے انہیں اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تم نے بدعت کے طور پر یہ نئی بات کیوں نکالی۔ محمد بن ابی حذیفہ نے کہا کہ یہ بدعت کیونکر ہوئی۔ تکبیر کہنے میں کیا حرج ہے۔

پھر مغرب کی نماز میں محمد بن ابی حذیفہ نے اور بھی زیادہ بلند آواز سے تکبیر کہی حالانکہ انہیں بدعت سے باز رہنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن سعدؓ نے انہیں پھر بلایا اور کہا کہ "حقیقت میں ایک بے وقوف نوجوان ہو۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ امیر المومنین کا اس بارے میں کیا رد عمل ہوگا ورنہ بخدا میں تمہاری خوب خبر لیتا۔ محمد بن حذیفہ نے کہا کہ بخدا یہ بات تمہارے امکان میں نہیں ہے۔ کیونکہ میں حضرت عثمان کا پالا ہوا ہوں۔ اگر کرنا چاہو تو تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس جواب پر حضرت عبد اللہ بن سعد نے کہا تم زبان بند رکھو۔ اس میں تمہاری بہتری ہے۔ تم ہمارے ساتھ سوار مت ہو تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔

چنانچہ محمد بن ابی حذیفہ ایک تنہا کشتی میں سوار ہوا۔ اس کے ساتھ چند قبطی افراد تھے اور جب مسلمان جنگ ذات الصواری سے واپس ہو رہے تھے تو اس وقت محمد بن ابی حذیفہ کسی سے کہہ رہا تھا "بخدا ہم نے اپنے پیچھے ایک بڑے جہاد کو ترک کر دیا۔" ایک شخص نے دریافت کیا وہ کونسا جہاد تھا جسے ہم نے ترک کر دیا اس کے جواب میں محمد بن ابی حذیفہ نے کہا کہ عثمان نے ایسے ایسے کام کئے للہٰذا ان کو خلافت سے الگ کرنا ہمارا سب سے بڑا جہاد ہوگا، وہ ایسی ایسی باتیں کرتا رہا۔ تا آنکہ اس نے مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کر دیا اور جب وہ اپنے وطن واپس آئے تو گمراہ ہو چکے تھے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگے تھے جنہیں وہ اپنی زبان سے پہلے نہیں نکال سکتے تھے۔

محمد بن حذیفہ مخالف کیسے بنا؟

محمد بن ابی حذیفہ رضا بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سوتیلا بیٹا تھا۔ جیسا کہ اس کے شجرۂ نسب سے ظاہر ہے وہ حضرت علی رضا کا بھی نہایت قریبی رشتہ دار تھا اور ان کے گھر جایا کرتا تھا۔ علی رضا کا ربیب محمد بن ابی بکر بھی اس کا ہم عمر تھا۔ دونوں مل جل کر رہتے تھے محمد بن

ابی بکر کے طفیل سے وہ سبائی پارٹی کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ بعد میں کسی نے سکھایا کہ جاؤ خلیفۃ المسلمین کے پاس اور ان سے کہو کہ جس طرح انہوں نے تمہارے چچا ولید بن عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف کو نہایت کم عمری میں کوفہ کا گورنر بنا دیا ہے اسی طرح تمہیں بھی مصر کی ولایت عطا کر دیں۔ محمد بن ابی حذیفہ اس گمراہ کرنے والے کی باتوں میں آگیا۔ جب اس نے حضرت عثمان رضا سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو امیر المومنین نے فرمایا کہ تم ابھی کمسن ہو اور جب ولید بن عقبہ والی کوفہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ وہ کوفہ کا گورنر بننے سے پہلے نظام حکومت کی تربیت حاصل کر چکا تھا۔ للہٰذا تم بھی اس کام کے لئے قابلیت پیدا کرو۔ کسی سرحدی فوج میں شامل ہو کر قیادت سیکھو۔ غرض جب مقصد میں ناکامی ہوئی تو حضرت عثمان رضا کے خلاف ان کے دل میں زہر گھول دیا گیا اور ان کو سبائی پارٹی کی تربیت دے کر مصر بھیجا گیا جہاں انہوں نے حضرت عثمان غنی رضا کے خلاف وہ باتیں کیں کہ جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

محمد بن ابو بکر بھی مصر پہنچ گیا

پھر اس کی حمایت کے لئے حضرت علی رضا نے محمد بن ابی بکر کو بھی مصر بھیج دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گذارش کی کہ اسے مصر کی ولایت عطا کی جائے۔ جس طرح ان کے ہمدم اور ساتھی محمد بن ابی حذیفہ نے اس سے پہلے گذارش کی تھی۔ ان دونوں نوجوانوں نے ایک ہی مکتب میں اپنا سیاسی سبق پڑھا تھا۔ ایک ہی مقصد کے لئے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے مصر میں جو کچھ کیا اس کا خاکہ مدینہ میں پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ اس زمانے کے واقعات کا نہایت غور سے مطالعہ کرنے سے حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مصر میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ کسی کے اشاروں پر کیا۔

تاریخ طبری میں امام زہری کی روایت موجود ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ رضا اور محمد بن ابی بکر رضا دونوں ۳۰ھ ہجری میں منظر عام پر آئے ان دونوں افراد نے حضرت عثمان رضا کے عیوب بیان کئے اور ان کی تبدیلی کا کھلم کھلا اظہار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے

"حضرت عثمان رضا نے حضرت ابو بکر رضا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے طریقے کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے عثمان رضا کا خون حلال ہے۔"

محمد بن ابی بکر کے متعلق حضرت علی رضا ہمیشہ دعوی کرتے تھے کہ محمد ہے تو ابو بکر رضا کے صلب

متعلق جھوٹی باتیں ارباب حکومت کو پہنچائیں۔ چنانچہ سزا کے بعد اسے کوفہ سے بھی نکالا گیا۔ پھر یہ شخص شام چلا گیا۔ لیکن حضرت ولید بن عقبہ عامل کوفہ کے خلاف شرب خمر کی گواہی دینے کے لئے وہ مدینہ آیا شاید پارٹی کے سربراہوں نے اسے حکم دیا تھا۔

حکیم بن جبلہ

یہ ایک چور تھا جو بصرہ میں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی فوجوں کے ساتھ نکلتا اور جب مسلم فوجیں اپنی جنگی مہمات ختم کر کے واپس لوٹتیں تو وہ ان کے پیچھے رہ جاتا اور پھر فارس کے علاقہ میں گھس کر ذمیوں کو لوٹتا۔ ذمیوں نے تنگ آ کر اس کے خلاف شکایت کی اور حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین کے حکم پر اسے قید کر دیا۔ یہ بھی سبائی پارٹی کا رکن بن گیا کیونکہ اسے حکومت کے ارباب سے بغض تھا۔ حضرت علی نہ جانتے تھے کہ وہ ان کے کام کا آدمی تھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنے داعی کبیر عبداللہ بن سبا کو سب سے پہلے اس چور سے تعلقات قائم کرنے کے لئے بھیجا ورنہ یمن کا رہنے والا بصرہ میں مقیم چور کو کیا جانتا تھا؟

سبائی پارٹی کا طریقِ کار

غرض سبائی پارٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس کے اراکین کی صورت شکل سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد اب اس کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالنی چاہئے۔

طبری نے یزید فقعسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے مسلمانوں سے (یعنی عراقی اور ایرانی غلاموں سے) کہا کہ تم اس کام کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اس کا آغاز اپنے حکام پر طعن و تشنیع سے کرو۔ یہ ظاہر کرو کہ تم نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور برے کام سے روکتے ہو۔ اس طرح تم عوام کو اپنی طرف مائل کر سکو گے۔ اس کے بعد انہیں اس کام کی طرف" بلاؤ یعنی امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے ہٹانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرو۔

اس طرح اس نے اپنی خفیہ تحریک کا پروپیگنڈہ شروع کیا اور تربیت یافتہ کارکنوں کو چاروں طرف بھیجا۔ ہر شہر میں خفیہ اڈے قائم کئے جو شہر والے حکام سے بغض و عناد رکھتے تھے، ان سے خط و کتابت کی۔ حکام سے بغض و عناد رکھنے والے لوگ بھی ان خفیہ اڈوں سے خط و کتابت کرتے رہے۔ خفیہ اڈے خفیہ طور پر اپنی تحریک کی طرف عوام کو دعوت دیتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی تحریک کی نشر و اشاعت وسیع کر دی اور جو کچھ خطوط میں لکھتے اس کے برخلاف معنی لیتے تھے۔

مدینہ میں خفیہ اڈے

حضرت ابوذر غفاری ۳۰ھ میں شام میں تھے۔ وہ اکثر اپنی تقریروں میں امیروں پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں مدینہ واپس بھیج دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو دیکھا لوگ مدینہ میں خفیہ اڈے بنا چکے ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی سے مل کر کہا کہ آپ مجھے ربذہ (مدینہ کے قریب ایک قریہ) میں جا کر آباد ہونے کی اجازت دیجئے "کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب مدینہ کی عمارتیں خفیہ اڈے بن جائیں تو میں وہاں سے نکل جاؤں"۔

مصر میں خفیہ تحریک پہلے پہل ناکام رہی

بصرہ، کوفہ اور دیگر بھی علاقوں میں عبداللہ بن سبا کی خفیہ تحریک بہت کامیاب رہی۔ کیونکہ ایرانی اور عراقی مجوسیوں نے دل کھول کر ہر طرح سے اس کی تائید کی۔ کوفہ میں ولید بن عقبہ کے خلاف سازش بہت کامیاب رہی۔ ان پر شراب نوشی کا جھوٹا مقدمہ قائم کر کے حضرت عثمان غنی کو جھوٹی شہادت پیش کی گئی اور اسی دُرّے لگا کے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کیا گیا۔ اسی طرح سعید بن العاص کو بھی جو ان کے بعد کوفہ کے گورنر بن کر آئے تھے، وہاں سے ہٹایا گیا۔ مورخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت ولید بن عقبہ اس زمانے میں سب سے کم عمری میں ایک بڑے صوبہ کے گورنر ہوئے۔ لیکن چونکہ وہ نہایت قابل اور نرم مزاج تھے اس لئے بہت جلد کوفہ والوں کے منظورِ نظر بن گئے اور وہاں ساڑھے پانچ سال تک گورنر رہے۔ سبائیوں کو یہ ناگوار گزرا تو انہوں نے ان کو وہاں سے ہٹانے کے لئے ان پر شراب نوشی کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا۔

بصرے میں بھی ان کی شرارتیں شروع ہوئیں لیکن حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کی چلنے نہ دی اور لوگوں کو خدا کی راہ میں لڑنے کی طرف مائل کر کے ان کی مدد اور تعاون سے خراسان فتح کیا پھر یکے بعد دیگرے مرو روز، طالقان، نساریاب، جوزجان، طخارستان، بلخ اور ہرات فتح کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کے ہاتھوں اتنے علاقے فتح نہیں ہوئے۔ جتنے علاقے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔

مگر مصر میں حکومت کے خلاف کوئی بل چل نہیں مچی۔ لوگ عبداللہ بن سبا کی باتوں میں نہ آئے۔ نہ انہوں نے اپنے والی حضرت عبداللہ بن سعد بن سرح رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی چیخ و پکار کی۔ داعی کبیر نے وہاں کی سیاسی حالت سے مدینہ کے خفیہ حلقوں کو آگاہ کیا تو

مدینہ کے داعی نے فوراً دو پروپیگنڈسٹ کو بھیجا۔ یہ دونوں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے تھے اور محمد بن ابوبکر حضرت علی کے سوتیلے بیٹے۔ ان دونوں کے مصر پہنچنے کے بعد وہاں حضرت علی کی خفیہ تحریک میں جان پڑ گئی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ امیرالمومنین حضرت عثمان رضؓ کے سوتیلے بیٹے امیرالمومنین کے خلاف الزامات دھرتے ہیں اور خلیفۂ اول کے بیٹے بھی ان کی تائید کرتے ہیں تو لوگ زیادہ تعداد میں ان کی تقریریں سُننے کے لئے ان کے پاس جمع ہوئے۔

امام زہری کی روایت

امام زہری فرماتے ہیں کہ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر دونوں اس سال (۳۱ھ میں) منظر عام پر آئے۔ جس سال عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بحری جنگ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ یہ دونوں افراد حضرت عثمانؓ کے عیوب کا کھلم کھلا اظہار کر کے ان کی تبدیلی کا مشورہ دیتے۔ وہ کہتے:۔

”عثمان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقے کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے عثمان کا خون حلال ہے۔“

ان کا قول تھا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو حاکم مقرر کیا ہے۔ جس کے خون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح قرار دیا تھا اور قرآن کریم نے اس کے کفر کا اعلان کیا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو نکال دیا تھا۔ مگر ان لوگوں کو واپس بلا لیا گیا۔ اور رسول اللہ صلعم کے صحابہ کو نکال دیا گیا۔ نیز انہوں نے سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر کو حاکم مقرر کیا۔ ہم اس شخص کے ساتھ مل کر کیسے جنگ کر سکتے ہیں۔ جو ہمارا حاکم بننے کے قابل نہیں ہے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو عثمان نے حاکم مقرر کیا ہے۔ جنہوں نے ایسے ایسے افعال کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حمص اور قنسرین کے علاقے عمیر بن سعد بن ابی سرح کے ماتحت تھے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی ان علاقوں کے نظم و انتظام میں اپنے بھائی کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ گویا وہ خلیفۂ ثانی کے عہد میں حکومت سے منسلک ہوئے۔ پھر

دیں گے اور اگر وہ انکار کریں تو ہم انہیں قتل کر دیں گے۔

پھر ان تحقیقاتی افسروں نے حضرت عثمان رضؓ کو ان سازشیوں کے مطالبات اور پروگرام سے مطلع کر دیا۔

حضرت عثمان رضؓ کی کمزوری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً مدینہ کے ارباب حل و عقد کو مسجد نبوی میں نماز کے لئے جمع کر کے بعد حمد و ثنا شرپسندوں کے مفسدانہ مطالبات سے آگاہ فرمایا دونوں تحقیقاتی افسروں نے بھی اپنی رپورٹ پیش کی۔ سب نے واردات سُن کر متفقہ فیصلہ دیا کہ شرپسند عناصر کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا ایک مستقل خلیفہ (حاکم) ہوتے ہوئے کسی اور شخص کو خلیفہ بنانے کی دعوت دے۔ اس پر خدا کی لعنت ہے۔ تم اسے قتل کر دو۔ سبائی پارٹی کی دعوت یہ تھی کہ مستقل خلیفہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر کے ان کی جگہ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنا دو۔ لہٰذا وہ سب واجب القتل تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا تھا کہ میں ایسے شخص کے لئے کوئی رعایت نہیں دیتا ہوں مگر یہ کہ تم اسے قتل کر دو۔ میں بھی اس کام میں تمہارا شریک ہوں۔

لیکن حضرت عثمان رضؓ نے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا کہ ہم کسی سے عداوت نہیں رکھتے اور کسی کو سزا نہیں دیں گے جب تک کہ وہ حد شرعی کے گناہ کا مرتکب نہ ہو اور یا اظہار کفر نہ کرے (طبری)

ہدیۃ الشیعہ میں جناب قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ فرماتے تھے۔ واللہ خونریزی خلق سے پہلے اگر میں مقتول ہو جاؤں تو یہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اس بات سے کہ میں خونریزی کے بعد مارا جاؤں یعنے میری شہادت تو لکھی ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم لڑو یا نہ لڑو، تم مقتول ضرور ہو گے۔ سو کیا فائدہ کہ لوگ بھی مارے جائیں اور مطلب بھی حاصل نہ ہو۔“ حضرت علیؓ کو بھی رسول اکرم صلعم نے معقول ہدایات دی تھیں مگر علی نے ان کی پرواہ نہیں کی۔

شرپسندوں کے الزامات کا جواب

امیرالمومنین نے شرپسندوں کے الزامات کے جواب میں فرمایا:۔

(۱) مَیں نے سفر (منا) میں پوری نماز پڑھائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مَیں ایسے شہر میں تھا جہاں

میرے بال بچے میرے ساتھ تھے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں یہ بات بالکل صحیح ہے۔

(۲) لوگ کہتے ہیں میں نے چراگاہیں محفوظ کرلیں۔ جواب یہ ہے کہ میں نے بخدا اپنے لئے کوئی چراگاہ محفوظ نہیں کی۔ میں نے مسلمانوں کے صدقات کے مویشیوں کے لئے چراگاہیں محفوظ کیں تاکہ کسی کے ساتھ کوئی تنازعہ برپا نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بھی صدقات کے مویشیوں کے لئے چراگاہیں محفوظ کیں تھیں مزید چراگاہوں کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ اب صدقات اور غنیمت کے جانوروں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔

(۳) لوگ کہتے ہیں کہ میرے پاس بہت زیادہ بکریاں اور بھیڑیں اور دوسرے جانور ہیں جواب یہ ہے کہ جب میں خلیفہ ہوا تھا۔ اس وقت اہل عرب میں سب سے زیادہ میرے پاس بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے۔ مگر اب حج کی سواری کے لئے میرے پاس صرف دو اونٹوں کے علاوہ اور کوئی جانور نہیں ہے۔ کیا ایسا ہی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔

(۴) لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں میں تھا۔ میں نے اسے ایک کر دیا جواب اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ہے جو خدائے واحد کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور میں اس معاملہ میں میرے پیش رُوں کا تابع ہوں (یعنے قرآن کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ اس جمع شدہ قرآن کی میں نے کاپیاں لیں اور مسلم صوبوں میں تقسیم کرا دیں) کیا ایسا ہی ہے، لوگوں نے کہا ہاں بے شک یہی بات ہے۔

(۵) لوگ کہتے ہیں کہ میں نے حَکَم کو واپس بلا لیا حالانکہ رسول اللہ صلعم نے انہیں جلا وطن کر دیا تھا۔ جواب یہ ہے کہ حَکَم مکہ کے باشندے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مکہ سے طائف جلا وطن کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انہیں واپس بلا لیا۔ اس طرح یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ جنہوں نے انہیں جلا وطن کیا، اور پھر انہیں واپس بلا لیا۔ کیا ایسا ہی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ (حکم کے متعلق منافقوں نے بہت کچھ پروپیگنڈا کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کا یہ جواب اس غلط پروپیگنڈے کی نفی کرتا ہے)

(۶) لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نوعمر لوگوں کو حاکم بنایا ہے۔ (جواب) میں نے قابل، پسندیدہ اور

متحمل مزاج افراد ہی کو حاکم بنایا ہے۔ ان نوعمر حاکموں کی قابلیت کے متعلق تم ان لوگوں سے پوچھو جو ان کی عملداری کے اندر رہتے ہیں اور ان کے شہروں کے باشندے ہیں مجھ سے پہلے بھی بہت کم عمر شخص کو حاکم بنایا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا تھا تو اس وقت آپ پر بھی اس سے زیادہ اعتراض کیا گیا تھا۔ جو مجھ پر اعتراضات کئے جا رہے ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے؟ لوگوں نے کہا بے شک لوگ ایسے اعتراضات کر رہے ہیں۔ جو ثابت نہیں کر سکتے۔

(۷) لوگ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مالِ غنیمت کا خاص عطیہ دیا۔ جواب یہ ہے۔ کہ میں نے مالِ غنیمت کے خمس میں سے پانچواں حصہ بطور انعام دیا تھا جو ایک لاکھ کی رقم تھی۔ ایسے احکامات حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے بھی جاری کئے تھے مگر جب فوج نے اس بات کو ناپسند کیا۔ تو میں نے یہ رقم واپس لے کر انہیں میں تقسیم کر دی۔ کیا یہی بات ہے؟ لوگوں نے کہا "ہاں بے شک"

(۸) یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان پر بخشش کرتا ہوں۔ (جواب) جہاں تک گھر والوں سے محبت کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ سے میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا بلکہ میں اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرتا ہوں اور صرف اپنے ذاتی مال میں سے انہیں عطیات دیتا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک مسلمانوں کا مال اپنی ذات پر خرچ کرنے یا کسی اور کو دینے کے لئے حلال نہیں ہے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں اپنی ذاتی ملکیت میں بہت زیادہ خیرات کیا کرتا تھا۔ وہ میرے شباب کا زمانہ تھا، جبکہ میں کنجوس اور کفایت شعار تھا۔ اب جبکہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں۔ اور میری عمر فنا ہو رہی ہے اور تمام سرمایہ گھر والوں کے لئے چھوڑ رہا ہوں۔ اس زمانہ میں یہ ملحد یہ باتیں بنا رہے ہیں۔

خدا کی قسم میں نے کسی شہر سے کوئی فالتو مال کبھی حاصل نہیں کیا جس کی وجہ سے لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملا ہو۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ زائد مال اُنہی کو لوٹا دیا کرتا تھا اور میرے پاس صرف خمس ہی پہنچتا تھا۔ اس خمس میں بھی میں نے کوئی چیز اپنے لئے روا نہیں رکھی۔ میں صرف اپنے

ذاتی مال میں سے گذر اوقات کرتا ہوں۔

(۹) لوگ کہتے ہیں کہ مَیں نے لوگوں کو اراضی عطا کی۔ جواب یہ ہے کہ اُن اراضی میں مہاجرین وانصار کے وہ لوگ شریک ہیں جنہوں نے انہیں فتح کیا۔ لہٰذا جو لوگ ان فتوحات کے مقامات پر مقیم ہوتے وہ ان اراضی کے مالک ہوئے۔ مگر جو اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آگئے وہ اپنی اراضی کو اپنے ساتھ نہیں لا سکے۔ میں نے اس قسم کی اراضی کے متعلق غور و خوض کر کے اصل مالکوں کی اجازت اور مرضی سے عرب کی اراضی کے ساتھ ان کا تبادلہ کیا۔ اس طرح یہ اراضی ان کا لوگوں کے قبضہ میں ہے۔ میری ملکیت میں نہیں ہیں۔ (طبری)

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان شرپسندوں کے تمام جھوٹے الزامات کے تشفی بخش جوابات دے دیئے۔ مگر انہوں نے ملحدوں اور مفسدوں کے ساتھ نرمی اختیار کر کے اپنی کمزوری کا اظہار کیا۔ مدینہ کے عام وخاص لوگ مطالبہ کرتے رہے کہ ان سب کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمان نے ان سب کو معاف کر دیا۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اس پہلی شرانگیزی کو ختم کرنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ حضرت علی کی مدد طلب فرمائی نہ ہی علی ہی ان کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ وہ پیچھے رہ کر دیکھ رہے تھے کہ امیر المومنین اپنی مدافعت میں سخت رویہ اختیار کرتے ہیں یا نرمی سے کام لیتے ہیں کیونکہ ان کے اگلے اقدامات خلیفہ کے اسی رویہ کے مطابق طے کرنے تھے۔

دوسری شورش
یہ منصوبہ مدینہ ہی میں تیار ہوا تھا

چنانچہ سبائی پارٹی کے شرانگیز لوگ اپنے سرغنہ سے مشورہ کر کے واپس لوٹ گئے اور اپنے اپنے شہروں کو پہنچ کر ایک دوسرے کو اپنی نئی اسکیم سے آگاہ کیا اور حضرت عثمان رضہ کی خلافت کے بارھویں سال جب شوال کا مہینہ آیا تو وہ سب اپنے اپنے شہروں سے حاجیوں کی شکل میں چل پڑے اور مدینہ کے قریب آکر ٹھہر گئے۔ اس بار جب وہ آئے تو نہایت منظم تھے۔ مصر سے چار قافلے نکلے۔ بصرہ سے چار اور کوفہ سے چار اور ہر ایک شہر کے قافلے میں چھ سُو افراد سے ایک ہزار تک لوگ تھے اور ان تمام لوگوں کی تعداد دو ہزار سے زائد نہیں تھی۔ وہ اپنے اپنے شہروں میں یہ کہہ کر نکلے کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔ کسی کو ان کی مفسدانہ اور فتنہ انگیز چال کی خبر نہیں ہوئی۔

مصر کا سرغنہ غافقی بن حرب عکی تھا۔ کوفہ کا عمرو بن اصم اور بصرہ کا حرقوص بن زہیر سعدی ان تمام سرداروں کا سردار عبداللہ بن سبا تھا جو اپنے آپ کو سب سے پیچھے رکھتا تھا۔ (طبری) مگر عبداللہ بن سبا کا سردار مدینہ میں پسِ پردہ رہتا تھا۔

جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اہل مدینہ نے اپنے شہر کو ان مفسدوں سے بچانے کی تیاری شروع کی۔ ٹوہ لینے کے لئے مفسدوں کے سرداروں نے اپنی جماعتوں کو پیچھے چھوڑ کر مدینہ کی فضا میں داخل ہوئے اور ظاہر کیا کہ وہ حج کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ امیر المومنین ہمارے بعض حکام کو معزول کر دیں۔ ہم صرف اسی مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں۔

مدینہ کے لوگوں نے کہا "نیک لوگ جانتے ہیں کہ ذوالمروہ، ذوخشب اور اعواض کے لشکر پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے تم یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ اللہ تمہاری صحبت سے ہمیں بچائے۔" چنانچہ سرداروں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے لشکروں کو اپنے مقامات سے لے کر نکل پڑے مدینہ کے لوگ دیکھ رہے تھے کہ باغی لشکر اپنے مقامات سے واپس جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے مکانات کی راہ لی اور اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دیا اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ پھر اچانک باغی لوگ واپس آگئے اور مدینہ میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور گھر کے چاروں طرف خیمہ زن ہو گئے اور اعلان کیا کہ "جو ہتھیار نہیں اُٹھائے گا وہ ہماری پناہ میں ہے۔"

مدینہ کے لوگ جن میں حضرت علی رضہ بھی شامل تھے باغیوں کے پاس آئے۔ اور ان سے پوچھا کہ جب تم اپنے خیالات کو تبدیل کر کے لوٹ چکے تھے تو پھر واپس کیوں آئے۔ وہ بولے ہم نے قاصد کے ہاتھ سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل مصر، اہل کوفہ اور اہل بصرہ تینوں نے یہی ایک جواب دیا۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا۔ اہل کوفہ و بصرہ! تمہیں اہلِ مصر کی اس بات کا علم کیسے ہوا جب کہ تم کئی منزل طے کر چکے تھے۔ بخدا یہ منصوبہ مدینہ ہی میں تیار کیا گیا تھا۔ وہ بولے آپ جیسا چاہیں خیال کریں ہمیں اس شخص کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہمیں دھوکہ دیتا ہے۔ (طبری)

تاریخ کی دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسلم بن مسلمہ انصاری نے وہ بات

کہی جو طبری نے حضرت علی رضؓ کے زبانی کہلوایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو پارٹیاں مختلف سمتوں میں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئی تھیں۔ اور کئی منزلیں طے کر چکی تھیں وہ سب اچانک کیسے واپس آ گئیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوا آپس میں ان کی ملی بھگت سے ہوا۔

لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کو شہید کر دینے کا منصوبہ مدینہ ہی میں اس وقت تیار ہوا جبکہ پہلی شورش کے بعد خلیفۃ المسلمین کے جوابات سن کر شر پسند لوگ نہایت شرمندہ ہو کر اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے تھے اور واپس جانے سے پہلے اپنی پارٹی کے اقتدار اعلیٰ سے ملاقات کے لئے جمع ہوئے تھے جس کا ذکر شیعہ مصنف ابن جریر طبری نے بالکل نہیں کیا ہے۔

حضرت علی رضؓ اور مصری باغیوں میں میل جول

شرح نہج البلاغہ جزو اوّل میں ابن ابی الحدید نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، کی سند سے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہہ دیا تھا کہ اگر عثمان رضؓ کی غیر طبعی موت واقع ہوئی تو اس کا بدلہ تلوار سے لیا جائے گا۔ یہ بات اس وقت کہی جب کہ وہ امیر المومنین سے ملاقات کے لئے آخری مرتبہ مدینہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ افواہ پھیل گئی ہے۔ جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ تاہم تم عوام کو اپنے بارے میں توقع نہ دلاؤ۔ کیونکہ اگر وہ اس کی طرف مائل ہو گئے تو تم ہمیشہ اس میں تنزل اور ادبار دیکھو گے۔ اس وقت حضرت علی نے امیر معاویہ کو گالی دی تھی کہ تمہارا ان باتوں سے کیا تعلق ہے اور تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ تمہاری ماں نہ رہے۔ (موسیٰ بن طلحہ رضؓ کی روایت)

حضرت علی رضؓ اور باغیوں میں میل جول بہت نمایاں تھا۔ باغیوں کے سرداروں سے وہ بہت تپاک سے ملتے تھے۔ ان کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ باغیوں کو وہ جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ ذی الحجہ کی عید کی نماز بھی انہوں نے پڑھائی۔ ان کے اس موافقانہ اور ہمدردانہ رویہ کو دیکھ کر ان کے خویش و اقارب بھی ان سے بدظن ہو گئے۔ حضرت زبیر بن العوام جنہوں نے حضرت رسول اللہ کی وفات کے موقع پر تلوار نیام سے نکال کر کہا تھا کہ جب تک لوگ علی کی بیعت نہیں کرتے میں تلوار نیام میں واپس نہیں ڈالوں گا۔ وہ بھی حضرت علی کے رویہ سے تنگ آ کر ان کی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور حسن بن علی بن ابی طالب تو

انہیں بار بار سمجھاتے رہے کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور اپنی جاگیر ینبوع میں جا کر رہیں۔ حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر بن العوام رضؓ کے بچے اور ان کے عزیزوں نے ان دونوں بزرگوں کو مدینہ سے باہر چلے جانے کا کبھی مشورہ نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی حضرت عثمان رضؓ سے مخالفت محصوری کے زمانے میں اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز بھی اس نازک موقع پر ان کا مدینہ میں رہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

ناجائز کام کو جائز کر لینا

محصوری کے زمانے میں پہلے سے طے شدہ فیصلے کے مطابق کبھی کبھی حضرت علی رضؓ باغیوں کو جھڑکیاں بھی دیتے تھے تاکہ مدینے عرب نسل باشندے حقیقت سے ناواقف رہیں کہ ان میں اور باغیوں میں گٹھ جوڑ ہے کوفہ اور بصرے سے آئے ہوئے شورش پسندوں نے سمجھا کہ حضرت علی خلیفہ بننا نہیں چاہتے۔ اس لئے وہ لوگ حضرت طلحہ رضؓ کے پاس ان کے گھر پر جمع ہوئے۔ حضرت علی نے جب یہ حال دیکھا تو بیت المال کا دروازہ توڑ کر اس میں جو کچھ تھا لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس کی اطلاع ملتے ہی لوگ جو طلحہ رضؓ کے پاس جمع ہوئے تھے فوراً منتشر ہو گئے اور علی کے پاس جمع ہو گئے۔

(طبری جلد ۴ مترجم صفحہ ۳۴۵)

حضرت علی کے عظیم کارناموں میں مسلمانوں کے بیت المال کو خلیفۂ وقت کی بلا اجازت اپنی پارٹی کے لوگوں میں تقسیم کر دینا بھی شامل ہے اور شیعہ مصنف طبری نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ جھوٹ بھی لکھ دیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ مورخوں نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جنگِ جمل میں شریک ہونے والوں میں بصرہ کے بیت المال کی ساری رقم جو ساٹھ لاکھ سے زائد تھی تقسیم کر دی۔ ہر ایک کو پانچ سو درہم ملے۔ پھر فرمایا کہ شام میں بھی اگر ہمیں کامیابی حاصل ہو گی تو اسی طرح مزید عطیے تمہیں دیئے جائیں گے۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۵۴۱ البدایہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۴۔ الکامل جلد ۳ صفحہ ۳۵۹۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۸۔ شرح نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۹)

مورخین نے مزید لکھا ہے کہ بیت المال کے اس سیاسی تصرف پر حضرت علی کے فوجی سردار نے

ساتھ امانت اور بخشش سے کام لیا ہے:

حضرت عمرو بن العاص کی مدینہ سے روانگی

غرض حضرت علی اور باغیوں میں میل ملاپ اتنا نمایاں تھا کہ مدینہ کے لوگ سمجھ گئے کہ یہ ڈرامہ حضرت علی ہی کا رچایا ہوا ہے۔ وہ اپنی جگہ بالکل سہم گئے کیونکہ اس وقت مدینہ کے اصل باشندوں کی آبادی ایک چوتھائی ہو کر رہ گئی تھی ان کے اکثر لوگ مدینہ سے دور اسلامی مملکت کی سرحدوں پر جہاد میں مصروف تھے اور ان کے بھیجے ہوئے غلام اور لونڈیاں مدینہ کی گلی کوچوں میں دندناتی پھر رہی تھیں۔ برمزان نے ان سب کو ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے منظم کر کے حضرت علی رضؓ کی تائید میں کھڑا کر دیا تھا۔ حضرت علی کے اصحاب رسول بھی ایرانی اور عراقی مجوسی غلام تھے جن میں سے چند نے مصلحت کی بنا پر اسلام قبول کر لیا تھا تاکہ لوگ جان لیں کہ مدینہ میں مسلمان بھی حضرت علی کے ہمدرد و مددگار ہیں۔ مدینہ کے چند بوڑھے بڑے رہے سہے باشندے بھی حج کے لئے مکہ جا چکے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے بہت ہی کم لوگ مدینہ میں رہ گئے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو وہ بھی اپنے آل و عیال کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ ان کی موجودگی میں خلیفۂ رسول اللہ کو قتل کیا گیا تو لوگ انہیں بھی موردِ الزام ٹھہرائیں گے اس لئے کہ حضرت عثمان رضؓ نے انہیں مصر کی گورنری سے برطرف کر دیا تھا۔ لوگ اسی کو حیلہ بنا کر قتل کا الزام ان کے سر تھوپ دیں گے۔

خلافت سے دست برداری کا مطالبہ

حضرت وثاب رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ محصوری کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالک اشتر نخعی کو بلانے کے لئے مجھے بھیجا۔ جب اشتر پہنچا تو حضرت عثمان رضؓ نے پوچھا

اے اشتر! لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ بولا تین چیزوں میں سے کسی ایک کے طلبگار ہیں۔

(۱) لوگ چاہتے ہیں کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور منادی کر دیں کہ لوگ

جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں۔

(۲) یا خود آپ اپنا قصاص لیں۔

(۳) اگر آپ ان دو باتوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کرتے تو لوگ آپ کو قتل کر دیں گے۔

حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔ جہاں تک خلافت سے دست برداری کا سوال ہے تو میں اس قمیص کو نہیں اتار سکتا جسے اللہ بزرگ و برتر نے مجھے پہنایا ہے جہاں تک اپنی ذات سے قصاص لینے کا سوال ہے تو بخدا مجھے علم ہے کہ میرے دونوں پیش رو اور دونوں ساتھی اپنے آپ کو سزا دیتے تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔ اگر تم لوگ مجھے قتل کر دو گے تو بخدا میرے بعد تم میں اتحاد قائم نہیں ہو گا اور کبھی تم متحد اور مجتمع ہو کر نماز نہیں پڑھ سکو گے یہ جواب سن کر اشتر چلا گیا۔ (طبری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے مشورہ

جب عثمان غنی نے سنا کہ مصری بڑا ہنگامہ کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ ابن عمر رضؓ نے کہا کہ آپ خلعت خلافت کو مت اتاریئے اور اپنے قتل کا خوف نہ کیجئے۔ آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خلیفہ ہونے کی حالت میں قتل کئے جائیں کیونکہ اگر آپ قتل کے خوف سے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کریں گے تو یہ آئندہ کے لئے ایک مثال قائم ہو جائے گی۔ جب کسی خلیفہ سے چند لوگ ناراض ہو جائیں گے تو وہ اسے تخت خلافت سے اتر جانے کا مطالبہ کریں گے۔ اس سے دینِ اسلام میں سخت رخنہ پڑے گا۔ اور پھر خلیفہ کی کوئی وقعت باقی نہ رہے گی۔ پھر آپ کو یاد ہو گا کہ میری اور دیگر صحابہ کی موجودگی میں رسول اللہ صلعم نے آپ سے کہا تھا کہ "فلا تنزع قمیص الی اللہ تعالٰی" وہ قمیص خلافت کی قمیص ہے جس کی نسبت حضور انور نے ارشاد فرمایا تھا۔ اب آپ اپنی حجت پوری کرنے کے لئے مخالفوں کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی دعوت دیں۔ اگر وہ مان لیں تو فبہا۔ نہ مانیں تو آپ معذور ہیں اور کہا عثمان رضؓ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ کہ ان مفسدوں کا بست و کشود سب علی بن ابی طالب کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہیں تو آناً فاناً میں آپ کے منشاء کے مطابق ان باغیوں کو راضی کر سکتے ہیں۔ ان کی باگ

یقیناً علی ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرف چاہیں انہیں موڑ دیں۔ آپ ان ہی سے کہیئے اگر وہ چاہیں گے تو سب کچھ ہو جائے گا۔" (کتاب شہادت)

لا اُم لَکَ

اس مشورہ کے قبل جب باغیوں کی طغیانی حد سے تجاوز کر گئی تو حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علی، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو خلوت میں بلا کر فرمایا تھا کہ خلافت کی ہوائیں چل رہی ہیں جسے تم بخوبی دیکھ رہے ہو۔ اگر میری طرف سے تم لوگوں کو کچھ صدمہ پہنچا ہے تو میں اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ برائے خدا ایسا مت کیجیے کہ باغی محض اسی غرض سے تہلکۂ عظیم برپا کر دیں کہ تم میں سے ایک شخص میری بجائے خلیفہ بن بیٹھے۔ خلافت کی تمنا کو جس کا سر دست حاصل ہونا محال ہے دل سے نکال ڈالو کیونکہ تم میں سے کوئی خلیفہ ہو بھی گیا تو خوب سمجھ لینا کہ اس کی پائداری محال ہے۔ وہ زیادہ مدت تک خلیفہ نہ رہ سکے گا۔ یہ سنتے ہی علی کو غصہ آیا۔ ان کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور انہوں نے نا ملائم الفاظ عثمان غنی کی نسبت منہ سے نکالے۔ "مالک ولد الالک لا ام لک" حضرت عثمانؓ نے کہا۔ مجھے ماں کی گالی کیوں دیتے ہو۔ میرا تمہارا تو قریب کا رشتہ ہے اس کے جواب میں حضرت علی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۶۲)

اس حادثہ سے سب ہی جان گئے تھے کہ مدینہ میں باغیوں کا گھس آنا اور خلیفہ کے مکان کا محاصرہ کر لینا سب کچھ حضرت علیؓ کے اشاروں پر ہوا تھا۔

لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر علی کو بلا کر کہا کہ تم سے ہی یہ ممکن ہے کہ اس فتنہ کی آگ کو فرو کرو۔ سوائے تمہارے باغی کسی کی بات نہیں سنتے۔

حضرت علی نے کہا اچھا تم مجھ سے عہد و پیمان کرو کہ میں جو کچھ کہوں اس کی تعمیل میں سرمو تفاوت نہ کرو گے۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ بات قبول کر لی۔ یہاں ناظر اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ حضرت علی نے یہ مطلق نہیں کہا کہ باغیوں کی باگ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے رسوخ کو جو انہیں باغیوں میں حاصل تھا قبول کر لیا۔ بہر حال دونوں کا معاہدہ ہو گیا۔ عثمان رضؓ راضی ہو گئے کہ جو کچھ علی کہیں گے وہی کریں گے۔ (کتاب شہادت)

محمد بن ابوبکر کو مصر کا گورنر بنا دو

عہد و پیمان کے بعد حضرت علی باغیوں کی جماعت میں گئے اور انہیں کچھ سمجھایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں۔ جو کچھ آپ کہیں گے ہم کو عذر نہ ہو گا۔ یہ سن کر حضرت علی

حضرت عثمان کے پاس لوٹ آئے۔ اور کہا کہ باغی اس بات پر رضامند ہیں۔ کہ آپ مصر کی گورنری سے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابو بکر کو مصر کا گورنر بنا دیں۔ حضرت عثمان چونکہ وعدہ کر چکے تھے کہ جو کچھ تم کہو گے وہی کروں گا فوراً دو فرمان لکھ دیئے ایک عبد اللہ بن سعد کی معزولی کا اور ایک محمد بن ابو بکر کی تقرری کا۔ ادھر فرمانوں پر مہر لگی اُدھر باغی منتشر ہو کے اپنے اپنے وطن چلے گئے۔

محمد بن ابو بکر بھی مصر کے باغیوں کے ساتھ فرمانِ خلافت لے کر مصر روانہ ہوا۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد راستہ میں انہیں ایک شتر سوار ملا جو دو منزلوں کا ایک منزلہ کرتا ہوا مصر کی طرف جا رہا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس اونٹ پر وہ سوار تھا وہ حضرت عثمان رضؓ کا تھا۔ صاحب غنیہ کے قول کے مطابق اس شخص کا نام اسود بن سفیان سلمی تھا۔ باغیوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو اس نے کہا کہ میں عثمانؓ کا قاصد ہوں اور والی مصر کے پاس ان کا پیغام لے جا رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ والی مصر تو ہمارے ساتھ ہے اس نے جواب دیا کہ پیغام عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام ہے اور وہی اس کا مرسل الیہ ہے مصریوں نے پوچھا کہ عثمان کا کوئی خط تیرے پاس ہے جواب دیا کہ نہیں اس پر باغیوں نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس خط برآمد ہوا جس میں لکھا تھا کہ فلاں فلاں کو قتل کر دینا اور فلاں فلاں کو مشکیں بندھوا کے درختوں پر لٹکا دینا اور فلاں فلاں کو صرف قید کر دینا۔

خط پڑھتے ہی محمد بن ابی بکر اور اس کے رفیق باغیوں کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں انہوں نے بصرہ اور کوفیوں کے باغیوں کے پاس قاصد دوڑائے کہ سارا معاملہ دگرگوں ہو گیا ہے تم فوراً مسلح ہو کے مدینہ پہنچو۔ وہ نہایت تیزی سے واپس مدینہ چلے آئے۔ سیدھے حضرت علی کے پاس گئے اور ساری کیفیت بیان کر دی۔ حضرت علی کو خط دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ کو اپنے پاس بلا کر انہیں یہ ساری رام کہانی سمجھائی اور پھر سب مل کر حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئے۔ کل صحابہ خاموش بیٹھ گئے۔ چونکہ حضرت علی کو لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ عثمان یہ بتاؤ کہ غلام کس کا ہے جواب دیا کہ وہ میرا ہی غلام ہے پھر دریافت کیا کہ اونٹ جس پر وہ سوار تھا کس کا ہے۔ جواب ملا کہ میرا اونٹ ہے پھر حضرت علی نے خط دکھلا کے کہا کہ یہ خط آپ نے لکھوایا تھا یا آپ کے علم میں لکھا گیا۔ اور یہ مہر اس پر آپ نے

ہی اپنے ہاتھ سے کی تھی؟ جواب دیا نہ میں نے خط لکھا نہ یہ خط میرے علم میں لکھا گیا میں نے اس پر مہر کی۔ ہاں بے شک مہر میری ہے مگر نہ میں نے مہر کی اور نہ مجھے اس ہے۔

حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی بات کا یقین نہ آیا۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے اونٹ تمہارا، غلام تمہارا، مہر تمہاری اور پھر تمہیں اس خط کا علم نہ ہو۔

حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ علی میرے اس عذر کو تسلیم کرنے میں پس و پیش ہیں۔ تو آپ جذبہ میں بھر آئے اور فرمایا میں وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کی تحریر کا علم ہے نہ اس کے بھیجنے کا۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہ جو اس مجلس میں موجود تھے یک زبان کر بول اٹھے۔ عثمانؓ آپ نے سچی قسم کھائی ہے اور یقیناً آپ کا قول سچا ہے۔ اس پر چاروناچار حضرت علی کو بھی خاموش ہونا پڑا۔ پھر علی اس خط کو دیکھتے رہے آخر ان کی مہر سکوت ٹوٹی اور کہا مجھے یہ خط مروان آپکے داماد کے ہاتھ کا معلوم ہوتا ہے آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں۔

یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔ کیوں اور کس لئے مروان کو علی کے حوالے کیا جاتا؟ جبکہ خلیفہ وقت کی موجودگی میں رعایا میں سے کسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ خود حاکم بن جائے۔ اور خلیفہ کو کالعدم کر کے اس کے اختیارات خود لے لے اور ملزم پر اپنی طرف سے عائد کئے ہوئے الزامات کی تحقیقات خود کرنے بیٹھ جائے؟

اسی بنا پر حضرت عثمانؓ نے مروان کو علی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ مناسب یہ تھا کہ اگر مروان کو ملزم خیال کیا گیا تھا تو اس پر باقاعدہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا۔ برخلاف اس کے حضرت علی اپنے بعض صحابہ کو ساتھ لے کر واپس چلے آئے اور باغیوں کو آزادی دے دی کہ بوڑھے خلیفہ سے جس طرح چاہیں نپٹ لیں۔ چنانچہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ (مرزا حیرتؒ دہلوی از کتاب شہادت)

گھر کا محاصرہ نہایت سخت تھا۔ محترمہ نائلہ زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک خط کے مطابق جسے شیعہ مولف ابوالفرج الاصبہانی نے اپنی مشہور کتاب "اغانی" جلد دس صفحہ ۶۸ پر علامہ شعبی، مسلمہ بن محارب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ کی اسناد

سے درج کیا ہے باغیوں نے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کر رکھا تھا۔ دن رات دروازوں پر پہرہ تھا۔ ہرگز کوئی چیز اندر نہیں پہنچنے پاتی تھی۔ یہاں تک کہ پانی بھی بند کر دیا گیا تھا باغی باہر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے رہے گھر والوں پہ تیر اور پتھر برساتے رہے جس سے گھر کے تین آدمی شہید ہو گئے۔ مجبور ہو کر گھر کے آدمیوں نے حضرت عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی۔ بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمن کو واپس کر دیں اس سے باغی اور بھی دلیر ہو گئے۔ پھر انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی۔ اس خط میں یہ بھی درج ہے کہ محمد بن ابی بکر مصری جماعت کا سردار تھا۔ اور حضرت علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے امیرالمومنین کی کوئی مدد نہیں کی۔ نہ ان کی طرف سے لڑے نہ اس عدل سے کام لیا جس کا حکم اللہ تبارک تعالےٰ نے دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ تذکر کر رہے ہیں

ابوسعید انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام جن کا نام بھی ابوسعید ہے بیان کرتے ہیں کہ محاصرے کی حالت میں ایک دن حضرت عثمانؓ نے باہر جھانک کر فرمایا "السلام علیکم" باغیوں میں سے کسی نے بھی سلام کا جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کہ آیا تمہیں خبر ہے کہ میں نے رومہ کا کنواں اپنے مال سے خریدا تھا جس کا پانی میٹھا اور عمدہ تھا اور پھر اسے میں نے مدینہ کے تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ (حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلعم کی ہدایت پر یہ کنواں ایک یہودی سے نہایت اونچے داموں پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا) جس میں میرا بھی حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا "ہاں" آپ نے فرمایا۔ پھر مجھے اس کا پانی پینے سے کیوں روکا جا رہا ہے جبکہ میں کھارے پانی سے افطار کر رہا ہوں؟

پھر آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کہ میں نے اس قدر زمین خرید کر کے مسجد نبوی کی توسیع کی تھی۔ لوگوں نے کہا "ہاں" اس پر آپ نے پوچھا۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس قدر فضیلت بیان فرمائی۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا "ہاں" پھر آپ نے پوچھا کہ مجھ جیسے شخص کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے کیوں روکا جا رہا ہے؟ یہ سن کر لوگوں

نے دیا غیوں کے الگ گروہ نے) کہا کہ امیرالمومنین کو چھوڑ دو۔ لیکن مالک اشتر نخعی نے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ مکر کر رہے ہیں۔ (طبری) اور مالک اشتر حضرت علی کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔

ام المومنین پر تیر برسائے گئے

جب پانی کی تنگی کی خبر عام ہوئی جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضؓ کو سخت تکلیف ہوئی اور جب بچوں اور عورتوں کی حالت پانی نہ ملنے کی وجہ سے بہت بُری ہونے لگی۔ تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا پانی کا مشکیزہ لے کر گدھے پر سوار ہوئیں اور حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا قصد کیا۔ جب وہ صحیح سلامت دروازے پر پہنچیں تو باغیوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا اور پانی کے مشکیزہ کو تیر سے چھید ڈالا جس کی وجہ سے پورا پانی نیچے بہہ گیا۔

مگر شیعوں کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضؓ نے پانی کی چند مشکیں بھجوا دیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ باغی مفسدین حضرت علی رضؓ کے کس قدر مطیع و فرمانبردار تھے کہ ام المومنین جیسی ہستی کو انہوں نے پانی پہنچانے سے منع کر دیا لیکن جب خود ان کے سردار اعلیٰ نے پانی بھجوایا تو خفیف سی بھی مزاحمت نہیں کی اور پانی کو اندر لے جانے کی اجازت دیدی۔ اس واقعہ سے بھی مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ باغیوں کا سردار اعلیٰ کون ہے۔

حضرت عثمان رضؓ کا آخری خط حاجیوں کے نام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج کے لئے تیاری کر رہے تھے اور مدینہ کے دوسرے حاجیوں کو پہلے ہی روانہ بھیج چکے تھے کہ باغیوں نے ان کے گھر کا اچانک محاصرہ کر لیا۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیرالحج مقرر فرمایا حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ وہ امیرالمومنین کو باغیوں کے سایہ میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے مگر حضرت عثمان رضؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اپنی چند روزہ زندگی کی خاطر کسی مسلمان کا خون بہانے کے لئے وہ ہرگز تیار نہیں ہیں۔

پھر آپ نے ایک خط جو حاجیوں کے نام تھا عبداللہ بن عباس کو دیا جسے ابن عباس نے حج کے موقع پر بحیثیت امیرالحج ان کو پڑھ کر سنایا۔ تمام مورخین نے اس خط کو نقل کیا ہے اس کے بعض فقرے جو بلوائیوں کی اصل غرض و غایت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

"میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور میرے وہ ساتھی جنہیں خلافت کی طمع ہے جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے۔ میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ میں اللہ عزوجل کے کام اور خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارہ نہیں۔ اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر گتے چھوڑ دیئے جائیں۔ مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے - - - - - - - - - - میں خونریزی کو، امت میں نفاق کو اور بُرے طریقوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیکر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو۔" (طبری)

اس خط میں حضرت عثمان رضؓ نے یہ بھی لکھا تھا کہ بلوائیوں کا مطالبہ ہے کہ میں امیر المعاویہ وغیرہم کو ان کے عہدوں سے ہٹا دوں۔ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ امیر معاویہ اور ابو موسیٰ اشعری کو ان کی جگہ رہنے دو۔ کیونکہ ان دونوں کو تم سے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا تھا اور پھر ان کی حکومت کے لوگ ان سے خوش ہیں اور مشورہ دیا کہ عمرو بن العاص کو بھی حاکم بنا دوں۔ (طبری جلد پنجم صہ ۱۳۱)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حج کے لئے روانگی

جب ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی کے طرفدار بُرائی سے پیش آئے تو امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے خیال فرمایا کہ مدینہ میں رہ کر بے عزت ہونے سے بہتر یہ ہے کہ حج کے لئے مکہ سدھاریں۔ لہٰذا وہ دونوں حضرت علی رضؓ کی مدینہ پر لائی ہوئی بلا سے بچنے کے لئے مکہ چلی گئیں۔

مدینہ میں لوٹ مار

طبری جلد ۵ صہ ۱۵۵ پر درج ہے کہ حضرت عثمان کا محاصرہ چالیس دن رہا۔ ان ایام میں عبداللہ بن سبا کا خاص چیلہ غافکی بن حرب العکی جو مصری پارٹی کا لیڈر تھا مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا رہا۔ حضرت علی نے صرف جمعہ کے دن اور ذی الحجہ کی عید کی نماز پڑھائی۔

ابن کثیر اور ابن جریر طبری دونوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد
اور حج کے دو ہفتہ بعد حضرت علی کی بیعت ہوئی۔ اس وقت تک مدینہ کا حاکم غافقی بن حرب العکی رہا
پہلے تیس دن تک مدینہ میں لوٹ مار نہیں ہوئی۔ آخری دس دن میں لوٹ مار شروع
ہوئی اور تمام کھاتے پیتے عربی گھرانوں کو ان کے موالیوں اور سبائی پارٹی کے بلوائیوں نے لوٹ لیا
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا توشہ دان تک لوٹ لیا گیا۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھ پر
اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں۔ پہلی آنحضرت کی وفات۔ دوسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی شہادت اور تیسری میرے توشہ دان کا جلتے رہنا۔ لوگوں کی دریافت پر بتایا کہ ایک غزوہ میں
رسد ختم ہو گئی تھی۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے پاس کھانے کا کوئی سامان ہے
میں نے عرض کیا کچھ کھجوریں ہیں۔ ارشاد ہوا لے آؤ۔ سب اکیس کھجوریں تھیں۔ آپ ایک ایک کھجور کو لے
کر اس پر اللہ کا نام پڑھ کر دم کرتے جاتے تھے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی ایک ساتھ
بیٹھ کر کھائیں۔ چنانچہ لوگ اسی طرح کھاتے گئے۔ یہاں تک کہ پوری فوج سیر ہو گئی۔ اور کچھ کھجوریں بچ
گئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمائیں آپ نے دعا فرمائی
میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ چھوڑا ان کی برکت یہ تھی کہ جب کبھی میں توشہ دان میں ہاتھ
ڈالتا تو کھجوریں نکل آتیں پچاس وسق سے زیادہ میں نے اس میں سے خیرات کیں۔ حضرت ابو بکرؓ
حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اسی میں سے کھاتا رہا۔ حضرت عثمان غنی کی
شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں میرا توشہ دان بھی جاتا رہا۔

مسجد نبوی میں روبرو بات چیت

حضرت نائلہ زوجہ حضرت عثمان رضہ کے خط میں ذکر
ہوا ہے کہ تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد نبوی
میں ان لوگوں سے روبرو بات چیت کے لئے حضرت عثمان کو بلایا گیا مگر اس بات چیت کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا
حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ بصرہ سے حج کے ارادے سے نکلے اور حج میں
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شمولیت کی تمنا لئے ہوئے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا
کہ لوگ پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور مسجد نبوی میں جمع ہیں۔ ہم بھی مسجد پہنچے۔ دیکھا کہ علیؓ زبیرؓ طلحہ
سعد بن ابی وقاص وغیرہ ہم سب مسجد نبوی میں بیٹھے ہیں۔ اتنے میں حضرت عثمان غنی تشریف لائے۔

وہ بیمار تھے۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی (شاید بلوائیوں کے پتھر برسانے کی وجہ سے ان کے سر میں
چوٹ آئی تھی۔ واللہ عالم) پھر انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی جس
کے سوا کوئی معبود نہیں ہے قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کون شخص ہے جو فلاں کا باغ خرید لے۔ اللہ تعالے اس کی مغفرت
فرمائے گا۔

میں نے وہ باغ خرید لیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسے مسجد میں شامل کر دو۔ تمہیں اس
کا اجر ملے گا۔ میں نے اسے مسجد میں شامل کر دیا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ صحیح کہتے ہیں۔ احنف رضہ
کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت عثمان رضہ نے کئی امور ذکر فرمائے اور تمام صحابی کہتے تھے کہ آپ نے
سچ فرمایا۔

مسجد نبوی میں امیر المومنین پر حملہ

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر حملہ کرنے والوں
پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ سنتے ہی باغی مشتعل ہو گئے اور امیر المومنین پر پتھروں سے حملہ کر دیا
حملہ اس شدت کا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متواتر چوٹیں لگنے کی وجہ سے زخمی ہو کر بیہوش
ہو گئے۔ حضرت طلحہ حضرت زبیرؓ حضرت سعد وغیرہ ہم نے بیچ بچاؤ کر کے ان کی جان بچائی
اور انہیں بیہوشی کی حالت میں گھر پہنچایا۔

اسی حادثہ کے بعد حضرت احنف بن قیس طلحہ و زبیرؓ حضرت سعد وغیرہ ہم نے بیچ بچاؤ کر کے
ان کی جان بچائی اور انہیں بیہوشی کی حالت میں گھر پہنچایا۔

اس حادثہ کے بعد حضرت احنف بن قیس طلحہ و زبیر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میری
ناقص رائے میں یہ شہید کر دیئے جائیں گے۔ آپ لوگ فرمایئے کہ میں ان کے بعد کس کی
بیعت کروں۔ دونوں بزرگوں نے کہا "حضرت علی رضہ کی" کیونکہ وہ جانتے تھے۔ اور احنف بن
قیس بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ مدینہ پر بلوائیوں کا قبضہ ہے اور بلوائی حضرت علی رضہ
اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور وہ حضرت عثمان رضہ کے قتل کے بعد حضرت علی رضہ کو مسند خلافت پر
بٹھا دیں گے۔

کیا حضرت علی حضرت زبیر سے بہتر تھے؟

بخاری جلد دوم کی حدیث ۹۱۱ کا بیان ہے کہ "مرض نکسیر کے سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سخت نکسیر پھوٹی کہ انہیں حج سے رکنا پڑا۔ اور (اپنی جائداد کے متعلق) وصیت بھی کر دی تھی (قریش) میں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کر دیجیے۔ حضرت عثمان رضی نے پوچھا کیا لوگ خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہتے ہیں؟ اس نے کہا "ہاں" پوچھا کس کو؟ وہ خاموش رہا پھر ایک اور شخص آپ کے پاس آیا۔ میرا خیال ہے وہ حرث تھے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کو خلیفہ بنا دیجیے۔ آپ نے اس سے بھی پوچھا کیا لوگ خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا کس کو؟ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا شاید لوگوں کی رائے ہے کہ زبیر رضی کو خلیفہ بنایا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے علم میں زبیر سب سے بہتر ہیں۔ یقیناً وہ سردار دو عالم کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

اس کے بعد کی حدیث میں یعنے حدیث ۹۱۲ میں بیان موجود ہے کہ حضرت عثمان رضی نے تین مرتبہ فرمایا آگاہ ہو جاؤ (حضرت) زبیر رضی سب سے بہتر ہیں۔ (خلیفہ بننے کے لئے) اس حدیث کی موجودگی میں یہ خیال کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی ہی خلیفہ چنے جانے کے قابل تھے بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی باقاعدہ انتخاب ہوتا تو حضرت علی کفِ افسوس ملتے ہوئے رہ جاتے۔

حضرت عثمان رضی کے وصی

حضرت عثمان رضی مسجد نبوی سے بے ہوشی کے عالم میں گھر لائے ہوئے تھے۔ جونہی انہیں ہوش آیا آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر بلا کر انہیں اپنا وصی مقرر کیا۔ یعنے اپنی ذاتی جائداد کا وصی۔

خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ

اب بلوائیوں کی رٹ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی خلافت سے دستبردار ہو جائیں ورنہ ہم انہیں قتل کر دیں گے

اب ان لوگوں نے زیادہ سختی کرنی شروع کر دی۔ جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا تو محض بدگمانی سے بچنے کے لئے حضرت علی نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو بھی حضرت عثمان کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو جانے کا حکم دیا کیونکہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے بیٹے مسلح ہو کر پہلے سے وہاں موجود تھے اور وہ بلوائیوں کو جلے ہوئے دروازے کے راستے اندر داخل ہونے سے روک رہے تھے۔

حضرت علی رضی کا بیٹا حضرت عثمان کا قاتل

معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی کا پالتو لڑکا اور ان کا ربیب محمد بن ابی بکر جسے وہ بہت محبت کرتے تھے اور جس کے متعلق اکثر فرماتے تھے کہ محمد صلب سے تو ابوبکر رضی کے ہے لیکن وہ میرا بیٹا ہے۔ حضرت عثمان رضی کے مکان میں پیچھے سے داخل ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے حضرت عثمان کی پیشانی پر برچھی ماری جبکہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ پھر کنانہ بن بشیر تجیبی اور دوسرے خبیثوں نے ان کو ذبح کر دیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳)

اس فعل شنیعہ کے بعد سے حضرت حسن رضی نے محمد بن ابی بکر کا نام ہی فاسق رکھ دیا۔ وہ محمد کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ فاسق کہہ کر اس سے کلام کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳)

حضرت علی کے اشارے پر

حضرت عثمان رضی کو شہید کرنے کے لئے حضرت علی کا سوتیلا بیٹا محمد بن ابی بکر اور حضرت علی کا غلام جبون ایلیائے شامی لوگوں کو بھیجا گیا اور وہ ستر سالہ خلیفہ مظلوم کو نہایت بے دردی اور بے بسی کے عالم میں شہید کر کے چلا آیا۔ (ارمغانِ نجم ص ۴۴)

حضرت حسن بن ابی طالب کا بیان

حضرت عثمان رضی کو قتل کرنے کا آنکھوں دیکھا حال حضرت حسن بن علی نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے وثاب نے خبر دی ہے۔ حضرت وثاب رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی گردن میں نیزہ کے دو نشان تھے جو ان پر یوم الدار یعنے حضرت عثمان رضی کی شہادت کے دن لگے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی نے ان کو بھیج کر مالک اشتر نخعی کو بلایا اور دریافت کیا کہ لوگ آخر کیا چاہتے ہیں۔ مالک اشتر نخعی نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ خلافت سے الگ ہو جائیں۔ ورنہ وہ قتل کر دیں گے۔ یہ کہہ کر مالک اشتر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک آدمی بھیڑیئے کی مانند دروازے سے آیا اور پھر واپس چلا گیا پھر محمد بن ابی بکر تیرہ آدمیوں کی جماعت کے ساتھ داخل ہوا۔ اس نے حضرت عثمان رضی کے پاس پہنچ کر آپ کی داڑھی پکڑ لی اور اس کو ہلایا۔ یہاں تک کہ آپ کے داڑھوں کے بجنے کی آوازیں میں نے سنی۔ اس نے کہا اب معاویہ تمہارے کچھ کام نہیں آتے؟ ابن عامر نے بھی تمہاری کچھ مدد نہیں کی۔ تمہارے

شکر تم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے ؟ اور حضرت عثمان رضؓ کہتے رہے۔ اے میرے بھائی کے بیٹے میری داڑھی چھوڑ دے۔ وثاب کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا محمد نے ایک آدمی سے مدد طلب کی۔ وہ ایک تیر لے کر آیا۔ یہاں تک کہ محمد نے اسی تیر کو آپ کے سر میں چبھو دیا اور اسے وہیں رہنے دیا۔ پھر بہت سے لوگ آئے اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (از ازالۃ الخفا مقصد دوم)

حضرت نائلہ زوجۂ عثمان رضؓ کا بیان

نائلہ بیوہ عثمان نے حضرت امیر معاویہ کو جو خط لکھا اور جسے مشہور شیعہ مولف ابوالفرج اصبہانی نے "اغانی" جلد دس کے صفحہ ۶۸ پر درج کیا ہے اس میں درج ہے کہ

پھر فوراً موقع پاکر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے آگے محمد بن ابوبکر تھا اندر آکر حملہ کر دیا اور آتے ہی داڑھی پکڑ لی اور گالی دی۔ اسی اثنا میں ان لوگوں نے نیزے کے تین وار کئے اور ایک تلوار چہرے کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک بیٹھ گئی۔ میں عثمان پر چھا گئی تاکہ ان کو بچا سکوں کیونکہ وہ ان کا سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمان پر چھا گئی۔ ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا۔ اور ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مگر عثمان کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی۔ اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں ان کو مار ڈالا جب کہ وہ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔"

حضرت عثمان رضؓ کو شہادت کے مرتبہ پر پہنچانے کا شرف

تاریخ طبری حصہ سوم (خلافتِ راشدہ حصہ دوم) کے اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی کا غور سے مطالعہ کرنے سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کو شہادت کے مرتبہ پر پہنچانے کا شرفِ حضرت علیؓ ہی کو حاصل ہے۔

اس کتاب کے صفحہ ۴۹۰ پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی زبانی یہ روایت موجود ہے کہ "جس دن حضرت عثمان رضؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اس سے کچھ دیر قبل وہ حضرت عثمان رضؓ سے ملنے گئے۔ اس وقت چلتے ہوئے دروازہ کو دیکھ کر اِنّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون پڑھی پھر انہوں نے اندر جا کر حضرت عثمان رضؓ سے آخری مرتبہ ملاقات کی۔ وہ کہتے ہیں۔

"اب میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے اس وقت جو گفتگو کی نہ تم موجود تھے نہ تمہارے

ساتھی موجود تھے۔ انہوں نے تمام ناخوشگوار باتوں سے بریت کا اظہار کیا اور توبہ کی اور فرمایا میں ہلاکت کے کاموں کو طول دینا نہیں چاہتا ہوں کیونکہ جو ظلم وستم کو طول دیتا ہے وہ راستے سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں توبہ کرتا ہوں اور تمام باتوں سے رجوع کرتا ہوں۔

یہ سن کر وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے جو اس وقت مزارِ نبوی اور منبرِ نبوی کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضؓ نے آکر فرمایا

اے ابوالحسن! آپ اُٹھ کھڑے ہوں۔ میرے والدین آپ پر قربان ہوں۔ ایک نیک کام کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ صلۂ رحمی کریں۔ اور ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے ان کی جان بچائیں۔ اس کے بعد آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا کیونکہ تمہارے خلیفہ نے اپنی طرف سے رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔

شہادت کی خبر

ابھی وہ باتوں میں مصروف ہی تھے کہ محمد بن ابی بکر آئے انہوں نے پوشیدہ طور پر کچھ کہا۔ اس وقت علی رضؓ میرے ہاتھ پکڑ کر اُٹھے اور فرمانے لگے "ان کی یہ توبہ کتنی اچھی ہے"۔ چنانچہ جب میں گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہم مصیبت اور شر و فساد میں مبتلا ہیں"۔

اس روایت میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ آخری وقت توبہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر یہ بات حضرت عثمان رضؓ کی طبیعت سے میل نہیں کھاتی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی نے لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنے دو بیٹوں حسن اور حسین کو حضرت عثمان رضؓ کے مکان کے اگلے حصہ پر پہرہ دینے کے لئے کھڑا کیا اور اپنے ربیب محمد بن ابی بکر اور اپنے غلام جون ایلیا کو بلوائیوں کے ساتھ پیچھے سے بھیج دیا تاکہ وہ حضرت عثمان رضؓ کا خاتمہ کر دیں اور خود اپنی سازش کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے مسجد نبوی میں بیٹھے رہے۔ قتل کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر دوڑتا ہوا مسجد گیا اور اپنے باپ کو خوشخبری سُنائی کہ اب خلافت آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔

مرزا حیرت دہلوی کا بیان

باغی برابر اپنی تیز دستی دکھاتے جاتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ اگر شامی فوجیں آگئیں تو آناً فاناً ان کا قلع قمع ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے بیت الخلافت کو آگ

لگادی اور جب دروازہ جل گیا تو اندر گھس گئے۔ مگر بیت الخلافت ایسا نہ تھا کہ بغیر نکبیر ... قبضہ میں آسکتا تھا۔ کیونکہ مروان بن الحکم اور سعد بن ابی وقاص پانسو نبرد آزما نوجوانوں کے ساتھ دشمن کا تیر و تفنگ اور شمشیر ہائے آبدار سے استقبال کرنے کے لئے تیار تھے۔ جونہی حضرت عثمان رضؓ کو یہ معلوم ہوا آپ نے ان جنگ آوروں سے کہا تم اپنی تلواریں میانوں میں دے لیں۔ میں ہرگز خونریزی پسند نہیں کرتا۔ میں اگر مارا جاؤں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے مگر یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں کا خون بہے۔ - - - -

اسی اثنا میں حضرت عثمان کے غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ ہمیں قتال کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ اگر تم قتال نہ کروگے تو اس کے معاوضہ میں میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں۔ غلام اپنے آقا کے حکم سے مجبور ہوگئے۔

اب آپ حضرت عثمان رضؓ کی استقامت اور شان اولوالعزمی کو دیکھئے کہ گھر میں آگ بھڑک رہی ہے۔ مکان جل چکا ہے اور باغی قتل و غارت کے لئے خلیفہ کی طرف متوجہ ہیں مگر آپ اپنے خاص حجرے میں قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ یہ مثالیں ہیں اسلام کے فدائیوں کی جو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملتیں۔ غرض آپ قرآنِ مجید پڑھ رہے تھے کہ باغیوں کا موجودہ سرگروہ محمد بن ابابکر اس حجرے میں ننگی تلوار لئے ہوئے آیا اور آتے ہی آپ کی داڑھی پکڑ لی اور کہا ـــــ "اے عفان کے بیٹے! کہاں ہیں تیرے مددگار مروان و عبداللہ بن عامر وغیرہ کیوں نہیں وہ تیری مدد کو پہنچتے؟ ان کی رفاقت تیرے لئے بے سود ثابت ہوئی"۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ اگر تیرا باپ ابوبکر زندہ ہوتا تو اس وقت تو اس کی مبادرت نہ کرتا۔ اس کا اثر محمد پر اس قدر ہوا کہ وہ سخت منفعل ہو کر خلیفہ کی داڑھی چھوڑ کر باہر چلا آیا۔ جب کنانہ بن بشر نے محمد کی یہ کیفیت دیکھی تو شمشیر برہنہ لئے ہوئے عثمان رضؓ کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اتنے میں عبدالرحمٰن بن عدیس، سودان بن حران اور غافقی نے غل مچایا کہ ذرا ٹھہرو عثمان سے دو باتیں کر لینے دو۔ یہ تینوں آگے بڑھے اور کہا۔ "عثمان! اب بھی اگر مسند خلافت چھوڑ دے تو ہم تیری جان بخشی کرتے ہیں۔" حضرت عثمان رضؓ نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے مسندِ خلافت عطا کی ہے۔ پھر دوسرے کی کیا مجال ہے کہ میری

زندگی میں یہ خلافت مجھ سے چھین لے۔ یہ کتاب جو میرے سامنے موجود ہے میں تمہیں اس کی دعوت کرتا ہوں۔ تم اس کتاب اللہ سے روگردانی نہ کرو۔" اس پر باغیوں کو غصہ آیا۔ غافقی نے سب سے پہلا وار کیا کہ عثمان خون میں نہا گئے۔ خون کی دھار سب سے پہلے قرآنِ مجید کی اس آیت پر گری جو آپ تلاوت کر رہے تھے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

جس وقت غافقی نامی باغی نے عثمان غنی پر تلوار چلائی معاً ان کی بیوی نائلہ ان پر گر پڑیں اور تلوار اس خاتون نے اپنے برہنہ ہاتھ سے پکڑ لی جس سے اس دلیر خاتون کے ہاتھ کٹ گئے۔ اور بعد ازاں وہ جبراً ہٹا دی گئیں۔ پھر قنبرہ اور سودان نے عثمان غنی کو قتل کیا۔ (کتاب شہادت)

نوٹ:- معتبر کتابوں میں جو بیانات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان رضؓ پر سب سے پہلا وار کیا۔ اغانی کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

حضرت عثمان کی شہادت پر حضرت علی کا تاثر

سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے آکر دیکھا کہ حضرت عثمان کشتہ ہیں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ پھر اپنے بیٹوں سے پوچھا۔ تم دونوں کے دروازہ پر پہرہ دار ہونے کے باوجود حضرت عثمان کس طرح شہید ہوئے۔ یہ کہہ کر حضرت حسن کے ایک چانٹا رسید کیا اور حضرت حسین کے سینہ پر دوہتڑ مارا۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو برا بھلا کہا اور غصہ کی حالت میں اُٹھ کر اپنے مکان چلے گئے حضرت علی کے مکان پہنچتے ہی لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ اس پر حضرت علی نے کہا یہ اہل بدر کا کام ہے۔ وہ جس سے راضی ہوں گے اسی کو امیر المومنین بنایا جائیگا۔ غرض کہ تمام اہل بدر نے جمع ہو کر کہا ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ چنانچہ ان سب نے حضرت علی رضؓ کی بیعت کی۔ (صـ ۱۹۰)

مگر اہل بدر کون تھے اس کی تفصیل سیوطی نے نہیں بتائی۔ شیعی مورخوں کی یہی چالاکی ہے عراق اور ایران کے مجوسی جو جنگوں میں قیدی بن کر مسلم فوجیوں میں تقسیم ہوئے تھے وہ سب کے سب شیعی مورخوں کے قلم کی برکت سے اہلِ بدر بن گئے۔

باب ـــــ ۱۴

شہادتِ عثمان کی ذمہ داری

عثمان کے خون کا الزام آپ پر آئیگا علی کو ابنِ عباس کی تنبیہ

ابن کثیر اور ابن جریر طبری کا دونوں کا بیان ہے کہ حضرت علی رضا کی بیعت ۲۵ ذای الحجہ کو ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس حج سے واپس ہوئے تو اس وقت غافکی مدینہ کا امیر تھا لوگ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے مگر حضرت علی ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اپنی اس ٹال مٹول سے لوگ ان کو شہادت عثمان سے بری الذمہ قرار دیں گے۔

پھر جب ابنِ عباس مدینہ لوٹے تو حضرت علی نے ان سے مشورہ کیا۔ ابنِ عباس نے اس حالت میں بیعت لینے سے منع کیا کیونکہ بیعت کرنے پر جتنے لوگ آمادہ تھے۔ وہ سب کے سب قاتلانِ عثمان تھے اسی لیۓ انہوں نے کہا کہ اگر اس حالت میں بیعت ہو گے تو حضرت عثمان رضا کے خون کا الزام آپ پر آئے گا۔ (طبری) لیکن حضرت علی نے تذبذب کے بعد بیعت لے لی اور ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے مالک اشتر نخعی نے بیعت کی۔

حضرت زید بن ارقم کی رائے

سعین حارثی روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی طالب حضرت زید رضا بن ارقم کے پاس عیادت کو گئے۔ زید رضا کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے۔ زید نے حضرت علی کو قسم دلا کر پوچھا۔ کیا تم نے عثمان کو شہید کیا؟

آپ نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکا لیا۔ پھر کہا خدا کی قسم: میں نے ان کو قتل کیا ہے نہ ان کے قتل کا حکم دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ

"حضرت حسنؓ کے دل سے حضرت عثمان رضؓ کا غم نکل نہ سکا۔ کہنا چاہیئے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے البتہ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال نہیں کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی وہ اپنی عثمانیت میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علی رضؓ گزر رہے تھے اور حضرت حسن رضؓ وضو کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضؓ نے کہا "وضو اچھی طرح کرو"۔ حسن نے کہا "کل ہی آپ نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا" حضرت علی یہ سن کر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ "خدا عثمان سے تمہاری غم خواری کا جذبہ اور بڑھائے"۔

اہل مدینہ کی رائے

علامہ ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی بار بار قسمیں کھاتے تھے قاتلین پر لعنت بھیجتے تھے اور اپنی بریت کا اظہار کرتے تھے لیکن چونکہ قاتلان عثمان ہمیشہ ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں لگے رہتے تھے لوگ ان کی قسموں کے باوجود انہیں قاتل سمجھتے تھے۔

حضرت علی میں خلوص نہیں تھا

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "حضرت علی کی شہرت پر جو ان مٹ دھبہ ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے خلیفہ کے قتل کو روکنے میں کوئی موثر کوشش نہیں کی جس کی بیعت میں وہ داخل تھے۔ ان کا فرض تھا کہ نازک وقت میں ان کا ساتھ دیتے یہ عذر کہ وہ خود بلوائیوں سے دبے ہوئے تھے قابل پذیرائی نہیں۔ اگر خلوص نیت سے کوشش کرتے تو ضرور اس کی تدبیر کی جا سکتی تھی"۔

اللہ سے کئے ہوئے عہد کو بھلا دیا۔

بیعت رضوان میں تقریباً پندرہ سو مسلمانوں نے جن میں حضرت علی رضؓ بھی شریک تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہاتھ مار کر عہد کیا تھا کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص ضرور لیں گے۔ اللہ تبارک تعالےٰ نے بھی

قصاص عثمان کی اس بیعت کو پسند فرمایا تھا۔ جس کی وجہ سے قرآن میں ذیل کی آیت نازل ہوئی۔

"اِنّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیہم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفیٰ بما عٰہد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیما"۔

ترجمہ:۔ اے رسول! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل خدا سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس عہد کو جو خدا سے کیا پورا کرے، تو وہ اس کو اجر عظیم دے گا۔

لیکن جب عہد پورا کرنے کا وقت آیا تو حضرت علی نے کج مٹول سے کام لے کر یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عثمان کے قتل میں ان کا بھرپور ہاتھ ہے۔

ہم سب قاتل ہیں

جنگ صفین کے موقع پر حضرت معاویہ رضؓ کی طرف سے جلیل القدر صحابیوں کا ایک وفد جن میں معن بن یزید بن الاخنس رضؓ بدری صحابی بھی موجود تھے اور جو حضرت علی کو حضرت عثمان کا قاتل تصور کرتے تھے۔ حضرت علی سے قاتلین عثمان کو حوالے کر دینے یا ان سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ کی بیعت سے کسی کو انکار نہ ہو گا تو حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ (الاستیعاب جلد دوم ص۵۸۸) اسی وفد کے متعلق ایک خبر اخبار الطوال کے ص۱۸۲ پہ درج ہے کہ دوسرے دن تمام لوگ مسجد میں مجتمع ہو کر وفد کے اراکین نے صاف کہہ دیا کہ ہم سب قاتلان عثمان ہیں۔ حضرت علی نے اس سے انکار کی جراءت نہیں کی۔

حضرت علی کی ذہنیت کا انکشاف

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہٗ کا جنازہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا اور کسی نے آپ کی تجہیز و تدفین نہیں کی۔

ابو بشیر عابدی کی روایت طبری نے بھی درج کی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی لاش تین دن تک گھر میں پڑی رہی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ نے رات کے وقت میت کو ایک باغ میں

دفن کیا جو مدینہ کے قبرستان سے متصل تھا۔

لوگوں نے حضرت علیؓ کی توجہ کو اس امر کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی مگر وہ باغیوں کے ساتھ مل کر اپنی کامیابی کا جشن منانے میں مشغول تھے۔ حضرت علی نے اپنے پیر و مرشد ہر ہرزان کی تجہیز و تدفین بڑی دھوم دھام سے کی۔ مگر اپنے محسن حضرت عثمان رضہ سے اُن کو بغض تھا اسی لئے انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ کفن دفن میں شرکت تک نہیں کی، نہ اپنے بچوں کو شرکت کے لئے بھیجا۔ نہ اپنے محسن کی لاش کو جنت البقیع میں دفنانے کی اجازت دی۔

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مخالفوں نے آپ کے جنازے پر پتھر برسائے اور ہمراہیوں کو سنگ باری سے ایسا پریشان کیا کہ وہ جنازہ کو جنت البقیع کے قبرستان تک بھی نہ لے جا سکے۔ بلکہ مجبوراً انہوں نے جنازہ کو اس جگہ دفن کیا جو مسلمانوں اور یہودیوں کے قبرستانوں کے درمیان تھی۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضہ نے یہودیوں کے گورستان کی طرف ایک دیوار بنا دی اور اس طرح حضرت عثمان رضہ کی قبر مسلمانوں کے قبرستان میں آ گئی۔

حضرت عثمان کے غلاموں کی لاشیں

باغیوں نے حضرت عثمان رضہ کو تو بمشکل دفن ہونے دیا مگر ان کے غلاموں کی لاشوں کو دفن ہونے نہ دیا۔ جس پر ابن مطعم اور حکیم بن حزم حضرت علی کے پاس پہنچے اور کہا یہ کیا غضب ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے جنازوں کے ساتھ خود مدینۃ النبی میں یہ خلاف اسلام برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ یہ آپ کے لئے زیبا نہیں ہے آپ کے اشارہ میں سب کچھ ہے۔ آپ عبدالرحمٰن بن عدیس سے کہہ کر اس وحشیانہ فعل کو ختم کرا دیجئے۔ حضرت علی نے وعدہ تو کر دیا کہ میں ابھی عبدالرحمٰن سے کہہ دیتا ہوں مگر کچھ کام نہ بنا۔ اور غلاموں کی لاشیں یونہی سوکھتی رہیں۔

الغرض حضرت علی رضہ کے مخالفانہ سلوک سے جو انہوں نے حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی زندگی میں اور شہادت کے بعد ان کی میت سے کیا یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ وہی حضرت عثمان کے قاتل ہیں گو انہوں نے خود قتل نہ کیا ہو۔ جو شخص بھی اشخاص و افراد کی

بہ نسبت دینِ اسلام کو عزیز تر رکھے گا اور ہر اس فعل کو برا سمجھے گا جو خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہو۔ وہ حضرت علی کے رویہ کو برملا اور کھلم کھلا برا کہنے میں پس و پیش نہیں کرے گا وہ دو الگ الگ پیمانے لے کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ حضرت علی کے علاوہ کوئی علی جیسے کام کرے تو اسے بلا تکلف بدعت اور کفر قرار دے مگر جب وہی کام حضرت علی سے سرزد ہو تو اسے اجتہاد ثابت کرے تاکہ کم از کم ایک اجر پانے کے حضرت علی مستحق قرار پائیں۔

مہر خلافت

قدم آگے بڑھانے سے پہلے حضرت عثمان کی مہر خلافت کے متعلق دل میں جو شک و شبہ پیدا کر دیا گیا ہے اس کا ازالہ ضروری ہے۔

حضرت علی رضہ نے حضرت عثمان رضہ کو باغیوں کا پکڑا ہوا خط دکھا کے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اونٹ تمہارا، غلام تمہارا، مہر تمہاری اور پھر تمہیں اس خط کا علم نہ ہو"

مہر نبوت بھی گم ہو گئی

بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی آپ ہی کے ہاتھ میں رہی۔ آپ کے بعد وہ انگوٹھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔ ابوبکر رضہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ ان کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی۔ ایک دن وہ بیر اریس پر بیٹھے ہوئے انگوٹھی نکال کر اس سے شغل کرنے لگے تو وہ کنوئیں کے اندر جا پڑی۔ ہم تین دن تک عثمان رضہ کے ساتھ اس کو تلاش کرتے رہے۔ تمام کنواں صاف کر ڈالا۔ لیکن وہ نہ ملی۔

طبری اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ مہر نبوت سنہ ۳۰ھ میں گم ہوئی۔ مورخ طبری کہتے ہیں کہ سنہ ۳۰ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ سے دو میل دور بیر اریس میں جھانک رہے تھے۔ اس وقت خاتم مبارک آپ کی انگلی میں تھی۔ جسے آپ انگلی میں گھما رہے تھے۔ ایسے میں وہ انگلی سے نکل کر کنوئیں میں گر گئی۔

اس حادثہ کا سب نے برا شگون لیا اور ہر ایک نے اس کے دوبارہ حاصل کرنے کی جان توڑ کوشش کی۔ باؤلی کا تمام پانی باہر پھینکا گیا۔ تہہ میں جمی ہوئی ساری مٹی نکال باہر کی گئی اور ہزاروں آنکھوں نے مٹی کے ذرہ ذرہ کا جائزہ لیا اگر خاتم مبارک وہاں ہوتی تو ملتی۔

ممکن ہے کہ اس حادثہ سے حضرت علی کو سب سے زیادہ تشویش اور پریشانی ہوئی ہو۔ کیونکہ اس کے گم ہو جانے کے معنی یہ ہوتے کہ خلافتِ راشدہ کا دور حضرت عثمان رضؓ کے مرنے کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت علی رضؓ نے مہر نبوت کو ڈھونڈ نکالنے کی سخت ترین کوشش کی ہو گی کیونکہ وہی اس کے حریص تھے

نقلی مہر عثمان رضؓ

رسول اللہ صلعم کی انگوٹھی کھو جانے کے بعد سرکاری کاغذات اور خلافتی فرمانوں پر مہر کرنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضؓ اور دیگر صحابیوں کے مشورے پر اپنی الگ انگوٹھی بنوائی جو چاندی کی تھی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ کس سنار نے بنائی اور کس صحابی نے اس کے بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کی نقل بھی بنائی گئی ہو اور حضرت عثمان رضؓ کے علم میں یہ بات نہ ہو۔ اصل انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی انگلی میں تھی

مورخوں کے بیان کے مطابق حضرت علی نے حضرت عثمان سے وعدہ لیا کہ جو کچھ ان سے کہا جائے گا وہی کچھ حضرت عثمان کریں گے۔" اس کے بعد حضرت علی باغیوں سے مل کر واپس ہوئے اور کہا کہ باغی اس بات پر رضامند ہیں کہ آپ مصر کی گورنری سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو اس جگہ مصر کا گورنر بنا دیں۔ عثمان چونکہ وعدہ کر چکے تھے کہ جو کچھ تم کہو گے وہی کروں گا فوراً دو فرمان لکھ دیئے۔ ایک عبداللہ بن سعد کی معزولی کا اور دوسرا محمد بن ابی بکر کی تقرری کا۔ ادھر فرمانوں پہ مہر ہوئی ادھر باغی منتشر ہو کر اپنے اپنے وطن چلے گئے۔"

اس بیان میں حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہٗ کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ انہوں نے فرمان لکھا نہ اس پر مہر لگائی۔ اور چونکہ فرمان کے الفاظ حضرت علی پہلے سے سوچ رکھے ہوں گے بہت ممکن ہے کہ دونوں فرمان بھی حضرت علی نے پہلے سے لکھ کر تیار کر رکھے ہوں۔ حضرت عثمان رضؓ نے صرف ان پر دستخط کر کے مہر لگا دی ہو گی حضرت علی رضؓ کاتب وحی بھی تھے، اسلام اور کفر کے درمیان معاہدے لکھنے کا تجربہ بھی رکھتے تھے لہٰذا فرمان لکھنے کا کام ان سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مروان رضؓ خلافت کے سیکرٹری تھے۔ ان کی کتابت سے سب واقف تھے۔ اگر خط ان کا ہی لکھا ہوتا تو دوسرے لوگ جو وہاں موجود تھے خط دیکھتے ہی پکار اٹھتے کہ یہ تو مروان کا لکھا ہوا ہے۔

حضرت عثمان رضؓ کا غلام جو فلاں فلاں باغیوں کو قتل کر دینے یا مشکیں بندھوا کر درختوں پر لٹکا دینے کے متعلق خط لے کر جا رہا تھا۔ وہ طبری اور دیگر مورخوں کے بیانات کے مطابق اپنے آپ کو ظاہر کر دینے کا مشتاق نظر آتا تھا۔ کبھی تو وہ دُور سے نکل جاتا تھا اور کبھی مصری باغیوں کی جماعت سے مل جاتا تھا۔ اسی لئے باغیوں کو شبہ ہُوا اور جیسے ہی انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے تو اس نے فوراً کہا میں عثمان رضؓ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے پاس ان کا پیغام لے جا رہا ہوں۔ میں ان کا غلام ہوں، اور یہ اونٹ بھی انہیں کا ہے۔

اگر جیسا کہ حضرت علی رضؓ نے کہا کہ مجھے یہ خط آپ کے داماد کا معلوم ہوتا ہے، اس بات میں کوئی حقیقت ہوتی تو خط کا لے جانے والا مُنشیِ باغیوں کی نگاہوں سے دُور کسی دوسرے راستہ سے نکل جاتا۔ وہ باغیوں کو شبہ میں مبتلا کرنے کی کوشش نہ کرتا اور بفرضِ محال وہ گرفتار بھی ہو جاتا تو خط کو چھپاتا۔ اپنے آپ کو چھپاتا اور راز فاش کرنے سے باز رہتا۔

باب ــــ ۱۵

حضرت علی اپنے عہدِ خلافت میں رضؓ

علی کی بیعت

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضؓ شہید کر دیئے گئے تو قاتلین جمع ہو کر حضرت علی رضؓ کے پاس پہنچے۔ اس وقت وہ مدینہ کے بازار میں تھے۔ ان لوگوں نے حضرت علی سے کہا۔ آپ اپنا ہاتھ پھیلایئے۔ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ جلدی نہ کرو۔ کیونکہ حضرت عمر رضؓ بہت سمجھدار اور مسلمانوں میں نہایت بابرکت انسان تھے۔ انہوں نے مجلسِ شوریٰ کو وصیت فرمائی تھی۔ تم لوگوں کو مہلت دو تاکہ وہ آپس میں مشورہ کر سکیں۔

پھر دوسرے دن یہی لوگ حضرت علی کے پاس گئے تو اشتر نخعی نے حضرت علی کا ہاتھ [illegible]

ہوں گے۔ اس کے بعد اہل کوفہ اور عام لوگوں نے بیعت کی (خلافتِ راشدہ حصہ سوم صـ۳۶)

جب جمعہ کا دن آیا تو لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت علی رضؓ تشریف لائے منبر پر چڑھے اور فرمایا "اے لوگو! اس کام کا (خلافت کا) وہی حقدار ہے جسے تم منتخب کرو۔ کل تم نے اور تم نے ایک فیصلہ کیا تھا اگر تم چاہو تو میں اس کام کی ذمہ داری سنبھال لوں۔ ورنہ میری کسی پر کوئی زبردستی نہیں" لوگوں نے جواب دیا۔ ہم نے کل جو آپ سے فیصلہ کیا تھا۔ اس پر ہم قائم ہیں۔ (صـ۳۹)

پھر طلحہ اور زبیر کو لایا گیا۔ انہوں نے کہا ہم مجبوراً بیعت کرتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کو لایا گیا جو اختلاف سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے علی! ہم آپ کی اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ آپ احکام خداوندی کا نفاذ فرمائیں گے۔ خواہ آپ کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو یا دُور کا رشتہ دار، عزت دار ہو یا کمزور۔

حضرت علی کا وعدہ

طبری نے مرقومہ بالا بیان درج کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی عادت کے مطابق بہت ساری جھوٹی روایتیں بھی درج کر دیں تاکہ پڑھنے والے اصل حقیقت سے ناواقف رہیں۔ مثلاً ابو میمونہ کے واسطہ سے ابو البشیر العابدی کی روایت جعفر بن عبداللہ المہدی نے بیان کی ہے کہ ابو البشیر عابدی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو مدینہ میں میں موجود تھا۔ مہاجرین و انصار جمع ہو کر جن میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ حضرت علی رضؓ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ اے ابو الحسن اپنا ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت علی نے جواب دیا مجھے خلافت کی ضرورت نہیں، تم جسے بھی خلیفہ بنانا چاہو۔ میں اس سے خوش ہوں اور اس معاملہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مہاجرین و انصار نے جواب دیا کہ ہم آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حضرت علی نے کہا۔ چونکہ تم مجھے بار بار آکر مجبور کر رہے ہو۔ مَیں بھی تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری بات قبول کر لوگے تو میں تمہاری بات قبول کر لوں گا۔ جب مہاجرین و انصار نے وعدہ کیا تو حضرت علی مسجد میں تشریف لائے منبر پر بیٹھ کر اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

مَیں نے تمہاری اس خلافت کا بار مجبور ہو کر قبول کیا ہے۔ کیونکہ تم لوگوں نے مجھے اس پر انتہائی مجبور کیا ہے۔ اور میرے پاس اس کے علاوہ اور چارہ نہیں رہا کہ مَیں تمہاری یہ درخواست قبول کر لوں۔ اب میری شرط صرف یہ ہے کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں ہوں گی لیکن مَیں تمہاری رضامندی کے بغیر ان میں سے ایک درہم بھی نہیں لوں گا۔

(طبری سوم صـ۴۷)

اس روایت میں مہاجرین اور انصار کا نام لے کر پڑھنے والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ حضرت علی رضؓ کو خلافت کی گدی پر بٹھانے والے بھی عراقی اور ایرانی مجوسیوں کی اولاد تھی۔ جو جنگوں میں قیدی ہو کر مدینہ کے مہاجرین و انصار کے گھروں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کے غلام کی حیثیت سے رہتی تھی۔ یہ غلام اکثر و بیشتر آتش پرست تھے۔ ان میں عیسائی اور یہودی بھی تھے۔ مثلاً حضرت عمر رضؓ کا قاتل فیروز ابولولوء ایران کا رہنے والا ایک عیسائی تھا۔ جو حضرت مغیرہ بن شیبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ ان ہی لوگوں نے حضرت علی رضؓ کی بیعت کی تھی۔ مدینہ کے مسلمانوں نے حضرت علی رضؓ کی بیعت نہیں کی۔

حضرت زبیر رضؓ کی بیعت

تاریخ طبری جلد سوم کے صفحہ ۳۳ پر درج ہے:۔

جب لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا اور علی کی بیعت کر لی تو علی رضؓ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ابو جیبہ کہتا ہے کہ مَیں نے حضرت زبیر رضؓ کو اطلاع دی کہ حضرت علیؓ اندر آنا چاہتے ہیں۔ حضرت زبیر رضؓ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اسے اپنے بستر کے نیچے رکھ لیا۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ اور انہیں اندر بلا لاؤ۔ میں نے حضرت علی کو اندر آنے کی اجازت دیدی۔ حضرت علی نے اندر پہنچ کر زبیر رضؓ کو سلام کیا اور سامنے کھڑے رہے۔ اور کچھ دیر بعد کھڑے کھڑے واپس چلے گئے۔ حضرت زبیر رضؓ نے مجھ سے فرمایا کیا بات ہے کہ یہ شخص اندر آکر ایک دم سے واپس چلا گیا۔ دیکھو کیا تلوار تو نظر نہیں آرہی ہے۔ میں اس جگہ جا کر کھڑا ہوا جہاں حضرت علی کھڑے تھے۔ مجھے تلوار کی دھار نظر آئی۔ میں نے انہیں بتایا کہ تلوار کی دھار نظر آرہی ہے۔ حضرت زبیر رضؓ نے فرمایا۔ اسی وجہ سے یہ شخص جلدی چلا گیا۔

جب حضرت علی باہر نکلے تو لوگوں کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ میں نے اپنی بہن کے لڑکے

کو بہت نیک اور صلہ رحم پایا۔ اس کے بعد حضرت علی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ انہوں نے میری بیعت کرلی تھی۔ (ص ۲۳)

یہی زبیرؓ نے وفاتِ رسول اللہ صلعم کے بعد اپنی تلوار میان سے نکال کر فرمایا تھا کہ میں اس تلوار کو میان میں واپس نہیں کروں گا۔ جب تک کہ لوگ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرلیں مگر آج یہی حضرت علیؓ کو تلوار بتا رہے تھے۔ آخر وجہ؟ اس وقت حضرت علی رسول اکرم صلعم کے مُرید تھے اور آج وہ ایرانی ہرمزان کے مرید بن چکے تھے۔ اسی لئے حضرت زبیر نے انہیں حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔

حضرت علی قریش سے نفرت کرتے تھے

"مجاہدِ اعظم" شیعہ مولف شاکر حسین لکھتے ہیں:۔

جن لوگوں نے علی مرتضیٰ کا تعلق رسولِ خدا کے ساتھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا، انہوں نے علیؓ سے بیعت تک نہیں کی ۔ ۔ ۔ ۔ ان بزرگواروں میں سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن سلامؓ، صیب بن سنانؓ، اسامہ بن زیدؓ، قدامہ بن مظعونؓ، مغیرہ بن شیعبہ وغیرہ مہاجرین میں سے اور حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، محمد بن مسلمہؓ، لغان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجزہؓ، سلمہ بن سلامہؓ، انصار جیسے اکابر اور مشاہیر اسلام شامل ہیں۔ امداد دینا تو درکنار، انہوں نے جناب امیر سے بیعت تک نہیں کی۔ یہاں تک کہ آپ نے دل برداشتہ ہوکر مدینہ سے ہجرت اختیار کی۔ کوفہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور پھر جیتے جی مدینہ میں قدم نہ رکھا۔ (ص ۱۴۹)

آغا سلطان مرزا البلاغ المبین حصہ دوم کے ص ۸۱-۴۸۰ پر خطبہ شقشقیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو اپنی قوم قریش سے نفرت ہو گئی تھی۔ ان کی نفرت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مجوسی محبوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ

"میں اپنی میراثِ خلافت کو لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے صاحب (ابوبکرؓ) نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد اس خلافت کو عمر (رضؓ) کی طرف جھونک گئے۔ افسوس انہوں نے

خلافت کو ایک درشت مزاج کے حوالے کر دیا۔ جس کا زخم گہرا اور جس کا چھونا تک ناگوار تھا۔ جس میں لغزشیں بہت تھیں اور عذر گناہ بھی بکثرت تھے۔ پھر دوسرے صاحب بھی دنیا سے سدھارے تو ۔ تیسرے صاحب دونوں پہلوؤں کو آنتوں اور معدے کے درمیان پھیلائے ہوئے قائم ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے خاندانی رشتہ دار بھی اُٹھ کھڑے ہوئے جو خدا کے مال کو اس طرح کھاتے جاتے تھے جیسے اونٹ فصلِ بہار کی دُوب کھاتے ہیں۔"

عربوں سے نفرت کرنے والا رسول اللہ سے محبت نہیں کرسکتا

سلمان فارسیؓ کی یہ حدیث ترمذی میں پائی جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک روز رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تو مجھ سے دشمنی نہ رکھ ورنہ تو دین سے جُدا ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کیونکر آپ سے دشمنی رکھ سکتا ہوں حالانکہ آپ ہی کے ذریعے خُدا نے ہم سب کو راہِ راست دکھائی ہے آپ نے فرمایا۔ اگر تو عرب سے دشمنی رکھے گا تو گویا مجھ سے ہی دشمنی رکھے گا۔

ترمذی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ کی روایت بھی درج ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ جو شخص عرب سے کینہ رکھے گا وہ میری شفاعت میں داخل نہ ہوگا۔ اور نہ اسے میری دوستی کا شرف حاصل ہوگا۔

خلافت کو اپنی میراث بنانے کی حد تک حضرت علی کو رسول اللہ صلعم سے اُنس تھا۔ اس کے علاوہ دوسری باتوں میں وہ اپنے پیر و مرشد ہرمزان سے قدم مِلا کر چلتے تھے۔ مدینۃ الرسول کو انہوں نے ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا۔ جیتے جی وہ پھر مدینہ نہ آئے کیونکہ وہاں عرب قوم آباد تھی جس نے ان کی وراثت کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ مرنے کے بعد ان کی لاش نے بھی عرب میں دفن ہونے سے انکار کیا۔ اسی لئے آج مزار نبی کے اردس پڑوس میں علی کا کوئی نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔

قریشیوں سے حقارت کا مظاہرہ

جس دن لوگوں نے مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت

اور حضرت اسامہ بن زیدؓ جیسی گرانقدر اور مایۂ ناز اسلامی ہستیوں کے خلاف حقارتی فقرے کہہ رہا تھا۔ حضرت علی رضؓ کی موجودگی میں ان حضرات کو گردن مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا حضرت علی رضؓ ان حضرات کی مجبوریوں پر خوش تھے۔ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص کو پکڑ کر لایا گیا اور ان سے حضرت علی کی بیعت کرنے کو کہا گیا۔ انہوں نے کہا کہ جب مدینہ کے تمام صحابی بیعت کر لیں گے تو میں بھی بیعت کر لوں گا ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لایا گیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا تھا۔ مالک اشتر بولا کہ ضامن لاؤ ورنہ تلوار سے سر اُتار دوں گا۔ حضرت علی رضؓ نے ان کی مجبوری سے خوش ہو کر کہا کہ میں ان کا ضامن ہوتا ہوں۔ پھر حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو لایا گیا۔ جب انہوں نے بھی علی کی بیعت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب مدینہ میں موجود تمام اصحابِ رسول بیعت کریں گے تو میں بھی بیعت کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا تو مالک اشتر نخعی ان پر جھپٹ پڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان کو بچایا۔ علی رضؓ تماشہ دیکھتے رہے۔ برعکس اس کے انہوں نے حکم دیا کہ عبیداللہ بن عمر فاروق رضؓ کو پکڑ لاؤ۔ میں اس کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کروں گا۔ حالانکہ حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہی ہرمزان کے بیٹے کی رضامندی سے اس قضیہ کو طے کر دیا تھا۔ بارہ برس پہلے دفن شدہ قضیہ کو تو از سرِ نو زندہ کیا گیا لیکن حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ سب اس وقت ان کے روبرو کھڑے ہوئے۔ اصحابِ رسول کی تذلیل کر رہے تھے۔

علی کی بیعت کرنے والے کون تھے؟

فاضل مصر ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں" لکھتے ہیں:۔

حضرت عمر رضؓ نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی، حضرت عثمان رضؓ کے بعد چار ہی رہ گئے تھے۔ اس لئے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا عثمانی دور ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت، طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت علی بن ابی طالب باقی رہ گئے تھے۔ ان چاروں میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے کنارہ کشی [illegible] تنہا رہ گئے تھے۔ مزید براں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت

کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ کچھ لوگ تو ارتداد کی لڑائیوں میں اور روم اور فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ چکے تھے۔ ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہیں تھی۔ وہ نئے نئے شہروں میں جا کر بس گئے تھے۔ پس حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہ تھی جو پہلے تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر موجود تھی۔ (ص ۲۹۶)

بالفاظِ دیگر حضرت علی رضؓ کی بیعت کرنے والے صرف عجمی مجوسی غلام تھے جو مدینہ اور اطراف مدینہ میں اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے ہرمزان کے زمانے سے ہی حضرت علی کو اپنا آقا امام اور اپنے ایرانی خدا کا قائمقام بنا رکھا تھا جسے وہ شیر کی شکل میں پوجا کرتے تھے۔

طبری کا بیان

جس دن حضرت علی کی بیعت ہوئی اس دن حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو حضرت علی نے بلا بھیجا۔ اور ان سے فرمایا کہ تم دونوں بھی میرے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ حضرت طلحہ نے پس و پیش کیا تو مالک اشتر نخعی تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ یا تو حضرت علی کے ہاتھ پہ بیعت کر دو یا میں یہ تلوار تمہاری پیشانی میں چبھو دونگا۔ طلحہ نے کہا، میں بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں۔ اور حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت زبیر کو کھینچ کر لایا گیا اور ان کو بھی بیعت کا حکم دیا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضؓ کو جب کہا گیا تو ان دونوں نے کہا کہ ہم سب کے آخر میں بیعت کریں گے۔

انصاریوں میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابو سعید الخدری محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید اور کعب بن عجرہ نے حضرت علی کے ہاتھ پہ بیعت نہیں کی۔ کیونکہ یہ حضرات عثمان کے حامی تھے۔

مہاجرین میں سے صرف پانچ اشخاص نے بیعت نہیں کی۔ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمرؓ، صہیبؓ، مسلمہ بن وقش اور اسامہ بن زید۔

حضرت عبد الرحمٰن بن جندب کے حوالے سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اشتر نخعی نے حضرت طلحہ رضؓ کو گلے سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لایا۔ طلحہ رضؓ نے کہا مجھ کو [illegible]

ہیں لیکن اشتر نے انہیں کوئی مہلت نہیں دی۔ اسی طرح حکیم بن جبلہ حضرت زبیر کو لے آیا۔ حضرت زبیر کہا کرتے تھے کہ میرے پاس بنو عبد قیس کے چوروں میں سے ایک چور آیا تھا اسی لئے میں نے مجبوراً بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد

حضرت علی رض نے تمام قاتلین عثمان رض کو اپنا مشیر بنا لیا۔ وہ ہر وقت ان کو گھیرے رہتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وزیروں یعنی حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی بھی اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رض نے انہیں بار بار مشورہ دیا کہ تم ان قاتلین عثمان رض سے دور رہو۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ حضرت زبیر رض اور حضرت طلحہ رض دوسرے صحابیوں کو ساتھ لے کر آئے اور مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان رض کے قاتلوں کو گرفتار کر کے انہیں سزا دو۔ حضرت علی رض نے کہا کہ تم لوگ عثمان کے قاتلوں کو پکڑ کر لاؤ۔ صحابیوں نے کہا کہ ہم کیسے پکڑ سکتے ہیں۔ جبکہ حکومت تمہاری ہے۔ وہ تو مدینہ پر چھائے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رض نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ چھا جائیں گے۔

حضرت علی نے کہا۔ اس قصاص کو ترک کرنا پڑیگا۔ تاوقتیکہ لوگ ایک رائے پر جمع نہ ہو جائیں اور جب تک دل درست نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک قصاص ممکن نہیں۔ (طبری سوم ص۴۵)

جب طلحہ اور زبیر نے دیکھا کہ علی باغیوں پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے تو انہوں نے بصرہ اور کوفہ جانے کی اجازت مانگی۔ علی نے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر ان دونوں حضرات نے عمرہ کی اجازت چاہی تو حضرت علی نے اجازت دیدی۔ (طبری)

میں معاویہ کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دے سکتا

بیعت کے فوراً بعد حضرت علی رض نے عثمانی دور کے تمام عاملوں کو بدل کر نئے عامل مقرر کرنے کا قصد فرمایا کیونکہ ان کی پارٹی کے لوگ ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر رہے تھے مالک اشتر نخعی حضرت امیر معاویہ رض کا سخت ترین مخالف تھا۔ اور چاہتا تھا کہ سب سے پہلے معاویہ رض کو شام کی گورنری سے برطرف کیا جائے۔

اس کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ کوفہ میں حضرت علی رض کی طرفدار پارٹی کا لیڈر تھا۔ کوفہ

میں حضرت عثمان رض کے عاملوں کے خلاف فتنہ پھیلاتا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان رض نے اسے اور اس کی پارٹی کے دس اور افراد کو امیر معاویہ رض کے پاس شام بھیج دیا۔ امیر معاویہ رض نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا کہ وہ مسلمانوں کی یکجہتی میں خلل انداز نہ ہوں۔ لیکن وہ اپنے کرتوت پر اڑے رہے پھر حضرت معاویہ رض نے ان کو خلیفہ کی منظوری سے امیر جزیرہ کے پاس بھیج دیا۔ امیر جزیرہ ابن خالد بن ولید نے ان لوگوں کو سخت تادیبی سزائیں دیں۔ جس کی وجہ سے تمام بلوائیوں نے توبہ کی۔ آخر ان سب کی توبہ قبول ہوئی۔ لیکن مالک اشتر اپنی توبہ کو بھول گیا اور کوفہ واپس پہنچتے ہی نئے بلوؤں میں شریک ہو گیا۔ اس نے عثمانی دور میں حکومت کے خلاف بہت سارے بلوے کئے تھے وہ ڈرتا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رض جو بہت عرصہ سے شام کے گورنر ہیں اور بہت طاقتور ہیں حضرت عثمان رض کے خون کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اسی لئے ان کو شام کی گورنری سے سب سے پہلے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ حضرت علی بھی امیر معاویہ رض کے سخت دشمن تھے کیونکہ انہوں نے حضرت علی کو تنبیہ کی تھی کہ اگر حضرت عثمان رض کی غیر فطری وفات واقع ہوئی تو ان سے سختی کے ساتھ نمٹا جائیگا۔ طبری اور البدایہ دونوں میں یہ بات درج ہے کہ حضرت عثمان رض کی مشاورتی مجلس میں جو ان کی خلافت کے آخری ایام میں ہوئی حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رض میں تو تو میں میں ہو گئی۔ حضرت امیر معاویہ دمشق واپس جاتے ہوئے راستہ میں علی کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر ان کے سامنے اپنی کمان ٹیک کر کھڑے ہوئے اور ایک موثر اور بلیغ تقریر کی جس میں کہا گیا دیکھو بھائیو میں واپس جا رہا ہوں۔ اور آپ لوگوں کے درمیان بڑے میاں (حضرت عثمان رض) کو چھوڑے جا رہا ہوں اور آپ لوگوں کو وصیت کئے جا رہا ہوں کہ ان کی جان کی حفاظت کریں۔ ان کا بال بیکا نہ ہو۔ اور ان کو دشمن کے ہاتھ میں پڑنے نہ دیں۔ (البدایہ جلد ۷، طبری جلد ۵) "اگر عثمان رض کی غیر طبعی موت واقع ہوئی تو اس کا بدلہ تلوار سے لیا جائے گا۔" (شرح نہج البلاغہ جزاول)

اسی لئے وہ حضرت امیر معاویہ کو جلد از جلد برطرف کر دینا چاہتے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ

جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ حضرت علی رض سے آکر ملے اور انہیں رائے دی کہ فی الوقت آپ امیر معاویہ رض اور عبد اللہ بن عامر رض کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھیں کیونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر

کردہ ہیں۔ پہلے ان سے اور ان کے لشکروں سے بیعت حاصل کیجئے۔ مدینہ کی فضا کو اپنے حق میں ٹھیک کر لیجئے۔ جب تمام صوبوں سے بیعت آجائے تو پھر مناسب ہو تو ان دونوں گورنروں کو تبدیل کیجئے۔ حضرت علی نے کہا کہ وہ اس تجویز پر غور کریں گے۔

دوسرے دن وہ حضرت علی کے پاس پہنچے اور کہا۔ میں نے گورنروں کو تبدیل کرنے کے معاملہ پر پھر غور کیا۔ اب میں دوسری رائے رکھتا ہوں۔ آپ ان گورنروں کو فوراً تبدیل کر دیجئے۔ حضرت علی نے کہا میں غور کروں گا۔

جب مغیرہ بن شعبہ باہر نکل رہے تھے عبداللہ بن عباس علی سے ملنے اندر جا رہے تھے انہوں نے حضرت علی سے مغیرہ بن شعبہ کے آنے کا مطلب دریافت کیا۔ علی نے مغیرہ بن شعبہ کے دونوں متضاد مشوروں سے آگاہ کیا۔ عبداللہ بن عباس نے کہا کل کا مشورہ آپ کی خیرخواہی پر مبنی تھا۔ آج کے مشورے میں آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے۔

حضرت علی رضا نے کہا کہ میں ان سب کو برطرف کر دوں گا۔ برطرفی کے باوجود وہ میری خلافت قبول کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے اور اگر وہ اس سے انحراف کریں تو میں تلوار میان سے نکال لوں گا۔ عبداللہ بن عباس نے کہا۔ تو میری ایک اور رائے تسلیم کر لیجئے۔ آپ ینبوع میں اپنی زمین پر چلے جایئے۔ اور اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جایئے۔ کیونکہ اگر آپ نے آج ان کا (باغیوں کا) ساتھ دیکر معاویہ وغیرہ پر لشکر کشی کی تو خدا کی قسم کل تمام لوگ عثمان رضہ کے خون کی ذمہ داری آپ کے سر پر ڈال دیں گے۔

حضرت علی نے کہا میں یہ بھی نہیں کر سکتا اور معاویہ کو تلوار کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا۔

(طبری سوم ص۵۰)

حضرت علی کے نئے گورنر حضرت علی رضہ ذی الحجہ ۳۵ھ کے آخری ایام میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے ہفتہ تک خلیفۂ بلافصل بن جانے کی خوشی میں دھوم دھام کا جشن منانے کے بعد جس کی یادگار میں ان کی امت آج تک عید غدیر مناتی آئی ہے، امور سلطنت کی طرف اپنی توجہ مبذول کی

شام کا گورنر سہیل بن حنیف کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ دمشق کا گورنر مقرر

کیا۔ جب وہ تبوک پہنچے تو وہاں انہیں چند سوار ملے انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو۔ بولے میں شام کا گورنر بن کر آیا ہوں۔ سواروں نے کہا اگر تمہیں حضرت عثمان رضہ نے مقرر فرمایا ہے تو آگے بڑھئے۔ ورنہ تم واپس چلے جاؤ۔ سہیل بن حنیف نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سواروں نے کہا ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لئے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ علی کے پاس واپس لوٹ جاؤ۔ نہ ہم تمہیں اپنا گورنر تسلیم کرتے ہیں۔ نہ علی کو اپنا خلیفہ۔ علی پر قصاص عثمان واجب ہے۔ جب تک وہ قصاص نہ لے لے کبھی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ سہیل بن حنیف نے دریافت کیا۔ یہ خاص تمہارا ہی خیال ہے یا اور لوگ بھی تمہارے ہم خیال ہیں۔ انہوں نے کہا سارا شام اس معاملہ میں ہمارا ہمزبان ہے۔ یہ سن کر سہیل وہیں سے مدینہ لوٹ گئے۔

مصر کا گورنر قیس بن سعد الانصاری اپنے تقرری فرمان کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔ جب وہ ایلہ پہنچے تو چند سوار ان سے آکر ملے اور دریافت کیا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا قصد ہے۔ علی کے گورنر نے فوراً تقیہ اختیار کیا اور جھوٹ بولا کہ میں حضرت عثمان رضہ کا قاصد ہوں اور ان کا فرمان لے کر مصر جا رہا ہوں۔ سواروں نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دیدی۔

طبری نے حضرت علی کے عامل قیس بن سعد کے جھوٹ بولنے کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے دھوکہ سے کام لیا۔ جھوٹ، دھوکہ، تقیہ سب ایک ہی چیز ہیں۔ کسی کو کسی پر برتری اور فوقیت حاصل نہیں۔ حضرت علی تقیہ کرتے تھے اور ان کے عامل دھوکہ دیتے تھے۔ بات ایک ہی ہے۔

الغرض قیس بن سعد الانصاری دھوکہ دیکر مصر میں داخل ہوئے۔ جہاں ایک گروہ حضرت علی کا موافق تھا۔ اور وہ تھا قبطی مسلمانوں کا۔ اس گروہ نے نئے گورنر کا استقبال کیا اور اس کے ہاتھ پر حضرت علی رضہ کی بیعت کی۔ دوسرا گروہ جو عربوں پر مشتمل تھا۔ اس گروہ نے کہا کہ جب تک خونِ عثمان کا انتقام نہ لیا جائے اس وقت تک وہ حضرت علی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کریگا اور نہ انہیں خراج دے گا۔ دھوکہ باز گورنر نہایت ہوشیار اور سمجھدار تھا اس نے عربوں کو اپنی حالت پر رہنے دیدیا۔ نہ ان سے خراج وصول کیا نہ انہیں مجبور کیا کہ تم علی کی بیعت کرو۔

کوفہ کا گورنر عمارہ بن حسان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جب وہ کوفہ کی سرحد میں داخل ہوا تو لوگوں نے کہا کہ اگر تم جان کی خیر چاہتے ہو تو پچھلے قدموں واپس چلے جاؤ۔ اہل کوفہ حضرت

ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے سوا کسی اور کو اپنا حاکم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ سُنتے ہی عمارہ دم دبا کر واپس بھاگا۔

یمن کا گورنر حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس بن ربیعہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔ مگر جیسے ہی یہ خبر یمن میں پھیلی تو موجودہ عامل یمن یعلیٰ بن امیہ نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کر دی اور بیت المال میں جس قدر روپیہ تھا وہ سامان حرب کی تیاری میں صرف کر دیا۔ یہاں بھی حضرت علی کی فرستادہ کی دال نہیں گلی۔

صرف عبداللہ بن عامر سابق گورنر بصرہ نے حضرت علی کے نامزد کردہ گورنر عثمان بن حنیف کو گورنری کا چارج دیدیا۔ شیعی مورخ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عامر بصرہ کے بیت المال کا سارا روپیہ اونٹوں پر لاد کر مکہ لے آئے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو حضرت علی رضؓ نے اُسی بیت المال سے ساٹھ لاکھ درہم اپنی فوج کے سپاہیوں میں جو تقسیم کیا وہ کہاں سے آیا؟

حضرت علی رضؓ نے اپنے داماد جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کا، قثم بن عباس کو مدینہ کا اور عبد بن عباس کو مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور چونکہ ان سارے مقامات میں مجوسیوں کی اکثریت تھی، خراسان تو مجوسیوں کا دیس تھا۔ مدینہ میں وہ جنگی قیدی اور غلام بن کر آئے تھے۔ اور مکہ میں بیت الحرام کی مجاوری حضرت عباس رضؓ کی میراث تھی اسی لئے ان تمام مقامات میں حضرت علی کے مقرر کردہ گورنروں کی قدر و منزلت کی گئی۔

جنگِ جمل

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

جس وقت مدینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی شہادت ہوئی آپ مکہ میں حج سے فارغ ہو کر ماہ محرم میں عمرہ کرنے کی نیت سے وہیں ٹھہر گئیں۔ پھر محرم میں عمرہ کر کے مدینہ روانہ ہوئیں تو راستہ میں انہیں اطلاع ملی کہ حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا گیا۔ باغیوں اور مدینہ اور اطراف واکناف کے غلاموں اور موالیوں نے مل کر حضرت علی کو خلیفہ بنا دیا۔ اس وقت باغی لوگ مدینہ میں دندناتے پھرتے

وہ حضرت علیؓ کے مشیر وزیر سب کچھ بن بیٹھے ہیں۔ خاص مدینہ کے باشندے اپنے مکانوں میں قیدیوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ رضؓ واپس مکہ لوٹیں اور حطیم میں ٹھہریں۔ جب لوگ ان کے اطراف جمع ہو گئے تو آپ نے ان کو بتایا کہ حضرت عثمان رضؓ کو شہید کرنے والے اس وقت مدینہ میں غالب ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کے مشیر وزیر سب کچھ ہیں۔

اتنے میں طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ بھی عمرہ کے لئے مکہ پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ علی رضؓ باغیوں سے حضرت عثمان کے خون کا قصاص لینے سے ہچکچاتے ہیں اور ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ یہ سن کر حاضرین نے کہا کہ باغیوں کے خلاف کارروائی کرنی چاہیئے اور اگر حضرت علی حضرت عثمان کے خون کا قصاص نہیں لیتے تو یہ فرض ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی تھی کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص ضرور لیں گے۔ تو اللہ تعالٰے نے بھی اس بیعت کو پسند فرمایا تھا۔ جس کی وجہ سے قرآن میں آیت نازل ہوئی کہ

ترجمہ:۔ اے محمدؐ! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل خُدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خُدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا ہے پُورا کرے تو وہ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اللہ سے کئے ہُوئے عہد کو پُورا کرو لہٰذا اللہ سے کئے ہُوئے عہد کو پُورا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر حضرت علی قصاص لینے سے ٹال مٹول کر رہے ہیں تو اس کا نقصان اُنہی پر ہو گا۔ جب سارا مجمع اس رائے پر متفق ہو گیا تو ام المومنین نے مدد کی اپیل کی۔ حضرت عبداللہ بن عامر الحضری نے جو اس وقت مکہ کے امیر تھے ام المومنین کی مدد کا اعلان کیا۔ ان کے ساتھ سعید بن العاص، ولید بن عقبہ وغیرہم نے بھی مدد کا اعلان کیا۔ پھر بصرہ سے عبداللہ بن عامر اموی، یمن سے یعلی بن امیہ وغیرہم آکر جمع ہوئے لہٰذا ام المومنین کے پاس ایک اچھی خاصی جماعت تیار ہو گئی۔ پھر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے بصرہ کو کوچ کیا کیونکہ انہیں اُمید تھی کہ اہل بصرہ بھی اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پُورا کرنے کے لئے ان کا ساتھ دیں گے

حضرت علی کی جان نکل گئی

دوسرے دن یہ خبر پھیلی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کل رات مدینے سے شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ لوگ حضرت علی کے پاس جمع ہوئے اور بیان کیا کہ کل رات اتنا خطرناک حادثہ پیش آیا جس کے مقابلے میں طلحہ و زبیر کا اور امیر معاویہ کا حادثہ بھی ہیچ ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کل رات مدینہ سے شام کی طرف بھاگ گئے ہیں۔

یہ خبر سنتے ہی حضرت علی کی جان نکل گئی۔ وہ گھبرا کر مدینہ کے بازار کی طرف بھاگے اور لوگوں کو سواریوں پر لاد کر عبداللہ بن عمرؓ کی تلاش کے لئے دوڑایا۔ اس واقعے سے مدینہ کے اصل باشندوں میں ایک زبردست ہیجان پیدا ہوگیا۔ اور وہ چھپ چھپ کر مدینہ سے باہر نکلنے لگے۔

ان حالات کی اطلاع ام کلثوم بیوہ حضرت عمرؓ مرحوم کو ہوئی وہ فوراً اپنے خچر پر سوار ہو کر اپنے باپ حضرت علیؓ سے مدینہ کے بازار میں ملیں اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شام کی طرف بھاگے نہیں ہیں بلکہ عمرہ کرنے اور اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ واپس لے آنے کے لئے مکہ گئے ہیں۔ وہ شام کے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

جب حقیقت حال سے آگاہی ہوئی تو حضرت علیؓ کا دل مطمئن ہوا۔ اور ان کی جان میں جان آئی مگر اس حادثہ کا یہ اثر ہوا کہ تمام بدری صحابہ نے حضرت علیؓ کی جنگوں میں حصہ نہیں لیا۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ "اس فتنہ میں صرف چھ بدری مسلمان مبتلا ہوئے" خود علی بدری صحابی تھے۔ ایک اور نے ان کی حمایت کی چار نے ان کی مخالفت کی۔ باقی سب غیر جانبدار رہے۔

انکشاف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ ام کلثوم بنت علیؓ نے جو حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھیں عون بن جعفر طیار شہید سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اپنا سوتیلا بیٹا حضرت عبداللہ بن عمرؓ عمرہ کے لئے مکہ گئے ہیں اور وہ شام والوں کے خلاف جنگ کرنے میں حضرت علی کا ساتھ دینے کا ارادہ نہیں رکھتے حضرت علی اس سے لاعلم تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ام کلثوم اور ان کے خاوند عون بن جعفر طیار اور دوسرے

بہت سارے عزیز و اقارب حضرت علی کے مخالف تھے۔ علی کے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ اور ان کے بچے حضرت علی کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ عربوں کو چھوڑ کر عجمیوں سے اپنے تعلقات بڑھا لئے تھے اور ان عجمیوں کی مدد سے حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو شہید کروایا تھا۔ شیعی مورخوں نے اصل واقعات کو چھپا دیا ہے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ عام تاریخی کتابوں میں مورخوں نے واقعات کچھ ایسے چبا چبا کر بیان کئے ہیں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں معلوم ہوتا۔ آج تک نہ حضرت عمر فاروق اعظم کے قاتل کا پتہ لگا اور نہ عثمان غنی کے قاتل کا۔ یہ تو صحیح ہے کہ عمر فاروق کو مارا ابولولو مجوسی نے مگر اصل قاتل جس نے ابولولو سے یہ فعل کرایا وہ اب تک پردے میں ہے۔ اسی طرح عثمان کے قاتل چند مصری قرار دیئے گئے ہیں۔ مگر یہاں بھی اصل قاتل پردے میں چھپا ہوا ہے۔

مولویانِ زمانہ نے صدیوں سے یہ بڑا غضب ڈھایا کہ اس تاریخی واقعات کو بالکل چھپا ڈالا۔ اور اگر کہیں کسی کی زبان پر کوئی اصل واقعہ آجاتا تو اسے دھمکایا جاتا کہ مشاجرات صحابہ میں دخل دینا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ ملایانِ زمانہ کی یہ شرارت اور ان کا یہ افسوں پورا کارگر ہوگیا۔ وہ لوگ اصل میں شیعی عقائد پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر ظاہر داری کے مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ ان کی اس شرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل اسلامی دنیا قریب قریب صحابہ کے حالات سے جاہل رہ گئی چونکہ یہ رنگ پڑھے لکھوں پر بھی بہت گہرا چڑھ گیا تھا۔ اس لئے متاخرین کی جس قدر تصانیف ہیں۔ وہ سب اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں اور انہوں نے ہر مقام پر عمداً حق پر پردہ ڈالا ہے۔ (کتاب شہادت)

دھماکہ پر دھماکہ

غرض حضرت علیؓ کے دماغ و اعصاب پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بغیر اطلاع عمرہ کرنے کے لئے مکہ روانہ ہو جانے سے جو شدید دھچکا لگا اس سے وہ پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مزید ایک اور دھماکہ ہوا۔ اس وقت یہ خبر پہنچی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سرکردگی میں مکہ سے ایک فوج بصرہ روانہ ہو چکی ہے جس کی سپہ سالاری حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے باثر افراد اور بدری اصحاب کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت علی پر سناٹا چھا گیا۔ کیونکہ طلحہ اور زبیر خلافت کے لئے نہایت موزوں اشخاص تھے۔ حضرت علی نے ان دونوں کو اپنا حریف تصور کیا اور فیصلہ کیا کہ اس فتنہ کا سب سے

ان کا اقدام خلیفۂ وقت کے خلاف ہرگز نہیں تھا

احنف بن قیسؓ کا بیان ہے کہ میں ابھی مکہ میں مقیم تھا حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی مکہ میں تشریف فرما تھیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ مجھے کس شخص کی بیعت کا حکم دیتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے کہا، "علی کی بیعت کر لو"۔

احنف: کیا آپ علی کی خلافت پر راضی ہیں؟

حضرت عائشہ رضؓ: "ہاں" (کیونکہ وہی فی الوقت خلیفہ ہیں) (طبری خلافت حضرت علی حصہ سوم)

لہٰذا ام المومنین کا بصرہ کوچ کرنا حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کی طرف قدم نہیں تھا۔ حضرت علی یقینی خلیفہ تھے۔ گو انہیں قانونی حیثیت حاصل نہیں تھی کیونکہ عرب کے آزاد مسلمان باشندوں نے منتخب نہیں کیا تھا۔

امیر معاویہؓ کو علی کا خط

جب حالات بہت خراب ہوئے اور کسی صوبہ میں حضرت علی کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تو انہوں نے امیر معاویہ رضؓ اور ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو بیعت کرنے کے لئے خطوط لکھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ یہاں (کوفہ میں) سب آپ کے مطیع ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے زبردستی بیعت کی ہے اور کچھ لوگ آپ کی بیعت سے راضی ہیں۔

مگر حضرت امیر معاویہ رضؓ نے حضرت علی کے قاصد کو بغیر کسی جواب دیئے واپس بھیج دیا اور ساتھ اپنا ایک قاصد روانہ کیا جو حضرت علی کے نام خط لے جا رہا تھا۔ حضرت علی نے امیر معاویہ کا خط لے کر اس کی مہر چاک کی مگر خط کے اندر کوئی تحریر موجود نہیں تھی۔

امیر معاویہ سے جنگ کی تیاری

حضرت حسن رضؓ نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے والد بزرگوار کو مشورہ دیا کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھ جایئے اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ لیکن حضرت علی نے ان کی بات نہ مانی اور لوگوں کو شام کے خلاف جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ لشکر کا جھنڈا اپنے بیٹے محمد ابن الحنیفہ کے حوالے کیا۔

مدینہ میں پریشانی

مجوسی غلام تو امیر معاویہ کے خلاف جہاد کی تیاری دیکھ کر خوش ہوئے مگر مدینہ کے مسلمان بہت پریشان ہوئے کیونکہ یہ جہاد انہیں مشتبہ نظر آتا تھا اسی لئے مدینہ والوں نے زیاد بن حنظلہ التمیمی کو حضرت علی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے حضرت علی کو نرمی اور احسان سے پیش آنے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت علی نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا انکار

حضرت علی رضؓ نے عبداللہ بن عمر رضؓ کے پاس کمیل نخعی کو بھیجا کہ وہ شام کے جہاد میں خلیفہ کے ساتھ شریک ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔

میں تو اہلِ مدینہ کے ساتھ ہوں۔ اگر وہ حضرت علی رضؓ کی بیعت کر لیں گے تو میں بھی بیعت کر لوں گا۔ اگر وہ ان کے ساتھ جاتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ جہاد کے لئے جاؤں گا۔ اگر وہ جنگ میں شریک نہیں ہوتے تو میں بھی شریک نہیں ہوں گا۔

حضرت علی کی گھبراہٹ

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی مدینہ والے بہت عزت کرتے تھے۔ قدر و منزلت تو کجا وہ علی کو پوچھتے تک نہیں تھے جب سے حضرت عثمان رضؓ کو بلوائیوں نے شہید کیا وہ علی کو قاتلانِ عثمان کی پشت پناہی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ بیشک مدینہ کے موالی اور باغیوں کی جماعت حضرت علی کی پُرزور مددگار تھی۔ مدینہ میں ان کی اکثریت بھی تھی۔ وہ حضرت علی رضؓ کے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں اپنے سینے تان کر چلتے تھے۔ مگر حضرت علی چاہتے تھے کہ مدینہ کے عرب باشندے بھی ان کا ساتھ دیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ انکے طرفدار ہو جائیں تو اہلِ مدینہ بھی ان کے مددگار بن جانے میں کوئی دیر نہ لگے گی حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے طرزِ عمل سے ہی مسلمانانِ مدینہ کو شام کے خلاف جہاد بہت زیادہ مشتبہ نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ حضرت علی رضؓ نے ایک خطبہ دیا تھا جس میں کہا تھا:

"اللہ ہی کی حکومت میں تمہارے دین کی حفاظت ہے۔ تم کسی طرف رُخ کئے بغیر صرف میری اطاعت کرو اور اس قوم کے مقابلے پر چلو جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کر رہی ہے"۔

خاتمہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ بڑی مشکل سے حاصل کی ہوئی خلافت ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے حریفوں کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا اور فوج کو جو شام کی جہاد کے لئے تیار کی گئی تھی بصرہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت حسنؓ کی مخالفت

حضرت حسن نے اپنے والد بزرگوار کو کہا کہ آپ مسلمانوں کے خلاف اور خاص طور پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تلوار نہ اٹھایئے آپ مدینہ چھوڑ کر باہر نہ جایئے اور اپنے ان شیعوں کے پاس جو آپ کی بات مانتے ہیں اپنے پیغام بھیج دیجئے۔ حضرت علی نے ان کی ایک نہ مانی غصہ کے حسنؓ اپنے باپ کے ساتھ مدینہ سے روانہ نہیں ہوئے۔ البدایہ والنہایہ میں درج ہے کہ حضرت علی جب مدینہ سے نکل رہے تھے تو حسنؓ نے کہا "یا ابتی دع هذا فان فيه سفك الدماء المسلمين ووقوع الاختلاف بينهم۔

ترجمہ:۔ اے میرے ابا جان! آپ اس کو چھوڑیئے کیونکہ اس سے مسلمانوں کا خون بہے گا اور آپس میں اختلاف بڑھے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو گالیاں دی گئیں

جب حضرت علی لشکر لے کر مدینہ سے چل پڑے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا یا امیر المومنین آپ مدینہ سے باہر ہرگز نہ جایئے۔ خدا کی قسم آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر آپ کبھی مدینہ واپس نہ آسکیں گے۔ اور نہ پھر کبھی مدینۃ الرسول دار السلطنت رہے گا۔

یہ سن کر علی کی پارٹی نے حضرت عبداللہ بن سلام کو گالیاں دیں۔ حضرت علی نے کہا۔ انہیں کچھ مت کہو یہ رسول اللہ کے صحابیوں میں بہت بہتر آدمی ہیں۔ (طبری)

نوٹ:۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کے دل میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف بغض و حسد اور کینہ بھرا ہوا تھا۔ ورنہ وہ کبھی نہ کہتے کہ عبداللہ بن سلام ان سب سے بہتر آدمی ہیں۔

ربذہ میں قیام

جب حضرت علیؓ کا لشکر ربذہ پہنچا تو اطلاع ملی کہ اُم المومنین کا

لشکر بہت پہلے نکل گیا ہے۔ وہ بصرہ پہنچ چکا ہے۔ اس لئے حضرت علی نے ربذہ میں فوج کا پڑاؤ ڈالا اور کوفہ سے مزید امداد حاصل کرنے کے لئے اپنے قاصد بھیجے۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت علی نے کوفہ والوں کو اس وقت خط لکھا جب بصرہ پر حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

پہلے پہل خط محمد بن ابی بکر کے ہاتھ روانہ کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ نے مسلمانوں کو جامع مسجد میں جمع کر کے حضرت علی کا خط پڑھ کر سنایا اور جب کوفہ والے ان سے مشورہ کرنے لگے تو فرمایا اگر تم آخرت چاہتے ہو تو اپنی جگہ بیٹھے رہو، اور اگر دنیا کے طلب گار ہو تو بے شک جنگ میں شریک ہو جاؤ۔ لہٰذا محمد بن ابوبکر کوفہ سے ناکام و نامراد واپس ہوا۔

اسی اثنا میں حسنؓ بھی مدینہ سے نکل کر ربذہ پہنچ گئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ والد کو یونہی چھوڑ دینے سے وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح ناچتے رہیں گے۔ ان کے ساتھ رہنے سے کبھی کبھی ان کو غلط اقدامات سے روکا جا سکتا ہے۔

حضرت علی کے انسانی ٹٹو

طبری نے عرنی کا یہ بیان درج کیا ہے کہ حضرت علی نے عرنی سے پوچھا کیا تم ذی قار کا راستہ جانتے ہو۔ عرنی نے کہا "ہاں" حضرت علی نے کہا۔ تو تم ہمارے ساتھ (راستہ بتاتے ہوئے) چلو۔ عرنی کہتا ہے کہ میں ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حتیٰ کہ ہم ذی قار پہنچ گئے۔

حضرت علی نے اپنی فوج کے دو آدمی لئے اور ان کو ایک دوسرے سے ملا کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص کو طلب کیا اور اسے ان دونوں کے اوپر بٹھا دیا۔ پھر حضرت علی اس اوپر والے شخص کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ یہ طریقہ انہوں نے اپنے پیروں یعنی مجوسیوں سے سیکھا ہوگا۔

اُم المومنین اور عربوں کی شان میں گوہر افشانی

پھر انسانی ٹٹوؤں پر بیٹھ کر ایک جانب اپنے پیر لٹکائے ہوئے بعد حمد و ثنا کہا:۔

"تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس قوم اور اس عورت نے کیا کیا؟ قوم سے مراد قوم قریش اور

اس عورت سے مراد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ علی کہتے ہیں کہ وہ قوم قریش سے بالکل الگ ہو گئے یہ سنتے ہی حسن اُٹھ کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔

حضرت علی۔ یہ تم لڑکیوں کی طرح کیوں رو رہے ہو؟

حضرت حسن۔ میں نے آپ کو مشورہ دیا لیکن آپ نے میری مخالفت کی۔ جان رکھو کہ تم بھی نہایت معیبت کے ساتھ قتل کئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

حضرت علی۔ تو نے مجھے جو مشورہ دیا تھا وہ لوگوں سے بیان کر دے۔

حضرت حسن۔ جب لوگوں نے عثمان کو شہید کر دیا تو میں نے مشورہ دیا تھا کہ بیعت کے لئے اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ پھیلاؤ جب تک عرب کے تمام علاقوں کے لوگ تمہیں خلافت پر مجبور نہ کریں لیکن تم نے میرا مشورہ نہیں مانا۔

جس وقت "اس عورت نے" اور ان لوگوں نے سر اٹھایا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ تم مدینہ میں بیٹھے رہو۔ مدینہ سے باہر نہ جاؤ اور اپنے ان شیعوں کے پاس جو تمہاری بات مانتے ہیں اپنے پیغامبر بھیج دو۔

حضرت علی۔ اس نے سچ کہا۔ لیکن خدا کی قسم میں بکری کی طرح کمزور نہیں بننا چاہتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب نبی صلعم کی وفات ہوئی تو میں اپنے سے زیادہ کسی کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر ابوبکر ہلاک ہوئے۔ اس وقت بھی میں اپنے سے زیادہ کسی کو حقدار نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن لوگوں نے عمر کی بیعت کر لی۔ پھر وہ بھی ہلاک ہوئے اور انہوں نے چھ آدمیوں سے ایک ممبر مجھے بھی نامزد کر دیا۔ لیکن اس وقت بھی لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی جس کی وجہ سے میں نے بھی بیعت کر لی۔ پھر لوگوں نے عثمان سے بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا۔ اور میرے پاس خوشی سے بیعت کے لئے آئے۔ میں نے کسی پر زبردستی نہیں کی۔ اب جو شخص بھی میری اور ان لوگوں کی مخالفت کرے گا۔ جو میرے متبع ہیں تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ میرے اور ان کے درمیان اللہ تعالےٰ فیصلہ فرما دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

(خلافت راشدہ حصہ سوم)

نوٹ:۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضؓ نے قوم قریش کو خاص طور پر اور تمام عربوں کو عام طور پر ٹھکرا دیا کیونکہ انہوں نے خلافت کے معاملہ میں ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ترجیح دی۔ ام المومنین حضرت عائشہ سے ان کا برتاؤ ہمیشہ ذلت آمیز اور مخالفانہ رہا۔

حسن رضؓ کی مخالفت ختم ہو گئی

حضرت حسن رضؓ کا طرز عمل اس حادثہ کے بعد سے بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اب تک وہ اپنے باپ کی مخالفت کرتے رہے مگر اس کے بعد وہ ان کے طرفدار بن گئے ان کا وفد لے کر کوفہ پہنچتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ڈانٹتے ہیں کہ تم نے کوفہ والوں کو ہماری مدد سے کیوں روک دیا پھر مالک اشتر نخعی غنڈوں کی جماعت کے ساتھ کوفہ پہنچتا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کے گھر میں داخل ہو کر ان کا سامان قصر کوفہ سے نکال کر باہر پھینکتا ہے۔ اور چلّا کر کہتا ہے۔ "تیری ماں مرے۔ ہمارے قصر سے نکل جا۔ خدا کی قسم تو تو پرانا منافق ہے"۔ اور حسن رضؓ کھڑے ہوئے تماشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ آخر ان کی اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟

مورخوں نے کچھ نہیں لکھا ہے مگر تاریخی واقعات پر گہری نظر ڈالنے سے حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے تنگ آکر اپنی پارٹی کے سربراہوں سے اپیل کی ہوگی کہ وہ سب مل کر حسن رضؓ کو سمجھائیں کہ وہ اپنے باپ سے مخالفت کا رویّہ ترک کر دیں۔ ایران کے ہمدانیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر حسن کو حضرت علی سے مانگ لیا ہوگا اور کہا ہو گا کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں ہم ان کو چند دنوں میں ٹھیک کر دیں گے اور اپنے "طریقہ" کار سے بھی حضرت علی رضؓ کو آگاہ کر دیا ہوگا۔ ان کا تربیتی کورس بالکل آسان تھا۔ جو حسن رضؓ کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی بقیہ زندگی اسی کورس کے مطابق ڈھال لی تھی۔ کورس یہ تھا کہ ہر شام ان کا نکاح ایک ہمدانی دوشیزہ سے کر دیا جاتا تھا۔ اور دوسرے دن ان سے کہا جاتا تھا کہ اسے طلاق دے کر دوسری دوشیزہ سے نکاح کر لیں۔ وہ یہ کام حضرت علی کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔

ایرانی مجوسیوں میں افزائش نسل کا یہ طریقہ پہلے سے جاری تھا۔ وہ کسی غیر معمولی خوبصورت

یا جوانمرد آدمی کو دیکھتے تو اپنی عورتوں کو ترغیب دیتے کہ اُس سے اس جیسا بچہ حاصل کریں۔ آریا قوموں میں نسل ماں سے چلتی تھی۔

المدائنی کی روایت ہے کہ حسن نے اپنے والد ماجد کی زندگی میں نوّے نکاح کئے تھے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو ایک سو کنیزوں کے ذریعے روپیہ بھیجا ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم تھے۔ (تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حسن کے اَن گنت نکاحی عورتوں کے علاوہ کم از کم ایک سو کنیزیں بھی تھیں۔ جو رات دن ان کے ہاتھ پیر دباتی تھیں۔ اسی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی تھی کہ بیت المال کوفہ میں اس وقت جو کچھ ہے وہ مجھے دیا جائے چنانچہ پانچ کروڑ نقد اور دیگر بیش بہا ہیرے جواہر وغیرہ لے کر مدینہ آئے۔ وہ سب حرم کی زندگی پر خرچ ہوئے۔ پھر قرض لیا اور اتنے قرضدار ہوئے کہ ایک وقت ادائے قرض کے لئے حضرت امیر معاویہؓ کے آگے دست سوال دراز کیا۔ انہوں نے دریا دلی سے اسّی ہزار دینار عطا کئے۔ (صفحہ ۳۲۶) پھر حضرت حسن کو وظیفوں سے سالانہ پچیس لاکھ درہم ملتے تھے۔ جاگیر سے آمدنی الگ تھی۔

ملا باقر مجلسی نے "جلاء العیون" (مطبوعہ تہران ۱۳۳۳ھ) میں صفحہ ۳۰۹ پر لکھا ہے کہ
"حضرت امام حسن علیہ السلام نے دو سو پچاس اور دوسری روایت کے مطابق تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ اس پر امیر المومنین علی علیہ السلام نے منبر پر کہا کہ حسن بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں۔ تم اپنی بیٹیاں ان کو مت دو۔ اس پر لوگوں نے کہا "یک شب دختر ما را تزویج کند برائے ما از شرف کافی است"۔ (صفحہ ۳۰۹ سطر ۶)

طلاق اللہ کو ناپسند ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابغض الحلال الی اللہ الطلاق" یعنے جائز چیزوں میں اللہ کے پاس سب سے ناگوار چیز طلاق ہے۔ جو بات اللہ کو ناپسند تھی وہ حسنؓ کو پسند تھی اور ان کے والد حضرت علیؓ کو پسند تھی اگر علی کو ناپسند ہوتی تو وہ بحیثیت خلیفہ حسن کو عبرت خیز سزا دیتے اور انہیں ناپسندیدہ باتوں میں مبتلا ہونے سے روک دیتے۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ جتنی عورتوں کو طلاق دی گئی وہ سب کے سب حسنؓ کے جنازے کے ساتھ روتی پیٹتی اور ننگے پاؤں حاضر تھیں۔

پروفیسر ہٹی نے لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ کے سو سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ابن ابی الحدید نے ان کی تعداد ستر بتائی ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں علی بن حسین زین العابدین کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام حسن طلاق دینے کے بے انتہا عادی تھے۔ جو عورت آپ کے نکاح میں آتی وہ آپ سے جُدا ہونا ہرگز گوارا نہ کرتی۔ آپ نے نوّے شادیاں کیں۔ اور جعفر بن محمد الباقر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن نکاح کرتے اور طلاق دے دیتے آپ کے اس وطیرہ سے ہمیں خوف ہو گیا تھا کہ قبائل میں اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمنی رہے گی۔ اسی جعفر بن الباقر کے حوالہ سے حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے کوفیوں سے فرمایا کہ تم اپنی لڑکیوں کا حسن سے نکاح نہ کرو کیونکہ طلاق دینا اس کی عادت ہے۔ اس پر ایک ہمدانی (ہمدان ایران کا ایک مشہور شہر ہے) نے کہا۔ ہم اپنی لڑکیاں انہیں ضرور دیں گے وہ پسند کے موافق چاہے رکھیں چاہے طلاق دے دیں۔

حضرت علی کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی معاملے میں کوئی ایک مستقل رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس کی ادنیٰ مثال اخبار الطوال کے انکشاف میں ملتی ہے۔

اخبار الطوال کے شیعہ مولف نے لکھا ہے کہ حضرت علی کے ایام خلافت میں نیشاپور سے کسریٰ کے خاندان کی ایک لڑکی بنت بامان گرفتار ہو کر آئی۔ حضرت علی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حسن سے نکاح کر لے لیکن اس نے انکار کر دیا اور ایران کے ایک زمیندار کی زوجیت قبول کی۔ (اخبار الطوال صفحہ ۱۶۳) اس کی وجہ شاید اس کا خاندانِ کسریٰ سے تعلق ہو۔ حضرت علی خاندانِ کسریٰ سے اپنے تعلقات بڑھانے میں پیش پیش تھے۔ عرب خاندانوں سے ان کو چڑ تھی۔ اسی لئے وہ عراق میں بس کر عراقی بن گئے۔ جیتے جی عرب کا رُخ نہ کیا اور حج کرنے کے لئے بھی مکہ نہ آئے۔

خاندانِ عباسیہ کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے

محمد المہدی کی بغاوت کو کچلنے کے بعد مجمع عام میں کی اور جس تقریر کو ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم میں محفوظ کر رکھا ہے حسن بن علی بن ابی طالب کے متعلق کہا:۔

"ان (حضرت علی) کے بعد حسن بن علی خلیفہ ہوئے۔ مگر بخدا وہ اس کے مرد نہ تھے جب ان کو روپیہ پیش کیا گیا۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا اور خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور خود عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ روز ایک نکاح کرتے اور دوسری کو طلاق دے دیتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی زندگی پوری کر دی اور بستر پر پڑے پڑے انتقال کیا۔

غرض حسنؓ نے اپنے باپ سے مخالفت کا رویہ ترک کر دیا اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بقیہ زندگی حضرت علیؓ کی پیروی میں گزار دی۔

باب ـــ ۱۶

طلحہ اور زبیر نے دھوکہ کھایا

مدینہ سے بصرہ جاتے ہوئے حضرت علی طلحہ اور زبیر کو ہر وقت یاد کرتے تھے۔ جس کی جھلکیاں تاریخ طبری کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں۔ جب وہ ربذہ میں مقیم تھے تو ان کے عامل بصرہ ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے امیر المومنین آپ نے مجھے داڑھی والا بھیجا تھا۔ لیکن میں اب آپ کے پاس بغیر داڑھی کے واپس آیا ہوں۔ علی نے کہا۔ تو نے ثواب اور اجر حاصل کیا۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے قبل دو شخص لوگوں کے والی ہوئے۔ ان دونوں نے کتاب اللہ پر عمل کیا۔ پھر تیسرا شخص لوگوں کا والی بنا لوگوں نے اس سے جو سلوک کیا وہ سامنے ہے۔ پھر لوگوں نے میری بیعت کی۔ طلحہ اور زبیر نے بھی میری بیعت کی۔ لیکن ان دونوں نے بعد میں میری بیعت توڑ دی اور لوگوں کو مجھ پر چڑھا لائے۔ مجھے تعجب اس بات کا ہے کہ یہ دونوں ابوبکر اور عمر کے مطیع اور فرمانبردار تھے لیکن میرے اتنے مخالف ہیں۔ خدا کی قسم یہ دونوں خوب جانتے ہیں کہ میں بھی گذشتہ لوگوں سے کم نہیں ہوں۔ اے اللہ! انہوں نے میرے لئے جو مشکلات پیدا کی ہیں انہیں حل فرما۔۔۔

۔ ۔ ۔ اور ان کے عمل کی برائی انہیں دکھا دیجئے!

پھر جب حضرت علی ربذہ سے بڑھ کر ثعلبہ پہنچے، انہوں نے اپنے حالات لوگوں کو بیان کر کے جو دعا کی اس میں کہا

"اے اللہ! طلحہ اور زبیر مسلمانوں کے قتل میں مبتلا ہو چکے ہیں مجھے ان کے قتل سے عافیت میں رکھ"

پھر جب وہ اساد پہنچے اور وہاں انہیں حکیم بن جبلہ اور دیگر قاتلانِ عثمان کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے تکبیر کہی اور فرمایا

اب کیا وجہ ہے کہ مجھے طلحہ اور زبیر سے نجات نہیں ملتی۔ جبکہ ان دونوں نے قصاص لیا ہے؟ اے اللہ! ان دونوں کو مجھ سے نجات دیدے! (طبری حصہ سوم خلافت علی)

ان بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے دل و دماغ پر طلحہ اور زبیر سوار ہو گئے تھے۔ وہ ہر وقت ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے متعلق غور کر رہے تھے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرفدار فوج پر شبخون مارنے اور طلحہ اور زبیر کو ٹھکانے لگانے کا خاکہ تیار کر لیا تھا۔

جنگ جیتنے کے چند اُصول

فوجی اعلیٰ حکام جانتے ہیں کہ کسی جنگ میں مخالف فوج کو شکست دینے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اسے دھوکہ میں رکھ کر اس پر اچانک حملہ کیا جائے اس کا سامانِ رسد تلف کر کے اس پر شب خون مارا جائے، اس کی حمایتی فوجوں کے درمیان حائل ہو کر اسے مدد پہنچنے کے تمام امکانات کو ختم کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ

جنگِ جمل میں حضرت علی نے ان اصولوں سے کام لیا اور ام المومنین کی طرفدار فوج کو دھوکہ میں رکھ کر اس پر اچانک شب خون مارا۔ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو ٹھکانے لگایا تاریخ طبری میں درج شدہ واقعات ملاحظہ ہوں۔

اُم المومنین پر شب خون

جب قعقاع بن عمرو کی قیادت میں کوفہ سے بارہ ہزار فوج کی مدد مل گئی تو حضرت علی میں اگر رمق برابر بھی

خلوص ہوتا تو وہ اسی وقت ان کے دہنے بائیں آگے اور پیچھے چلتے ہوئے بلوائیوں کا اسلحہ چھین کر ان کو قیدی بنا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا حالانکہ مدینہ میں وہ طلحہ اور زبیر سے کہا کرتے تھے کہ بلوائی ہم پر غالب ہیں اور اس حالت میں ہم حضرت عثمان رضؓ کے خون کا قصاص کیسے لے سکتے ہیں۔ اب کوفہ کی بارہ ہزار افراد پر مشتمل فوج بلوائیوں کی تقریباً ایک ہزار آٹھ سو افراد پر مشتمل فوج پر نہایت آسانی سے قابو پا سکتی تھی۔ مگر حضرت علی اپنی ہی بنائی ہوئی پارٹی کے افراد کو قتل کیسے کر سکتے تھے؟ اسی لئے شاہ ولی اللہ شاہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں کہ "حضرت علی قصاص لینے پر قادر تھے مگر ذی النورین کا قصاص نہیں لیا۔ بلکہ اس کے مانع ہوئے" وہ لکھتے ہیں کہ

حضرت علی نے وعدہ کیا کہ وہ حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہٗ کا قصاص ضرور لیں گے۔ وہ قصاص لینے پر قادر تھے اور حضرت عثمان ذی النورین کے مظلومانہ قتل کا قصاص ضرور لے سکتے تھے مگر انہوں نے قصاص نہیں لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ انہوں نے خطائے اجتہادی سے کام لیا۔ (جلد دوم صـ۲۷۹) پھر اسی کتاب کے صـ۲۷۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت علی کی مقاتلات تو اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں نہ باغراض اسلام۔ "وے خوے" نے لکھا ہے کہ حقیقتِ نفس الامر یہ ہے کہ حضرت علی کو حضرت عثمان کی جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس اور پارسائی کا جذبہ ان کے طلبِ خلافت میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار وحبِ جاہ کی ترغیب تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانکا جلد ۵ صـ۲۰۔ گیارھواں اڈیشن)

پھر حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو سکھا پڑھا کر مصالحت کی غرض سے بصرہ بھیجا۔ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ تاثر دیا کہ حضرت علی دل وجان سے صلح کے خواہاں ہیں۔ اگر صلح ہو گئی اور تمام مسلمان آپس میں متحد اور متفق ہو گئے تو نہایت آسانی کے ساتھ قاتلین عثمان رضؓ سے نمٹا جا سکتا ہے۔ حضرت زبیر اور طلحہ نے بھی اس امر پر اتفاق کیا۔ اور ان کی باتوں میں آگئے۔

یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب صلح پر اتفاق ہو گیا تو علی رضؓ کے کرنے کا کام کیا تھا؟ وہ اپنی طرف سے چند لوگوں کو ساتھ لیتے، طلحہ اور زبیر کو کہلا بھیجتے کہ تم بھی اپنے سرداروں کو

لے کر دونوں افواج کے درمیان کسی معینہ مقام پر حاضر ہو جاؤ۔ پھر دونوں طرف سے باقاعدہ صلح کی شرائط پر گفتگو ہوتی۔ ان شرائط کو قلمبند کر کے دونوں طرف کے اراکین صلح نامہ پر دستخط کرتے۔ صلح نامہ پر دستخط ہونے تک مخالف فوجوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا جاتا۔ اسلام کے قبل اور بعد کے تمام زمانوں میں صلح نامے اسی طرح طے پائے۔

مگر حضرت علی نے اپنی فوج کو آگے بڑھایا۔ اور جب اس قوم کے پاس پہنچے جہاں انہوں نے حکیم بن سلامہ اور مالک بن حبیب کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا تاکہ ان کو زبیر اور طلحہ سے تڑوا دیں تو ان سے فرمایا کہ اگر تم اسی فیصلہ پر قائم ہو جو قعقاع فیصلہ کر کے آئے ہیں تو تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو، اور ہمارے لشکر کو نیچے اترنے دو۔ اور ہمیں اس کا موقع دو کہ ہم اس معاملہ پر غور کر سکیں۔ اس طرح حضرت علی نے اقرار کیا کہ انہوں نے قعقاع کے فیصلہ پر اب تک غور نہیں کیا مگر اس کے پہلے ہی اپنی فوج کو بصرہ تک لے آئے۔

پھر جب حضرت علی رضؓ کی فوج کو دیکھ کر بنو سعد آستین چڑھاتے ہوئے آگے بڑھے تو احنف بن قیس نے آگے بڑھ کر ان سے کہا:۔

بصرہ میں ہماری قوم کے لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کل ان پر غالب آ گئے تو آپ ان سب کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا کیا مجھ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے؟ کیا یہ صورت کفار کے علاوہ کسی اور کے لئے حلال ہے اور پھر کیا تو اپنی قوم کو مجھ سے بچا لے گا۔ احنف نے کہا ہاں میں اپنی قوم کو بچا سکتا ہوں۔ آپ میری دو باتوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجئے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں تن تنہا آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو دس ہزار ننگی تلواریں (جو آپ کے خلاف چلنے کے لئے بیتاب ہیں) آپ سے روک لوں گا۔

حضرت علی نے کہا مجھے تمہاری دوسری رائے پسند ہے۔

احنف اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو جنگ سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح بنو خندف بنو تمیم اور بنو سعد کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی طرفداری سے تڑوا دیا۔ جنگ کے بعد ان لوگوں نے حضرت علی رضؓ سے بیعت کر لی۔ (خلافتِ راشدہ حصہ سوم)

طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی نے قبیلۂ ازد کے لوگوں کو بھی جو سب کے سب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طرفدار تھے حضرت کعب بن سور کے ذریعے توڑوانے کی کوشش کی مگر کعب بن سور جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی تھے۔ ام المومنین کی طرفداری پر اڑے رہے

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی نے صلح کی چیخ و پکار کیوں کی۔ جبکہ خفیہ طور پر وہ ام المومنین کے تمام طرفداروں کو ان سے توڑوانے میں مصروف تھے۔ ان کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ام المومنین کی طرفدار فوج کو صلح کے دھوکے میں رکھ کر اس پر شب خون مارنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر علی کو مقدس سمجھنے والے مشرک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت علی نے اپنی فوج کو آگے بڑھا کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوجوں کے مقابل اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ ہر قبیلہ کے لوگ اپنے اہل قبیلہ کے مدِ مقابل رہے مضر مضر کے مقابلے پر، ربیعہ ربیعہ کے مقابلے پر اور اہلِ یمن اپنے یمنی بھائیوں کے مقابلے پر۔ ان میں سے کسی کو بھی صلح کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ لوگ آپس میں باہم ملتے رہے اور ان سب میں ہر وقت صلح ہی کا تذکرہ تھا۔

سب سے بڑا دھوکہ

تعجب اس امر پہ ہے کہ صلح نامہ پہ دستخط ہونے کے قبل طلحہ اور زبیر نے علی کی فوجوں کو بصرہ میں داخل ہوتے ہی کیوں دیا. انہوں نے مخالف فوج کی جنگی چال کا فوراً توڑ کیوں نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین وقت پر ان دونوں کے دماغوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے۔ انہوں نے بلا وجہ حد سے زیادہ حضرت علی پر بھروسہ کیا جس کی وجہ سے ان دونوں کی عزیز جانیں تلف ہوئیں۔

طبری میں تذکرہ پایا جاتا ہے کہ جب حضرت علی کی فوجیں بصرہ میں داخل ہو رہی تھیں تو ابو الجرباد نامی ایک شخص نے حضرت زبیر بن العوام سے کہا کہ تم اس وقت ان پر ایک ہزار گھوڑوں سے حملہ کر دو۔ اور علی کے بصرہ میں داخل ہونے کے قبل ہی انہیں ختم کر کے رکھ دو۔ حضرت زبیر نے نہیں مانا اور فرمایا کہ آپس میں مصالحت کی گفتگو شروع ہو چکی ہے۔ پھر دوسرا شخص صبرۃ بن سیمان سامنے آیا اور کہا کہ آپ اسی وقت ان پر حملہ کریں کیونکہ جنگ میں تدبیر بہادری سے زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ حضرت زبیر نے اس کی بات بھی نہ مانی۔ وہ مسلمانوں کا خون بہانا نہیں

چاہتے تھے۔ وہ صرف حضرت عثمان رض کے قاتلوں سے نمٹنا چاہتے تھے اور حضرت علی رض نے وعدہ کیا تھا کہ صلح کے بعد وہ سب مل کر قاتلوں سے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے۔ وہ مسلمان تھے۔ اس لئے حضرت علی کے وعدہ پر بھروسہ کر لیا۔

صلح کی گفتگو

اس کے بعد جب شب خون مارنے کی تیاری مکمل کر لی تو حضرت علی نے مزید دھوکہ دینے کے لئے حضرت زبیر و حضرت طلحہ سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں صلح کی تمام شرطیں طے پائیں۔ طلحہ اور زبیر نے اپنے لشکر کے سرداروں کے پاس کہلا بھیجا کہ ہماری غرض وغایت قاتلین عثمان سے قصاص لینا تھا تو وہ معاملات آپس میں طے پا گئے ہیں اور باہم صلح پا گئی ہے۔ لوگوں نے اعلان صلح کی وجہ سے نہایت بے فکری کے ساتھ رات گزاری اور خوب غافل ہو کر سو گئے۔ حضرت علی کا مارفیا کا انجکشن طلحہ اور زبیر پر سب سے زیادہ اثر دکھایا۔ وہ اتنے غافل ہوئے کہ وہ اپنے فوجی فرائض بھی بھول گئے۔ انہوں نے اپنی فوج کی حفاظت کے لئے پہرہ دینے والے دستے بھی اس رات متعین نہیں کئے۔

شب خون

دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے جبکہ منہ کو منہ سجھائی نہ دیتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج میں ایک شور مچ گیا۔ اہلِ بصرہ اور دیگر قبائل نے اپنے اپنے حامیوں کو پکارنا شروع کر دیا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر مضری سرداروں کے ساتھ معلومات کے لئے باہر نکلے۔ تو لوگوں نے بتایا کہ اہلِ کوفہ نے رات کو حملہ کر دیا ہے۔

طلحہ اور زبیر نے کہا ہم تو پہلے ہی سمجھتے تھے کہ علی اس وقت تک باز نہ آئیں گے جب تک کہ لوگوں کا خون نہ بہالیں گے اور اس طرح ایک حرام کام کو اپنے لئے حلال نہ بنالیں گے۔

جنگ حضرت علی نے چھیڑی

طبری نے جنگ جمل کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی ہیں کہ پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ اس جنگ کو بھڑکانے والے سبائی پارٹی کے لوگ تھے۔ حضرت علی کو پہلے سے اس کا کچھ علم نہیں تھا۔ مگر

انہیں تفصیلات میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جن سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ شب خون مارنے والے حضرت علی ہی تھے۔ وہ شروع سے آخر تک اپنی فوج کے درمیان کھڑے ہو کر جنگ کے احکام جاری کر رہے تھے۔ وہی فوج کو لڑا رہے تھے۔

سب سے پہلے انہوں نے طلحہ اور زبیر کو ٹھکانے لگایا۔ طلحہ کو مارنے والا کون تھا آج تک معلوم نہیں ہوا۔ طبری نے لکھ دیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت مروان کے تیر کا نشانہ بنے مگر جنگِ جمل میں ان کی موجودگی کی خبر بھی مشتبہ نظر آتی ہے۔ پھر ان کو کیا پڑی تھی کہ اپنے ہی سردار کو ہلاک کریں۔ حضرت علی کے تیر سے نہیں تو کم از کم ان کے مقرر کردہ تیر انداز کے نشانہ سے وہ ہلاک ہوئے۔

زبیر کو ہلاک کرنے کے لئے حضرت علی نے احنف بن قیس کو مقرر کیا تھا۔ اس کی شہادت طبری کی کتاب خلافتِ راشدہ حصہ سوم اردو ترجمہ نفیس اکڈمی کراچی کے صفحہ" پر موجود ہے۔ اپنی عادت کے مطابق طبری نے گول مول باتیں کر کے پڑھنے والے کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کے باوجود لکھا ہے کہ

احنف بن قیس نے حضرت علی رضؓ کی خدمت میں پہنچ کر ان سے تمام حال بیان کیا۔ اپنے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی تفصیلات بتائیں۔ حضرت علی نے زبیر کی تلوار منگوائی۔ جب تلوار آگئی تو اسے دیکھ کر فرمایا یہ وہی تلوار ہے جس کے ذریعے زبیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بہت سی تکالیف دور کیں۔ پھر احنف سے فرمایا تو نے بہت برا کام کیا۔

احنف نے کہا۔ میں نے تو یہ کام اچھا ہی سمجھ کر کیا تھا۔ اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے آپ ہی کے حکم سے ہوا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ نرمی اختیار کریں کیونکہ آپ کے قدم اس راہ پر چل رہے ہیں جس راہ سے منزل تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔ آپ کو کل گزشتہ اتنی ضرورت نہیں تھی۔ جتنی کہ آئندہ آپ کو میری ضرورت پیش آئے گی آپ میرا احسان نہ بھولئے اور میری دوستی کو اپنی ہی بہتری کے لئے نبھانے کی کوشش کیجئے اور آئندہ مجھ سے اس قسم کا کوئی تذکرہ نہ کریں تو میں بھی آپ کا خیر خواہ رہوں گا۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے احنف بن قیس کو حضرت زبیر بن العوام کے ٹھکانے لگا دینے پر مقرر کیا تھا۔ جب حضرت زبیر کے قتل کا مژدہ سنایا گیا تو انہوں نے شہادت مانگی اور جب تلوار پیش ہوئی تو اطمینان کا سانس لیا۔ احنف بن قیس کو ڈانٹنے کے طور پر نہیں بلکہ یونہی کہہ دیا کہ تو نے بہت برا کام کیا۔ چونکہ اس برے کام کے کرانے والے خود وہی تھے۔ اس لئے احنف نے علی کو ڈانٹ پلائی اور اتنے تیز فقروں سے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔

اونٹنی پر حملہ کرنے کا حکم

طلحہ اور زبیر کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد علی کی فوج علی کے حکم پر، کیونکہ وہی کمان کر رہے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھی جب اہل بصرہ نے دیکھا کہ سبائیوں کا اصل رخ حضرت عائشہ رضؓ کی جانب ہے اور وہ اس کے علاوہ کہیں اور حملہ نہیں کر رہے ہیں اور جنگ سے باز نہیں آتے تو بصرہ میں رہنے والے مُضریوں نے اونٹ کو گھیر لیا۔ حضرت علی نے پیچھے سے اپنے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی گردن پکڑ لی اور انہیں حکم دیا کہ حملہ کرو۔ انہوں نے کچھ پس و پیش کی تو علی نے جھنڈا لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ یہ دیکھ کر محمد نے حملہ کیا۔

طبری نے محمد بن الحنفیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جمل کے روز میرے والد نے لشکر کا جھنڈا مجھے عنایت کر کے کہا کہ آگے بڑھو۔ میں برابر آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جب میرے آگے نیزے اور سنانیں آڑے آگئیں تو میں رک گیا۔ کسی نے میرے پیچھے سے کہا۔ "تیری ماں مرے آگے کیوں نہیں بڑھتا۔" میں نے جواب دیا کہ آگے کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ چاروں طرف نیزے اور سنانیں ہیں۔ کہنے والے نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا۔ میں نے دیکھا تو وہ میرے والد تھے اور فرما رہے تھے

"اے عائشہ! تم نے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈال لیا اور قوم کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ بیٹوں کے قتل ہونے سے بہتر تھا کہ آپ خود جھک جانا قبول فرما لیتیں۔" (ص ۱۹۲)

طبری نے سیف، صعب اور حکیم کے حوالے سے شریک کی یہ روایت قلمبند کی ہے کہ جنگِ جمل کے دن جب ابن یثربی جو کعب بن سور کے قبل بصرہ کے قاضی رہ چکے تھے۔ گھوڑے پر سوار

ہوکر حضرت عائشہ صدیقہ رض کے اونٹ کی حفاظت کر رہے تھے حضرت علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کون ہے ایسا جوانمرد جو اونٹ پر حملہ کرے۔ ان کے کہنے پر ہند بن عمرو المرادی اونٹ کی جانب بڑھا۔ ابن یثربی نے اسے روکا۔ دونوں میں تلواروں کے دو دو ہاتھ چلے اور ابن یثربی نے ہند کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ پھر سیحان بن صوحان ابن یثربی کے مقابل ہوا لیکن یثربی نے اسے بھی ختم کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے علباء، صعصعہ اور زید کو بھی قتل کر دیا تو علی کے ساتھیوں نے ان پر پتھروں کی بارش کر کے انہیں گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ حضرت علی نے اس وقت للکار کر کہا

اے مہاجرین کی اولاد۔ تلواریں سنبھالو۔

مرقومہ بالا حوالات کافی ہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی نے ہی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے جنگِ جمل کے وقت ام المومنین کی طرفدار فوج کو دھوکہ دیکر اس پر شب خون مارا تھا اور طلحہ اور زبیر کے قتل کے لئے اپنے خاص آدمیوں کو نامزد کیا تھا۔ موٹی عقل رکھنے والے حضرات ان کی روشنی میں اصل حقیقت کو نہایت آسانی سے پالیں گے۔ مگر ان باریک بین حضرات کے لئے جو حضرت علی کا چہرۂ تقدس کے آئینے میں دیکھنے کے عادی ہیں مزید ثبوت پیش کیا جاتا ہے

جنگ جمل کی ابتدا میں نے کی حضرت علی کا اعترافِ گناہ

جنگ جمل کے مقتولوں کا سامان میدانِ جنگ میں بکھرا پڑا تھا۔ حضرت علی نے سب کو جمع کرنے اور بصرہ کی مسجد میں رکھنے کا حکم دیا اور لوگوں سے کہا کہ وہ اپنا اپنا سامان شناخت کر کے لے لیں۔ لوگوں نے (علی کے طرفداروں نے) کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں کا خون تو ہمارے لئے حلال ہے مگر ان کے اموال حرام ہیں۔ حضرت علی نے یہ سن کر فرمایا کہ جو شخص ہمارے مقابلے میں قتل ہوا وہ میری جانب سے (جنگ کی) ابتداء کے باعث ہوا اس لئے ان کے مال کا خمس نہیں لیا جا سکتا۔

(ص ۲۳۸)

یعنے ام المومنین کی فوج کو دھوکہ میں رکھ کر ان پر اچانک شب خون مارا گیا۔ جنگ کی ابتداء

میں نے کی جس کی وجہ سے وہ مقتول ہوئے۔ لہٰذا ان کا مال ہمارے لئے حرام ہے۔

ام المومنین کی توہین

ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب "حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں" میں لکھتے ہیں۔

جنگ جمل کے دن ام المومنین کے اونٹ کو ذبح کر کے گرا دیا گیا۔ ام المومنین اپنے ہودج میں بیٹھی رہیں تو علی نے غصہ کی حالت میں ان کے پاس جاکر ہودج پر اپنا نیزہ مار کر کہا۔

"ارم کی بہن! کہو کیسی رہی اللہ کی کارسازی؟"

ام المومنین نے جواب دیا۔ "اے ابن ابی طالب۔ بے شک تم نے فتح پائی۔ اب تو تم نرمی اختیار کرو۔" علی کا سر شرم سے جھک گیا۔ پھر انہوں نے کہا۔ "اللہ آپ کو معاف کرے" ام المومنین نے جواب دیا "اور تم کو بھی"۔

ندامت کے آنسو

جنگِ جمل میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کی لاشوں کو دیکھ کر حضرت علی کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو جاری ہوئے انہوں نے فی البدیہہ شعر کہا حالانکہ رسول اللہ صلعم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ علی میں شعر کہنے کا مادہ ہی نہیں ہے۔ لیس عندہ ذالک

إِلَيْكَ أَشْكُو عُجَرِي وَ بُجَرِي ⁂ وَمَعْشَراً غَشَوْا عَلَيَّ بَصَرِي
قَتَلْتُ مِنْهُمْ مُضَراً بِمُضَرِي ⁂ شَفَيْتُ نَفْسِي وَقَتَلْتُ مَعْشَرِي (طبری)

ترجمہ:۔ اپنے غموں اور کمزوری کی اے خدا تجھ ہی سے فریاد ہے۔ دراصل ایک جماعت نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ میں نے مضریوں کو مضریوں سے قتل کیا۔ اس طرح اپنے دل کی پیاس بجھائی کر اپنی قوم ہی کو قتل کر ڈالا۔ مگر یہ آنسو وقتیہ ثابت ہوئے۔ معرکۂ جمل کے بعد شام میں خون کی ندیاں بہانے کی فوراً ہی تیاری شروع کر دی گئی۔

بیتُ المال میں تصرف

مورخین نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے جنگِ جمل میں شریک ہو کر ان کی طرف سے لڑنے والے ہر ایک سپاہی کو بصرہ کے بیتُ المال سے پانسو درہم کا عطیہ دیکر فرمایا کہ اگر شام میں بھی ہماری جیت ہوئی تو اسی طرح مزید عطیئے تمہیں دیئے جائیں گے۔ مورخین نے مزید لکھا ہے کہ سپاہیوں نے

جنہوں نے حضرت عثمان رضی پر اعتراضات کئے تھے علی پر بھی اس موقع پر اعتراض کیا کیونکہ خلافت کی بیعت کے دن مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھ کر انہوں نے اعلان کیا تھا کہ بیت المال کی کنجیاں میرے پاس ہوں گی لیکن میں تمہاری اجازت کے بغیر ایک درہم بھی ان میں سے خرچ نہیں کروں گا سپاہیوں نے آپس میں کہا کہ یہ تو وعدہ خلافی ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ میں نے اپنے فوجیوں کے ساتھ اعانت اور بخشش سے کام لیا ہے۔ (طبری جلد ۴، البدایہ جلد ۷، الکامل جلد ۳، ابن خلدون جلد ۲، شرح نہج البلاغہ جلد اول) اہل سنت کی کتابوں میں درج ہے کہ جنگ کے موقع پر حضرت علی نے بے دریغ روپیہ لٹایا۔

صفیہ بنت الحارث کی بد دعا

معرکۂ جمل کے بعد حضرت علی رض ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لئے عبداللہ بن خلف کے مکان میں پہنچے جہاں وہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہاں صفیہ بنت الحارث بھی تھیں (عبدالمطلب کے بارہ بیٹوں میں حارث نام کے ایک فرزند بھی تھے شاید یہ انہیں حارث بن مطلب کی بیٹی تھیں) انہوں نے علی کو دیکھتے ہی غصے سے کہا

"اے علی! دوستوں کے قاتل جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے والے! اللہ تعالٰی تیرے بیٹوں کو بھی اسی طرح یتیم کرے جس طرح تو نے عبداللہ بن خلف کے بیٹوں کو یتیم بنا دیا ہے" حضرت علی نے سنا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔ (طبری حصہ سوم ص ۲۳۵)

ام المومنین کی توہین

شیعی کتب میں درج ہے کہ صفیہ بنت الحارث کی بددعا کے بعد حضرت علی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجلہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

"یا حمیرا" اگر تم اپنے کئے پر پشیمان ہو تو میری رائے میں تم مدینہ روانہ ہونے کا سامان کرو سوائے وہاں کے تم اور کہیں نہیں رہ سکتیں، چار و ناچار وہیں جانا پڑے گا۔ مجھ سے تو رسول اللہ صلعم کہہ چکے تھے کہ میری بیویوں میں سے ایک بیوی تجھ سے قتال کرے گی اور جب تو اس پر فتح پالے تو اسے اس کے گھر پہنچا دیجیو۔ (کتاب شہادت)

حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو

محبت سے "حمیرا" پکارتے تھے۔ مگر وہ ام المومنین ہیں۔ اور یہ لقب ان کو اللہ تعالٰی نے عطا فرمایا' ان کے کسی ناخلف بدتمیز اور بدتہذیب لڑکے کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی مقدس ماں کو یہ نام لے کر پکارے اس کے قبل بھی حضرت علی نے "ارم کی بہن" کہہ کر آپ کی توہین کی تھی۔ شاید اسی بدتمیزی کی وجہ سے وہ حضرت علی سے پردہ کیا کرتی تھیں۔ وہ حسن اور حسین سے بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔

حسنین سے پردہ کرنا

باخبار محمد بن عمر بحدیث ابن ابی سبرہ از عبدالمجید بن سہیل' از عکرمہ صدیقہ حسن اور حسین سے پردہ کرتی تھیں۔ پھر ابن عباس نے فرمایا کہ حسن اور حسین کا ان کے ہاں جانا حلال ہے یعنی صدیقہ کا ان دونوں سے پردہ کرنا صحیح نہیں۔ (طبقات ابن سعد حصہ ہشتم)

تمام امہات المسلمین حسنین سے پردہ کرتی تھیں

باخبار محمد بن عمر باخبار سفیان بن عیینہ از عمر بن دینار از ابو جعفر، حسن اور حسین ازواج مطہرات کے پاس نہیں جاتے آتے تھے۔ کیونکہ ازواج مطہرات ان سے پردہ کیا کرتی تھیں۔ پھر ابن عباس نے فتویٰ دیا کہ ان سے پردہ نہیں ہے محمد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ اولاد و اولاد رسول اللہ صلعم ہیں۔ اور ابو حذیفہ اور مالک کا قول ہے کہ بیوی شوہر کی اولاد اور اولاد اولاد کے لئے کبھی حلال نہیں اور نہ ان کی بیٹیاں حلال ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ صالحات و صحابیات)

بے شک شرعاً امہات المومنین کو رسول اللہ صلعم کے نواسوں سے پردہ نہیں کرنا چاہیے مگر پردہ کرنے کا کوئی اور سبب ہوگا۔ جسے مورخین چھپاتے ہیں۔

شیعی کتب میں درج ہے کہ معرکۂ جمل کے بعد حضرت علی رض نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں روانہ کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رض نے ان سے بھی پردہ کے پیچھے سے گفتگو کی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت رضوان میں اللہ سے کئے ہوئے عہد سے پھر جانے والے کی حمایت کرتے ہوئے جنگ جمل میں ام المومنین کے خلاف تلوار چلائی تھی۔

بصرہ کا نیا گورنر

حضرت علی نے بصرہ والوں کی عام بیعت لی تو حضرت زیاد رضی بن ابی سفیان کو بیعت کرنے والوں میں نہیں پایا تاریخ طبری حصہ سوم میں ہے کہ وہ نافع بن حارث کے مکان میں مقیم تھے۔ معرکۂ جمل میں وہ غیر جانبدار رہے۔

جب حضرت علی بیعت سے فارغ ہو گئے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت علی نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رض کو زیادہ بن ابی سفیان رض کی جائے پناہ بتانے کا حکم دیا اور جب حضرت علی زیاد بن ابی سفیان کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا تم الگ بیٹھے رہے۔ اور میرے ساتھ جنگ میں شرکت نہیں کی زیاد نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اپنی تکلیف دکھائی اور عدم حاضری کا عذر کیا۔ حضرت علی نے اسے قبول کر لیا۔ پھر علی نے ان کو بصرہ کا گورنر بنانا چاہا کیونکہ وہ نہایت تجربہ کار تھے تو زیاد نے کہا کہ اس کام کے لئے آپ کے گھر کا ایسا شخص بہتر ہوگا جس پر لوگ اعتماد کرتے ہوں میں اسے مشورہ دیتا رہوں گا۔ غرض جب دونوں میں اس بات پر اتفاق ہو گیا تو حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن عباس رض کو بصرہ کا گورنر اور حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ان کا مشیر مقرر فرمایا۔ حضرت ابن عباس گورنر ہوئے اور خراج اور بیت المال زیاد بن ابی سفیان کے سپرد ہوئے۔

تلوار ہم چلائیں اور عباس کے بچے حکومت کریں؟

شیعی مورخین کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن عباس رض کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو مالک اشتر نخعی حضرت علی سے بہت خفا ہوا اور کہا تلوار ہم چلائیں اور عباس کے بچے حکومت کریں؟ اور اسی غصہ اور جوش کی حالت میں وہ بغیر علی رض کی اذن اور اجازت کے کوفہ روانہ ہو گیا علی نے جب سنا تو ان پر سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ سخت پریشان ہوئے اور خلافت اپنے ہاتھ سے نکلتی دکھائی دی۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں کوفیوں کو میرے خلاف بھڑکا نہ دے اس اندیشہ سے خوفزدہ ہو کر وہ خود بنفس نفیس اس کے پیچھے روانہ ہوئے کسی اور کو اس کے پیچھے روانہ کر کے اسے واپس بلانے کی جرأت نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خلافت اسی کا صدقہ ہے۔ انہوں نے دو منزلہ کر کے اسے جالیا اور نہایت عاجزی سے اس سے کہا:

"ہائیں یہ تم نے کیا کیا! بغیر مجھ سے ملے تم بصرہ سے چلے آئے؟ مجھے تم سے کچھ دریغ نہیں ہے۔ کسی صوبہ کی حکومت تمہارے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ مگر بات یہ ہے کہ تمہاری موجودگی میرے لئے بہت ہی گراں قیمت ہے۔ میں تمہیں اپنے پاس سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے بالخصوص اس زمانے میں جبکہ شام کی مہم درپیش ہے۔ میں تمہیں اپنی فوج کا سپہ سالار اور اپنا وزیر اعظم مقرر کرتا ہوں۔ اب تو تم مطمئن اور شاد ہو جاؤ اب تو دل سے میرے کاموں میں میری مدد کیجیو۔ (کتاب شہادت)

حوئب کے کتوں کی بھونک

ابن جریر طبری کا تضاد

معرکۂ جمل پر تفصیل سے بحث کے بعد حوئب کے چشمے پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے کیونکہ شیعان علی اس چشمہ سے خوب آسودہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم کے حصہ دوم میں "ام رمل سلمی بنت ام قرفہ" کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

غطفان کے شکست خوردہ مفرور لوگ بھاگ کر ظفر آئے جہاں ام رمل سلمی بنت ام قرفہ تھی۔ ام قرفہ حملہ کی بہن تھی جو عیینہ بن حصین کے ساتھ مل کر مدینہ کے مویشیوں پر غارت گری کی تھی۔ اور جس کو ابو قتادہ رض نے اس معرکہ میں قتل کر دیا تھا۔ ام رمل سلمی قیدی بن کر حضرت عائشہ صدیقہ رض کی لونڈی بنی تھی۔ وہ مسلمان ہو گئی تو حضرت عائشہ صدیقہ رض نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ کچھ دنوں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کے ساتھ رہیں۔ پھر اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ عورت ایک دن حوئب کے کتوں کو بھونکائیگی۔ غرض یہ سلمی مرتد ہوئی اور جب غطفان کے شکست خوردہ لوگ اس کے پاس حوئب میں جمع ہوئے تو اس نے ان کو دوبارہ حضرت خالد بن ولید سے لڑنے پر ابھارا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے مقابلہ کیا۔ گھمسان کی جنگ میں وہ قتل ہو گئی۔

پھر یہی ابن جریر طبری اپنی کتاب تاریخ الامم خلافت راشدہ کے حصہ سوم میں لکھتے ہیں کہ حوئب کا نام سن کر حضرت عائشہ رضؓ زور سے چیخیں اور فرمایا۔ "خدا کی قسم حوئب کے کتوں والی میں ہی ہوں۔ اے لوگو! مجھے واپس لے چلو۔"

حضرت علی کا بیان

نہج البلاغہ میں قلمبند کئے ہوئے حضرت علی کے خطبہ ۱۷۵ میں درج ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ایک وقت حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق فرمایا تھا۔

انھا التی تنبحھا کلاب الحوئب ۔ یعنے یہی وہ عورت ہے جس پر حوئب کے کتے بھونکیں گے۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح جزو ۱۰ میں لکھا ہے کہ ابو مخنف نے یہ بات حضرت علیؓ کی زبان سے سن کر روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ بالکل صحیح حدیث ہے۔

سر علی امام کے آنجہانی باپ نے اپنی کتاب مصباح الظلم میں "اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی" کے عنوان سے ایک باب قائم کر کے اس میں خود حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری ایک زوجہ باغی ہوگی اور اے حمیرا وہ تو ہوگی" اس کے بعد آنجہانی نے لکھا ہے کہ بصرہ کے راستے میں جب ایک مقام الحؤب آیا اور وہاں کتے بھونکنے لگے تو عائشہ نے کہا مجھے واپس لوٹاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنی ازواج سے یہ کہتے سنا ہے کہ نہ معلوم تم میں وہ کون ہوگی جس پر الحؤب کے کتے بھونکیں گے۔ اس پر زبیر و طلحہ نے پچاس اہل عرب کو طمع دیکر یہ حلف دلوایا کہ وہ جگہ چشمہ حؤب نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ قافلہ حضرت عائشہ کا بصرہ روانہ ہوا۔ پھر آنجہانی نے لکھا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے۔" (ص ۳۹۵)

حوئب کا چشمہ ناپید ہے

علامہ عباسی اپنی کتاب "تحقیق مزید" میں لکھتے ہیں کہ مکہ سے بصرہ جانے کے راستے میں اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ ان میں سے کسی منزل کا نام الحؤب نہیں ہے۔ قدیم مولف ابوالفرج قدامہ بن جعفر کی تالیف کتاب الخراج وضعتہ الکتابہ میں ممالک اسلامیہ کے تمام اہم راستوں اور ان کی منزلوں کے نام درج ہیں مگر ان میں الحؤب کا چشمہ کہلانے والی کوئی جگہ نہیں ہے۔

سماعت کی خرابی

یہ بات مُسلّم ہے کہ الحؤب کے کتوں والی حدیث کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ اور ابن ابی الحدید نے اپنی شراح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ ابو مخنف نے یہ حدیث حضرت علی کی زبانی سن کر بیان کی ہے۔ دوسرے حوالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلعم نے اپنی ازواج سے کہی تھی۔ ازواج مطہرات کے حجرات میں بغیر بلائے اور بغیر اجازت حضرت علی ہی دھڑلے سے داخل ہو جاتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے میں یہ شرافت نہیں تھی۔

الحؤب کے کتوں والی حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت حضرت علی بغیر اجازت حجرات النبی میں داخل ہوئے جب رسول اکرم صلعم کو ناگوار گزری تو آپ نے فرمایا ہوگا وہ کون ہے جس پر بوئب کے کتے بھونکیں گے۔ حضرت علی نے بوئب کو حوئب سن لیا ہوگا۔ یہ سراسر حضرت علی رضؓ کی سماعت کی کمزوری کا سبب رہا ہوگا۔

بوئب کی جنگ میں مسلمانوں نے فارسیوں کی ایک بہت بڑی فوج کو شکست دی تھی۔ جس میں ہزاروں ایرانی مارے گئے اور ہزاروں قیدی بن کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ ایرانیوں نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اپنی ملکہ پوران دخت کو تخت سے اتارا اور یزد جرد کو شہنشاہ بنایا جب کہ اس کی عمر سولہ سال کی تھی کیونکہ انہیں وہم ہو گیا تھا کہ ان کی ملکہ ایک منحوس عورت ہے۔ اس جنگ کے قیدیوں بلکہ تمام ایرانی قیدیوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ بوئب کی شکست کا بدلہ ضرور لیں گے لیکن ان پر اللہ کی مار پر مار پڑ رہی تھی اور وہ ہر معرکہ میں جو مسلمانوں کے خلاف لڑی گئی ذلیل ترین شکست سے دوچار ہوتے گئے۔ جب انہوں نے حضرت علی کی سپہ سالاری میں معرکۂ جمل میں فتح پائی تو انہوں نے خوشی سے کتوں کے مانند بھونکنا شروع کیا ہوگا۔ حضرت کی فوج میں بوئب کے قیدیوں کی تعداد زیادہ رہی ہوگی۔

بخاری میں ابو عثمان الہندی سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ آپ کو سب لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے تو فرمایا "عائشہ" پھر عرض کیا مردوں میں تو ارشاد ہوا "اُن کے باپ" آپ کی اس قدر محبت کو دیکھ کر صحابہ بھی اکثر انہیں ایام میں تحفے بھیجتے تو حضرت عائشہ صدیقہ کی باری کے دن ہوتے۔ اس سے اُم المومنین

ام سلمہؓ کو حسد پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے خلاف شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔ یاام سلمۃ! لاتوءذینی فی عائشۃ فانہ واللہ مانزل علیّ الوحی فی بیت وانا فی لحاف امراءۃ منکنّ غیرھا۔

ترجمہ:۔ اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں تم مجھے اذیت مت دو کیونکہ بخدا ان کے سوا تم بیویوں میں کوئی ایسی نہیں جس کے لحاف میں ہونے کی حالت میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہو۔

(صحیح بخاری جلد اوّل ص۵۳۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت، طینت اور پاکیزگی کا اللہ بھی گواہ ہے۔ لہٰذا الحوائب کی روایت ان سے میل نہیں کھاتی۔

کہنے والے کہیں گے کہ رسول اللہ صلعم نے بوتب کے انسانوں کو کتے کیسے بنا ڈالا۔ رسول اللہ نے اشرف المخلوقات کو کتے نہیں بنایا۔ بلکہ آپ نے پیشین گوئی فرمائی کہ آئندہ ایسا زمانہ آئے گا جبکہ انسانوں کی اولاد میں سے چند بھٹکے ہوئے لوگ اپنے آپ کو کتے کہلانے میں فخر کرتے ہوئے اپنا نام کلب علی رکھ چھوڑیں گے۔ لہٰذا بوتب کی روایت الحوئب کی حدیث سے زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے۔

باب ــــ ۱۷

حضرت علی کا دار الخلافہ معرکۂ جمل کے بعد حضرت علی نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی عربی قومیت کو ترک کر کے عجمی قومیت اختیار کریں گے۔ اس فیصلہ پر پہنچنے میں ان کے عراقی اور ایرانی وزراء کا بڑا ہاتھ تھا۔ چنانچہ بصریٰ میں دو ماہ کے قیام کے بعد انہوں نے مدینہ واپس ہونے کے عوض کوفہ کی راہ لی۔ اور اسی کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلعم کی ایک سنت ترک کر دی اور مدینۃ النبی کے مرتبہ کو گھٹا دیا۔

علیؓ عاجز ہو گئے ازالۃ الخفا مقصد دوم میں شاہ ولی اللہ شاہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ والوں نے مجھے عاجز کر رکھا ہے اگر میں ان پر نرم حاکم

مقرر کرتا ہوں تو وہ اسے دبا لیتے ہیں اور اگر سخت حاکم مقرر کرتا ہوں تو اس کی شکایت کرتے ہیں۔

کوفہ میں غلامی ہے ابو ہریرہ وغیرہم سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت مدینہ میں ہے اور ملوکیت شام میں حضرت علی نے اپنے دار الخلافہ کو مدینہ سے کوفہ منتقل کر کے لوگوں پر واضح کر دیا کہ ان کی حکومت نہ خلافت ہے نہ ملوکیت بلکہ وہ عراقی اور ایرانی مجوسیوں کی دراصل غلامی ہے حضرت علی نے غلامی کو اپنی پسند سے اختیار کیا کیونکہ اس کے معاوضہ میں انہیں خلافت کا تخت ملا تھا وہ خود اپنے مشہور خطبات میں تسلیم کرتے ہیں کہ میں تم لوگوں کے لئے خلیفہ ہونے کی بہ نسبت وزیر کی حیثیت سے بہتر ثابت ہوں گا۔

انا لکم وزیراً خیرٌ لکم منی امیراً" (نہج البلاغہ)

حضرت علی تخت خلافت کے مالک بنے اور عراقی اور ایرانی غلام حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک بنے۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ شاہ ولی اللہ شاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رُشدِ خلافت کیا، خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانۂ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتلِ عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اس سے امت میں خون کی ندیاں بہیں۔ پھر جس سال حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے اس سال کو امت نے "عام الجماعت" کا نام دیا۔ شاہ ولی اللہ شاہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد پھر زمانِ خیر شروع ہوا۔

(ازالۃ الخفا جلد اوّل)

علی کی خلافت دینِ اسلام کو شوکت نہیں ہوئی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ اپنے فوجی ظالموں کے قہر سے عاجز تھے۔ ان کے اعوان و انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے ان کی خلافت میں دینِ اسلام کو شوکت نہیں ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا۔ اور عراق اور ایران کے کفار و نصاریٰ و مجوسیوں کو جو مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان کے تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی"۔

اور اس طمع کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی کی ذوالفقار جہادوں اور کفار کے سر اُتارنے کے بجائے ایرانی مجوسیوں اور منافقوں کی تلوار زنی کے ساتھ مل کر دیندار مسلمانوں کے گلے کاٹنے کے لئے استعمال ہو رہی تھی۔ حضرت علی کا جوش جہاد مسلمانوں کے خلاف تھا۔ مجوسیوں سے انہیں دلی الفت تھی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا خط علی کے خط کے جواب میں

طبری کہتے ہیں کہ معرکہ جمل کے بعد حضرت علی نے دوبارہ امیر معاویہ کو بصرہ سے خط لکھا کہ جیسا سب لوگ بیعت کر چکے ہیں ویسا تم بھی بیعت کر لو لیکن امیر معاویہ نے بیعت نہیں کی بلکہ اس کے خلاف حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کی قمیص جو خون سے بھری تھی اور ان کی انگلیاں جو قاتل کے وار سے کٹ کر جدا ہو گئی تھیں دمشق میں جامع مسجد کے منبر پر رکھ دیں تاکہ لوگوں میں ان کے انتقام کا جوش پیدا ہو۔ پھر دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب "حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں" میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسب ذیل خط شائع کیا ہے جو انہوں نے حضرت علی کے خط کے جواب میں بھیجا تھا۔

اما بعد ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ اللہ نے اپنے علم سے محمد صلعم کو برگزیدہ کیا ان کو اپنی وحی کا امین اور اپنی مخلوق کا پیغمبر بنایا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں سے آپ کے حامی پسند کئے جنھوں نے آپ کی تائید کی۔ ان کے حامیوں کے درجات اسلام میں ان کی فضیلتوں کے مطابق ہیں۔ ان میں اللہ اور رسول کے سب سے زیادہ مخلص خلیفۂ اول ہیں۔ پھر ان کے جانشین، پھر تیسرے مظلوم خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ۔

علی نے ان سب سے حسد کیا

تم نے ان میں سے ہر ایک سے حسد کیا اور ہر ایک کی بغاوت کی۔ ہم نے اس کا پتہ تمہاری غضب ناک تیز نگاہوں سے تمہاری روندھی صورت سے، تمہاری سخت کلامی سے، تمہاری غم بھری لمبی سانسوں سے اور خلفاء کی بیعت میں تاخیر سے لگایا۔ ہر موقع پر تم کو نکیل پکڑ کر کھینچ کے لائے جانے والے اونٹ کی طرح لایا گیا۔ تم کو سب سے زیادہ حسد اپنی پھوپھی کے لڑکے سے رہا۔ حالانکہ رشتہ اور فضیلت کے نکتۂ نظر سے وہ سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تم اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے۔ مگر تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ ان کی اچھائی کو برائی بتایا۔ ان کی دشمنی کا اظہار کیا۔ ان کے لئے دل میں کھونٹ چھپا کر رکھی۔ ان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا۔ ہر طرف سے اونٹوں اور گھوڑوں پر قافلے آئے۔ حرم پاک میں ان پر ہتھیار اٹھائے گئے۔ پھر وہ اپنی جگہ پر تمہاری موجودگی میں شہید کر دیئے گئے۔ تم دشمن کی آوازیں سنتے رہے اور مدافعت میں نہ زبان ہلائی نہ ہاتھ۔ خدا کی قسم اے ابی طالب کے بیٹے! اگر تم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ہماری نگاہوں میں تم سے بہتر کوئی نہیں ہوتا۔ تمہاری جانبداری اور بغاوت کی باتوں پر پانی پھر جاتا۔

قاتلین عثمان تمہارے دستِ بازو ہیں

تم نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی۔ یہی قاتل تمہارے دستِ بازو ہیں۔ تم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے آپ کو بری خیال کرتے ہو۔ اگر تم اس دعوی میں سچے ہو تو قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم ان سے قصاص لیں گے۔ پھر ہم سب (تمہاری بیعت کے لئے) تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ریگستان میں پہاڑیوں میں، بحر و بر میں قاتلوں کا پتہ چلائیں گے تاآنکہ ان سب کو قتل کر دیں یا پھر ہماری جانیں جانِ آفریں تک پہنچ جائیں"۔

جنگِ صفین

حضرت علی نے جب خط پڑھا تو غصہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انہوں نے اس خط کو اپنی مشاورتی مجلس میں پیش کیا۔ مشاورتی مجلس کے اراکین سب نہیں تو اکثریت قاتلینِ عثمان پر مشتمل تھے۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ جن کی روایتوں پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں۔ ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا وہ سب کے سب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امیر معاویہ دمشق میں موجود ہیں، ایرانی عربوں کو شکست نہیں دے سکتے جس کی آرزو وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔

علی اور معاویہ کی جنگ دراصل ایرانیوں اور عربوں کے درمیان جنگ تھی۔ اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے شیعی مؤلف ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری لکھتے ہیں:۔

"اور یہ فتنۃ الکبریٰ جس سے ہم اس کتاب میں بحث کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کے حصہ میں بحث کر چکے ہیں درحقیقت اسی عربی اسلامی طبیعت اور مغلوب طبیعتوں (ایرانی عراقی طبیعتیں جو مغلوب ہو چکی تھیں) کے درمیان ایک معرکہ آرائی ہے" (حضرت علی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں) شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری نے اس کو مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی بنا کر پڑھنے والوں کو دھوکہ دیا ہے۔ کیونکہ اس جنگ میں مجوسیوں کو شکست ہوئی تھی۔

غرض مجوسیوں نے اس جنگ کی تیاری میں اپنی جانوں اور مالوں سے حضرت علی کی خوب مدد کی اور حضرت علی نے بھی اپنے بیت المال کے دروازے کھول دیئے۔ لوگوں کو انعامات واکرامات کا لالچ دیا۔ جس کا اعتراف وہ اپنے ایک خطبہ میں جو ان کے خطبات کا مجموعہ "نہج البلاغہ" میں ہے ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"کیا یہ امر قابل تعجب نہیں ہے کہ معاویہ تو اعانت اور عطا کے بغیر جفا کاروں کو دعوت دیتا ہے اور وہ سب اس کی پیروی دل وجان سے کرتے ہیں اور میں تم کو اعانت اور عطا کے ساتھ دعوت دیتا ہوں تو تم مجھ سے اختلاف کرتے ہو اور میرے پاس سے متفرق ہو جاتے ہو" (تحقیق مزید)

ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے بھی بیت المال کا ایک درہم خرچ نہیں فرمایا کیونکہ بیت المال عام مسلمانوں کا مال تھا مگر اس کے برعکس حضرت علیؓ نے محض اپنی قتل و خون بہا کر چھینی ہوئی خلافت کو مستحکم کرنے اور ایک غیر قانونی چیز کو قانونی بنانے کے لئے بیت المال سے نوے ہزار سپاہی بھرتی کئے۔ بقول شاہ ولی اللہ شاہ ان کی تمام جنگیں طلب خلافت کی غرض سے تھیں۔ اسلام کو پھیلانے کی غرض سے نہیں تھیں۔

مختصر یہ کہ حضرت علیؓ اپنے مجوسی سپہ سالاروں اور بھاڑے کے ایک لاکھ سے زیادہ

سپاہیوں کو لے کر نہایت خوش وخرم عازم شام ہوئے۔ راستے بھر حضرت معاویہ کے خلاف زہر اگلتے گئے۔ جہاں بھی پڑاؤ کیا وہاں کے عربی باشندوں کو جمع کر کے انہیں اسلام کی صداقت پر چند وقفے تک روشنی ڈالنے کے بعد کہا کہ اللہ تعالےٰ نے دین میں انہیں سبقت عطا کی۔ معاویہ تو کافروں کی جماعت میں شریک تھے۔ اسلام کی صداقت پر ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں امان دیکر چھوڑ دیا گیا تھا اور ان کے ساتھی بھی اسی قسم کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ اور رسول کے دشمن رہے حتیٰ کہ انہوں نے مجبوراً اسلام قبول کیا تھا۔ تم لوگوں کو چاہئے کہ میرا ساتھ دو۔ کیونکہ اہل بیت سے اختلاف کسی صورت میں مناسب نہیں ہے۔ لوگ ان کی باتیں غور سے سنتے لیکن جب ان کی فوج پر نظر ڈالتے جو عراقی اور ایرانی غلاموں پر مبنی تھی تو وہ اپنی نظریں پھیر لیتے۔ اسی طرح حضرت علی پڑاؤ پر پڑاؤ کرتے ہوئے صفین پہنچے جہاں حضرت امیر معاویہؓ کی فوج پڑاؤ ڈالے ان کی منتظر تھی۔

کوئی دو تین ماہ تک ان دونوں افواج کے مختلف دستوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں جن کی تفصیل تاریخی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ کا وفد

جنگ جب طول ہو گئی تو دونوں طرف کے لوگ اکتا گئے دونوں طرف کی جانیں بیکار ضائع ہو رہی تھیں۔ اس سلسلہ کو بند کرنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے ایک وفد حضرت علی کی خدمت میں بھیجا۔ یہ وفد جلیل القدر صحابہ پر مشتمل تھا۔ معن بن یزید بن الاخنسؓ بدری صحابی بھی اس وفد میں موجود تھے۔ شرجیل بن السمطؓ جو حضرت علی کو حضرت عثمان کا قاتل یا قتل عثمان میں شریک جانتے تھے۔ حضرت علی سے قاتلین عثمانؓ کو حوالے کر دینے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ کی بیعت سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ تو حضرت علی نے کہا کہ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ (الاستیعاب جلد دوم)

حضرت علی بھی قاتل ہیں؟

اس وفد کا تذکرہ کر کے شیعی مؤلف نے اخبار الطوال کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ دوسرے دن مسجد میں جمع ہو کر ان لوگوں نے وفد کے اراکین سے صاف کہہ دیا کہ ہم سب قاتلین عثمان ہیں۔ حضرت علی نے اپنے

خاموشی سے اس کا اعتراف کر لیا کہ وہ بھی قاتلِ عثمان ہیں ورنہ وہ اسی وقت کہہ دیتے کہ ہم ان میں شامل نہیں ہوں۔

حضرت علی کی بہادری کی ایک مثال

تاریخ طبری حصہ سوم خلافت حضرت علی کے صفحہ ۳۱۵ پر حضرت علی اور ان کے دو بچوں کی بہادری کا حسب ذیل کارنامہ درج ہے۔

"جنگِ صفین میں ایک دن حضرت علی کی فوجیں شامی فوجوں کے مقابلے میں شکست کھا رہی تھیں اس دن عبداللہ بن بدیل کی سرکردگی میں حضرت علی کی میمنہ نے حضرت امیر معاویہ کے میسرہ کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ لیکن شامیوں نے جوابی حملہ کیا تو عراقی فوج میمنہ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ پھر شامی فوجوں نے حضرت علی کی اہل مدینہ والی فوج کو گھیر لیا اور وہ بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ میمنہ کے قریب حضرت علی اہل یمن کے ساتھ قلب میں موجود تھے۔ جب اس پر دباؤ پڑا تو اس کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ حضرت علی کو مجبوراً قلب چھوڑنا پڑا۔ (یعنے وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے) اور وہ قلب چھوڑ کر میسرہ کی طرف بھاگے۔ لیکن میسرہ بھی جو قبیلۂ مضر پر مشتمل تھا۔ وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور صرف ربیعہ قبیلہ کے لوگ ثابت قدم رہے۔

جب جنگ اس نازک حالت کو پہنچ گئی تو حضرت علی کے بچے حسن، حسین اور محمد یہ تینوں بھی اپنی جانیں بچانے کے فکر میں مبتلا ہوئے کیونکہ شامیوں کی تیریں ان کے سروں اور کندھوں پر سے گذر رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت علی کو احمر نظر آیا۔ یہ شخص حضرت ابوسفیان رض یا حضرت عثمان رض یا کسی اموی کا غلام تھا۔ حضرت علی نے اسے دیکھتے ہی کہا "پروردگارِ کعبہ کی قسم۔ اگر میں اسے قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے"۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے۔ لیکن حضرت علی کا غلام کیسان اس کے سامنے پہلے پہنچ گیا۔ دونوں میں دو دو ہاتھ چلے اور اموی غلام نے حضرت علی کے غلام کو قتل کر دیا۔ حضرت علی نے غصہ سے آگ بگولہ ہو کر اسے للکارا۔ بڑھ کر اس کی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور پھر اسے اپنے سر سے اوپر اٹھا لیا۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ میں اس وقت اس کے پیر دیکھ رہا تھا جو

حضرت علی کی گردن پر لگ رہے تھے۔ (یعنے احمر ایک پست قد آدمی تھا) پھر حضرت علی نے اسے زمین پر دے مارا جس سے اس کا مونڈھا اور دونوں بازو ٹوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی کے صاحبزادے حسین اور محمد نے اس پر حملہ کیا اور اپنی تلواروں سے اسے قتل کر دیا۔ حضرت علی کھڑے ہوئے تھے اور وہ دونوں صاحبزادے اسے ٹھوکریں مار رہے تھے۔ جب وہ ختم ہو گیا تو دونوں بیٹے اپنے باپ کے پاس لوٹ آئے۔

اس دوران میں حضرت حسن اپنی جگہ پر کھڑے رہے تو حضرت علی نے ان سے دریافت کیا کہ اے میرے بیٹے تم نے وہ کام کیوں نہیں کیا جو تمہارے دوسرے بھائیوں نے کیا۔ حضرت حسن نے جواب دیا کہ "ان دونوں کا قتل کرنا ہی کافی تھا"۔

ذُوالفقار کے کرتوت

مورخین نے دونوں فریقوں کے لشکروں کی مجموعی تعداد دو لاکھ سے زائد بتائی ہے۔ ان میں سے ستر ہزار کو علی کی ذوالفقار نے کھا لیا۔ افواج میں صحابہ و تابعین و حفاظ قرآن بھی تھے۔ یہ لوگ جدال و قتال سے بچنا چاہتے تھے۔ اسی لئے فریقین میں مراسلات کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ صلح و مصالحت کی غرض سے وفود بھی آتے جاتے رہے۔

علاوہ ازیں عرب کے باشندوں کو جو حضرت علی کی طرفدار فوج میں شامل تھے۔ حضرت علی رضا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ دو ڈھائی ماہ کے عرصہ میں آپس کی جھڑپوں میں ستر ہزار لوگ قتل ہو چکے تھے۔ جن میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو رسول اللہ کے صحابہ، تابعین اور حفاظ تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ حضرت علی قاتلین عثمان سے خود قصاص لے لیں یا اگر ان سے یہ ہو نہ سکے تو قاتلین کو ان کے حوالے کر دیں۔ مگر حضرت علی نے قاتلین عثمان رض کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ سونپ دی تھی۔ انہیں کو اپنے مشیر و مددگار بنا رکھے تھے اُن ہی قاتلین کے زمرے میں وہ بیٹھتے اٹھتے تھے۔ وہی لوگ ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان قاتلین نے مسجد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اراکین وفد سے کہا کہ ہم سب ہی نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے تو حضرت علی نے مسکرا کر خاموشی

اختیار کرلی۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی عقیل اور دوسرے جلیل القدر صحابہ امیر معاویہ کے کیمپ میں ہیں اور حضرت علی کے ساتھ عراقی اور ایرانی سرداروں اور عجمی غلاموں کا جمہور ہے۔ انہوں نے یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب جنگ میں حضرت علیؓ کی نظر حضرت عبیداللہ بن عمر فاروقؓ پر پڑی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی فوج کے ایک دستہ کی کمان کر رہے تھے تو حضرت علی آپے سے باہر ہوگئے اور دُور کھڑے ہوئے چلانے لگے کیا تم وہی قاتل ہو جس پر ہرمزان کے خون کا قصاص باقی ہے؟ اس پر حضرت عبیداللہ بن عمر فاروق نے جواب دیا تھا جی ہاں مجھ پر ایک مجوسی کا قصاص باقی ہے۔ اور تمہاری گردن پر خلیفۂ معصوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہٗ بن عفان کا قصاص باقی ہے۔ پھر جب حضرت عبیداللہؓ جنگ میں شہید ہوئے تو حضرت علی نے ان کی لاش کی بے حرمتی کرنے کے لئے اپنے ایک عراقی دستہ کو حکم دیا کہ وہ لاش پر قبضہ کرلیں۔ کیونکہ وہ بزرگ ہرمزان کے قاتل کی لاش ہے اور جب وہ دستہ حضرت عبیداللہ کی لاش پر جھپٹا تو عبیداللہ کی بیوی نے اہلِ قریش کی حمیت کو للکارا۔ اسی وقت عرب فوج کے ایک دستہ نے عراقی دستہ پر زبردست حملہ کرکے اس کا منہ پھیر دیا (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۱) وہ دیکھ رہے تھے کہ بارہ برس قبل کے خون کا قصاص تو لینے کی کوشش ہے مگر ابھی حال میں کیا ہوا۔ حضرت عثمان کے خون کے قصاص کو پس پشت ڈالا جارہا ہے۔

صفین کے میدان جنگ میں ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ رومی سلطنت کا خاتمہ کردینے کے لئے زبردست تیاری کر رہے تھے کہ علی نے عراقی اور ایرانی مجوسیوں اور یہود اور عیسائی مسلم نما منافقوں کی اشتعال پر یہ خون خرابہ کھڑا کردیا۔ جس کی وجہ سے سارے یورپ کو فتح کرلینے کا حضرت امیر معاویہؓ کا پلان یونہی دھرا رہ گیا۔ بلکہ اس ناحق خون خرابہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت پر رومیوں کے غلبہ کا امکان پیدا ہوچکا ہے تو انہوں نے آپس میں مل کر فیصلہ کیا کہ اس جنگ کو فوراً ختم کر دینا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کے طرفدار عربی افواج نے فیصلہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کے بجائے علی اور امیر معاویہ کے درمیان تنازعہ کو قرآن اور سُنت کے احکام کی روشنی میں حل کرنا چاہیئے۔

غلط روایت شیعی موّرخوں کی روایت بالکل غلط ہے کہ جب حضرت علیؓ کامیاب ہو

رہے تھے تو فوجی شکست سے بچنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہٗ کے مشورے سے حضرت امیر معاویہؓ نے نیزوں پر قرآن رکھ کر بلند آواز سے کہا کہ میرے اور علی کے درمیان تنازعہ کا فیصلہ یہ قرآن کرے گا۔ حضرت علی جنگ میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے جنگِ جمل میں وہ اس لئے کامیاب ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے مجوسی سرداروں کے مشورے پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوجوں کو صلح کے دھوکہ میں رکھ کر ان پر شبخون مارا تھا جس کا بیان پہلے گزر چکا۔ اگر وہ اس طرح دھوکہ دے کر شب خون نہ مارتے اور جنگ کھلے طور پر جاری ہوتی تو کامیابی کا سہرا حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہم کے سروں پر ہوتا کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہٗ حضرت علی سے زیادہ طاقتور اور بہادر اور جوانمرد تھے۔ تواریخ سیر اور احادیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہٗ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے تین ہزار سواروں کی مدد طلب کی جب کہ وہ فلسطین کی جنگوں میں مصروف تھے۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے خارجہ بن خذافہ، زبیر بن العوام اور مقداد بن اسود کو ان کی مدد کے لئے بھیج دیا کیونکہ تینوں سوار تین ہزار سواروں کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت علی کی کوئی ساخت نہیں تھی۔

اس سلسلے میں دوسری بات جو نہایت قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ قرآن اونٹ، بھیڑ بکریوں اور ہرن کے چمڑوں پر لکھا جاتا تھا اور ایک مکمل قرآن ایک اُونٹ کے بوجھ کے برابر ہوتا تھا۔ لہٰذا ایک اونٹ کا بوجھ ایک نیزے پر اُٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ روایت اس طرح کی ہے کہ خیبر کے آہنی گیٹ کو حضرت علیؓ نے اپنی جگہ سے اکھیڑ کر اسے اپنی ڈھال بنالیا۔ حالانکہ قلعہ کا آہنی گیٹ کوئی دس بارہ فٹ بلند ہوتا ہے۔ اور حضرت علی ایک پست قد انسان تھے وہ کوئی جادوگر بھی نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو اپنے جادو کے زور سے حضرت امیر معاویہ کی افواج پر قابو حاصل کرلیتے۔

ثالثی نامہ شیعی مورخ ابو حنیفہ الدینوری نے جو ابن جریر طبری سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اپنی کتاب اخبار الطوال میں ثالثی نامہ بغیر کسی ترک و حذف کے درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

عبداللہ بن قیس رضؓ و عمرو بن العاص رضؓ نے علی اور معاویہ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقرار لیا کہ وہ دونوں ثالثوں کے فیصلوں پر راضی ہوں گے۔ جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر کی جائے۔ علی اور معاویہ کو اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ ثالثوں کے فیصلہ کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں۔

اس اقرار نامہ یا عہد نامہ پر حضرت علی نے اپنے تیس رفقاء کے ساتھ اور حضرت معاویہ نے اپنے چالیس رفقاء کے ساتھ دستخط کئے تھے۔

تنازعہ یہ تھا کہ کیا خون عثمان کے بہانے والے واجب سزا تھے یا نہیں اور اگر تھے تو حضرت علی رضؓ نے بحیثیت خلیفہ خونِ عثمان کا قصاص لینے کے سلسلے میں اب تک کیا اقدام کیا۔

حضرت علی کی مخالفت

حضرت علی کی خدمت میں جب تنازعہ کا فیصلہ قرآن و سنت کی حدیث کی روشنی میں کرنے کی تجویز رکھی گئی تو انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔ مالک اشتر نخعی نے اس کی شدید مخالفت کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں حضرت عثمان شہیدؓ کے خون کی تفتیش کی گئی تو مجرموں کو گرفتار کر کے ان سے قصاص لینا واجب ہوگا کسی حالت میں زندہ نہیں بچ سکے گا۔ حضرت علی نے بھی اس کی مخالفت کی تائید کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاملہ ثالثوں کے حوالے ہوگا تو وہ خلافت پر قابض نہ رہ سکیں گے اور اگر ثالثوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خون کرنے والوں سے جرح شروع کر دی تو اصل قاتل کا پتہ چل جائے گا جو پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے قتل عثمان کا ڈرامہ رچایا تھا۔

مگر حضرت علی کے لشکر کے بعض ممتاز اور با اثر اشخاص خصوصاً حضرت اشعث بن قیس رضؓ برادرِ نسبتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دھمکی سے حضرت علی رضؓ کے رویہ میں کچھ تبدیلی آئی۔ پھر حضرت علی رضؓ کی پارٹی کے چند لوگوں نے بھی ثالثی کی تجویز کو منوانے کے لئے یہ دھمکی دی کہ ہماری بات نہیں مانی گئی تو ہم تمہارا بھی وہی حشر کر دیں گے۔ جو ابن عفان کا کیا تھا۔

"او لنعقل کما نفعلنا با بن عفان" (طبری جلد ۶ ص ۳۷) اس دھمکی سے حضرت علی کی بہادری کا پارہ انجماد کے درجہ سے بھی نیچے اتر گیا۔ وہ ثالثی کی تجویز کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت علی کے لشکر میں کوفیوں نے حضرت عبداللہ بن قیس رضؓ (حضرت ابو موسیٰ اشعری)

کا نام خود تجویز کیا کیونکہ وہ بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماتحت تربیت یافتہ تھے اور وہ ان چار صحابیوں میں سے ایک تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتوے دیتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ذہبی) وہ حضرت علی کے فتنۃ الکبریٰ سے بالکل الگ تھلگ گوشۂ عزلت میں اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ رشتہ میں حضرت علی کے داماد تھے۔ ام کلثوم بنتِ فضل بن عباس رضؓ ان کی زوجہ تھیں۔ وہ کوفہ کے گورنر تھے۔ اور کوفہ والے ان سے بہت خوش تھے۔ اسی لئے انہوں نے حضرتِ علی کی طرف سے ثالثی کے لئے ان کا نام پیش کیا۔ کیونکہ عدل و انصاف میں اس وقت ان کا ثانی نہیں تھا۔

ابن جریر طبری نے ابو مخنف کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت علی چاہتے تھے کہ ان کے چچیرے بھائی عبداللہ بن عباس رضؓ ان کی طرف سے ثالث مقرر کئے جائیں مگر خود انہیں کی فوج نے اعتراض کیا کہ وہ تو آپ کے بھائی آپ کی ذات کے مثال ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنے معتمد خاص اور سپہ سالار اعظم مالک اشتر نخعی کا نام پیش کیا۔ مدینہ اور یمن وغیرہ کے سپاہیوں نے کہا کہ جنگ کی یہ آگ تو اس کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ مجبوراً حضرت علی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اپنی طرف سے ثالث مقرر کیا۔ اور بقول شاہ ولی اللہ شاہ دہلوی یہ کہا کہ اے ابو موسیٰ تم ہی فیصلہ کر دو چاہے وہ فیصلہ میری گردن کاٹنے ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم) طبری اور دیگر مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت علی زندگی سے بیزار ہو کر فرمایا کرتے تھے "کاش میں بیس برس قبل مر گیا ہوتا!" امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص ثالث مقرر ہوئے۔

علی کا اعتراف کہ کسی مجلس شوریٰ نے انہیں خلیفہ منتخب نہیں کیا

پھر جب عہد نامہ پر دستخط کرنے لگے تو علی نے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا۔ حضرت امیر معاویہ نے اعتراض کیا کہ تم کو کسی نے خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا۔ اگر تم خلیفہ ہوتے تو ہمارے درمیان کوئی جنگ ہی نہ ہوتی۔ معاہدہ میں حضرت علی کو خلیفۂ وقت تسلیم نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان کی خلافت گو قائم ہو چکی تھی۔ پھر بھی وہ قانوناً خلیفہ نہیں تھے۔ کیونکہ کسی مجلسِ شوریٰ نے ان

کو خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا بلکہ قاتلانِ عثمان کی طرف سے وہ خلیفہ بنے تھے۔

معاہدۂ تحکیم کے متعلق طبری کا بیان

معاہدہ کی عبارت اور اس کے خاص دفعات مورخ طبری نے جو بیان کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱ ـــ یہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان ہوا۔ علی نے یہ معاہدہ اہل کوفہ اور ان کے دیگر اعوان و انصار جو مومن اور مسلم ہیں کی طرف سے کیا ہے اور معاویہ نے شام کے مومنین و مسلمین کی طرف سے۔

۲ ـــ ہم اللہ عزوجل کے حکم کے بغیر کسی اور کے حکم کو مان سکتے ہیں نہ اس پر جمع ہو سکتے ہیں ہمارے پاس من اول الی الآخر پوری کتاب اللہ موجود ہے۔ اس کی تبلائی ہوئی باتوں کو ہم قائم اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے اجتناب کریں گے۔

۳ ـــ دونوں حکم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں۔ اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پائیں اس پر سنت عادلہ جامعہ غیر مفرقہ پر عمل کریں۔

۴ ـــ جانبین کے مومنین اور مسلمین پر اللہ کی طرف سے اس بات کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاہدہ کو تسلیم کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ نیز راست روی اور حالت امن برقرار رکھیں۔ ہتھیاروں کے استعمال سے اجتناب کریں۔

۵ ـــ مسلمان جہاں چاہیں آئیں جائیں۔ ان کی جان مال، اہل و عیال حاضر و غائب سب محفوظ رہیں۔

۶ ـــ دونوں ثالثوں میں اللہ کی عائد کردہ ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس امت کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کریں۔ اور امت کو دوبارہ جنگ یا تفرقہ میں مبتلا کر کے معصیت کاری کا افتتاح نہ کریں۔

۷ ـــ مدت فیصلہ رمضان تک ہے اگر مزید تاخیر چاہیں تو دونوں ثالثوں کی باہم رضامندی سے اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ثالثوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو مرنے والے کی جماعت کا امیر اس کی جگہ کسی اور صاحب عدل و انصاف کا تقرر کر دے۔

۸ ـــ مقام فیصلہ جہاں یہ سنایا جائے اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان مساوی راہ پر ہو

۹ ـــ ثالثوں کی مرضی کے بغیر ان کے پاس کوئی شخص نہ جائے۔

۱۰ ـــ ثالث حضرات جن لوگوں سے چاہیں گواہی لیں۔ گواہیاں معاہدہ کے ساتھ ثبت ہونی چاہئیں۔

۱۱ ـــ فریقین میں سے جو شخص معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے ظلم و کج روی اختیار کرے تمام لوگ اس کے برخلاف دوسرے فریق کی حمایت کریں۔ (الطبری جلد ۵ ص ۵۳ اور ۵۴)

اس عہد و پیمان پر دونوں فریقین کے دستخط ثبت ہونے کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت علی کی طرف سے اور حضرت عمرو بن العاص حضرت امیر معاویہ کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے۔

ثالثوں کا متفقہ فیصلہ

چھ ماہ تک دونوں ثالثوں نے دونوں طرف کے گواہوں کے بیانات قلمبند کئے، صورت حال کا صحیح جائزہ لیا۔ حضرت علی کے اکثر گواہی کے لئے پیش نہیں ہوئے بلکہ خط و کتابت کے ذریعے ان کی گواہی لی گئی جس کی وجہ سے وقت مقررہ پر فیصلہ سنانے میں دیری ہوئی۔ بہرحال دونوں محترم ثالثوں نے حالات و واقعات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر یہ فیصلہ سنایا کہ

قرآن و سنت کی رو سے خونِ عثمان رضؓ کا قصاص لینا واجب تھا جو حضرت علی نہ لے سکے بلکہ مانع آئے۔ قاتلین اور ان کے ساتھی حضرت علی کے ساتھ ہیں۔ اور ان کے لشکر میں اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہیں۔ وہ سیاست وقتی میں دخیل ہیں۔ امت فتنہ و انتشار میں مبتلا ہے۔ زمام حکومت خود حضرت علی رضؓ کی مرضی کے مطابق انتشار پسندوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے ان سے حضرت عثمان رضؓ کے خونِ ناحق کا قصاص جو شرعاً واجب تھا۔ نہیں لیا گیا۔ اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔

اس لئے حضرت علی کو خلافت کے عہدے سے معزول کیا جائے۔ اور خلیفہ معزول کی بجائے ارباب حل و عقد کے استصواب سے خلافت کے لئے کسی موزوں شخص کا انتخاب کیا جائے جب تک نیا خلیفہ منتخب نہ ہو جائے۔ فریقین اپنے اپنے علاقہ جات پر قابض رہیں لیکن

لڑائی ملتوی کی رہے۔

حضرت علی کی غیر حاضری

ثالثوں نے یہ فیصلہ مقام اذروح میں سنایا جہاں حضرت علی کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس ساڑھے تین سو کوفیوں کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ اپنے چار سو معاونین کے ساتھ خود حاضر تھے۔ ثالثوں کا فیصلہ حضرت علی کے حق میں بہت برا ثابت ہوا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے تحکیم کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ان کی ذات سے ہمدردی رکھنے کے باوجود علی کا پوزیشن اپنے متبعین کی نظروں میں کمزور پڑتا گیا کیونکہ سنگین الزامات ان پر عائد کئے گئے۔ اس سے ان لوگوں پر بھی اثر پڑا جو ان کی موافقت کا رجحان رکھتے تھے۔ (جلد ۴ صـ ۴۰۸)

تاریخ بتاتی ہے کہ فیصلۂ تحکیم کے بعد نہ صرف ان صحابۂ کرام نے جو فتنہ میں غیر جانبدار تھے۔ بلکہ ان لوگوں نے بھی جو علی رضؓ کی طرفداری میں جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ ایک ایک کرکے دمشق پہنچ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور حضرت علی حسرت و یاس سے کہتے رہے کاش میں بیس سال قبل مرگیا ہوتا۔

حضرت علی کا امیر معاویہ پر لعنت بھیجنا

علامہ ابن جریر طبری کی روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ اور ان کے معاونین پر سب وشتم کا آغاز کیا۔ ابن ابی الحدید نے بھی نہج البلاغہ کی شرح میں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ حضرت علی نے ہی امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجنے کی ابتداء کی۔ علامہ ابن کثیر نے بھی کئی روائیتیں درج کرکے آخر میں لکھ دیا۔ "لا یصح واللہ عالم"

طبری نے روایت درج کی ہے جس کو دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ جب اذروح سے لوٹ کر آئے اور حضرت علی رضؓ کو ثالثی فیصلہ سے آگاہ کیا تو انہیں ایسا رنج وملال ہوا کہ اس دن سے وہ ہر نماز فجر میں نہ صرف معاویہ رضؓ بلکہ عمرو بن العاصؓ ابوالاعوا سلمی رضؓ حبیب بن مسلمہ رضؓ وعبدالرحمن بن خالد بن ولید رضؓ ضحاک بن قیس رضؓ اور تمام صحابہ ورفقائے معاویہ رضؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ کو اس کی خبر ہوئی

تو انہوں نے بھی علی اور ان کے کوئی سرداروں پر اور ابن عباس و مالک اشتر وغیرہ پر لعنت بھیجنی شروع کی۔

طبقات ابن سعد جلد ۴ کے صـ ۲۵۴ پر درج ہے کہ حضرت علی نے بر سرعام دوران گفتگو حضرت عمرو بن العاص کو گالیاں دیں۔

علامہ محمود عباسی کی رائے

وہ لکھتے ہیں کہ سب وشتم کی روایات بھی ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی سے لی ہیں جو کٹر قسم کا غالی شیعہ تھا۔ اس نے اور اسی قماش کے دوسرے رافضیوں نے تقریباً سو کتابیں مقتل عثمانؓ ومقتل حسین رضؓ لکھیں اور علامہ ابن جریر طبری نے جو خود بھی اسی قماش کے تھے۔ ان روایتوں کو خوب پھیلایا۔ انہیں کی وجہ سے اس شر انگیز لٹریچر کی اشاعت ہوئی۔

امام بخاری ویحیی بن معین وغیرہ محققین نے احادیث وروایات کے اسناد پر سخت محنت کی مگر داخلی شہادتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ متاخرین نے آنکھیں بند کرکے متضاد ومتناقض روایتوں کو خاص کر بنی امیہ کی تنقیص میں نقل در نقل کرتے رہے اگر یہ لوگ روایات کے اسناد پر ذرا غور کرتے اور داخلی شہادتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کرتے تو فوراً کہہ دیتے کہ یہ روایات قابل اعتبار نہیں ہیں بلکہ سب کے سب افترا پردازی کا پلندہ ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسا کرتے۔ حضرت علی رضؓ ثالثی فیصلہ کی اشاعت کے بعد بہت جلد شہید ہوگئے۔ کیونکہ خود انہیں کی پارٹی کے ایک سبائی نے جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا ان کو قتل کر دیا۔ اس کے فوراً بعد حضرت ابن عباس وحضرت حسن وحضرت حسین اور امیر معاویہ میں مودت اور محبت کے تعلقات قائم ہوئے۔ جو برابر بڑھتے رہے۔ ان کے خاندانوں میں شادی بیاہ کے تعلقات پہلے سے بھی تھے کیونکہ دونوں خاندان دراصل ایک ہی تھے اور ایک ہی شخص کی اولاد میں تھے۔ ان میں ایک دوسرے کے خلاف سب وشتم اور گالی گلوچ کا مذموم وطیرہ کیونکر جنم پا سکتا تھا۔ (تحقیق مزید صـ ۱۳۲)

مگر وہ بھول گئے کہ گالیاں دینے کی عادت حضرت علی کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ طبری

سا تھ تھے اسی لئے آپ کو فتح نصیب نہیں ہوئی۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۸۲)

غرض اولادِ صحابہ میں حضرت علی کے خلاف دشمنی کا جذبہ پیدا ہونے کا سبب ہی یہ تھا کہ انہوں نے حضرت علی کو اسلامی احکام و اصول کی روشنی میں پرکھا تو ان کے دلوں میں تردد پیدا ہوا کیونکہ نماز پڑھنا ہی پکے مسلمان ہونے کی علامت نہیں ہے۔ وہ آپس میں جمع ہو کر مشورے کرنے لگے جسے طبری نے حضرت علی کے خلاف سازشوں سے تعبیر کیا ہے۔

صفین کی جنگ میں حضرت علی نے اعتراف کیا کہ وہ کسی مجلس شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ باغیوں کی ٹولی نے انہیں خلافت کی گدی پر بٹھا دیا جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ حضرت علی نے معاہدہ پر بحیثیت خلیفہ نہیں بلکہ اہل کوفہ اور ان کے دیگر اعوان و انصار جو مومن و مسلم ہیں" کے سردار کی حیثیت سے کیا۔ اس دستخط سے انہوں نے یہ راز بھی فاش کیا کہ مجوسی اُن کے اعوان اور عرب کے مسلمان ان کے انصار ہیں۔ اس بات کو عربوں نے بُرا مانا۔ علاوہ ازیں حضرت علی بار بار حضرت امیر معاویہ اور ان کے طرفداروں کی توہین و تذلیل کرتے تھے۔ امیر معاویہ جیسے جلیل القدر صحابی کو جو قدر و منزلت میں حضرت علی کے برابر بلکہ ان سے بھی بڑھ کر تھے۔ طلیق ابن طلیق کہتے تھے۔ ان کو اور ان کے والد بزرگوار حضرت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اللہ اور رسول کا دشمن بتلاتے تھے۔ سیاسی مخالفین سے لڑنے کے لئے جب بھی اپنی سپاہ کو اُبھارتے تو بار بار ان کے خلاف دشمنانِ اسلام جیسے ناشائستہ اور ناموزوں فقرے استعمال کرتے مثلاً کہتے

سیروا الی اعداء اللہ، سیروا الی اعداء القرآن والسنن، سیروا الی بقیۃ الاحزاب وقتلۃ المہاجرین والانصار۔ (جمہرۃ خطب)

یعنے چلو دشمن خدا سے مقابلہ کرنے کو، چلو قرآن اور سنت کے دشمن سے لڑنے کو چلو باقی ماندہ مددگارانِ دشمنانِ اسلام و مہاجرین و انصار سے جنگ کرنے کو۔

عرب کے باشندے جانتے تھے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرم صلعم کے سسر اور اہل قریش کے سردار تھے۔ وہ فتح مکہ کے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلعم ان کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد اعلان کیا تھا کہ مکہ کا جو باشندہ

کے علاوہ بھی بہت سے مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ جب نہج البلاغہ کے خطبات میں حضرت علی کی زبان سے گالیاں پھول جھڑی کے مانند بکھری پڑتی ہیں۔ تو لامحالہ اور خواہش نفس کے برخلاف کہنا پڑتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است ٭ مقتضائے طبیعتش این است

خارجی اور حضرت علی

خارجی حضرت علی کی سبائی پارٹی کے اراکین تھے۔ وہ ایرانی اور عراقی مجوسی غلام نہیں تھے جو جنگوں میں گرفتار ہو کر عرب میں مسلمانوں کی غلامی میں رہتے ہوئے اپنی ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لئے حضرت علی کی پارٹی میں شریک ہو گئے تھے۔ بلکہ یہ صحابہ و تابعین کی اولاد تھے۔ جو شہادت عثمان کے بعد حضرت علی کو رسولِ اکرم صلعم کے داماد ہونے کی حیثیت سے ایک نیک آدمی سمجھ کر ان کی بیعت میں شریک ہو گئے تھے۔ وہ حضرت علی کے نام سے واقف تھے پر ان کے عادات و خصائل سے بالکل ناواقف تھے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت علی کی فوج میں شامل ہو کر ان کو بالکل قریب سے دیکھا تو ان کا عقیدہ متزلزل ہونے لگا۔ طبری نے لکھا ہے کہ معرکہ جمل کے بعد جب حضرت علی نے اعلان کیا کہ بصرہ کے مقتولوں کا مال جامع مسجد کے احاطہ میں جمع کر دو تاکہ ان کے وارث اسے لے جائیں تو انہوں نے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں کا خون تو ہمارے لئے حلال ہے مگر ان کا مال حرام۔ اور جب حضرت علی نے جواب دیا کہ "جو شخص ہمارے مقابلہ میں قتل ہوا وہ میری جانب سے ابتداء کے باعث ہوا اس لئے ان کا مال نہیں لیا جا سکتا اسی وقت سے وہ لوگ جو بعد میں خارجی ہو گئے حضرت علی کے خلاف اندرونی سازشیں کرنے لگے۔ (حصہ سوم خلافت راشدہ)

علامہ مرتضیٰ جو بڑے محقق مذہب شیعہ ہیں لکھتے ہیں کہ علی کی فوج میں ایسے لوگ بھی تھے جو اولاد صحابہ تھے جو آپ کے دشمن جان تھے۔ ان کے دلوں میں خلیفۂ اول اور خلیفۂ ثانی کا عدل اور فضل جما ہوا تھا۔ اگر حضرت علی اس وقت کما ینبغی اظہارِ حق کرتے تو بہت دشواری ہو جاتی۔ اسی سبب سے عالمِ خلافت میں بھی ان پر تقیہ واجب تھا۔ اور اظہارِ حق حرام (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۸۰) قاضی نوراللہ شوستری فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے ساتھ قریش کے صرف پانچ ہی آدمی تھے اور ان کے تیرہ گھرانوں کے باقی سب لوگ حضرت معاویہ کے

ان کے گھر میں پناہ لے گا وہ مامون ہے۔ ان کو آپ نے نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ اسی طرح امیر معاویہ رضؓ کاتب وحی تھے۔ انہوں نے بھی فتح مکہ کے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ اور جب قرآن نے رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کو اُمہات المسلمین کا درجہ عطا کیا۔ تو حضرت امیر معاویہ کا مرتبہ بھی خودبخود بلند ہوگیا کیونکہ وہ مسلمانوں کے ماموں بن گئے۔ ان جیسے جلیل القدر ہستیوں کے خلاف نہایت توہین آمیز اور ناموزوں فقرے استعمال کرنے اور عراق اور ایران کے سرداروں کی چاپلوسی کرتے رہنے کی وجہ سے حضرت علی نے عربوں کی نگاہوں میں اپنا مرتبہ خود کھو دیا۔ اور ایسے ذلیل ہوئے کہ آج تک عربوں کا ایک بڑا طبقہ انہیں کافر قرار دیتا ہے۔ حکمین کا فیصلہ ہوا تو وہ حضرت علی سے کھلم کھلا بگڑ بیٹھے۔ اور حضرت ابی سفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی توہین کا بدلہ اس طرح لیا کہ انہوں نے بھی حضرت علی رضؓ کو "اے اللہ کے دشمن" کہہ کر خطاب کیا۔

خارجیوں کے اصول

مورخ طبری لکھتے ہیں کہ قرآن کے ہوتے ہوئے انسانوں کو حکم بنانا خارجیوں کے نزدیک کفر تھا۔ لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔ ان کا نعرہ تھا۔ وہ حضرت علی کو کافر کہتے اور کہتے کہ اے اللہ کے دشمن تونے احکام خداوندی میں مداہنت سے کام لیا اور حکم بنایا۔

طبری نے ابو مخنف کی روایت بیان کی ہے کہ عراقی جنگِ صفین کو جاتے وقت حضرت علی کے دوستوں اور محبوں کی طرح گئے۔ لیکن جب وہاں سے لوٹے تو دشمنی وعناد کے جذبات لے کر لوٹے۔ (جلد ۶ صفحہ ۳۵)

بلاذری کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی کے قرآن خوان اور زہد کیش ساتھیوں نے ان سے بغاوت کی۔ حضرت علی ان سے لڑے اور نہروان کی جنگ میں انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے لشکر والے بہت سے اہل کوفہ جن کے ساتھی نہروان میں قتل ہوگئے، حضرت علی سے بگڑ بیٹھے ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے عداوت پیدا ہوگئی اور ان کا اتحاد اور یکجہتی پارہ پارہ ہوگئی۔

حضرت علی امام بن گئے

غرض صلح کے معاہدہ پر دستخط کرکے جب حضرت علی لوٹے تو ان کی

فوج انتشار کا شکار ہوچکی تھی۔ وہ دو پارٹیوں میں تقسیم ہوچکی تھی۔ ایک پارٹی جو خالص عراقیوں اور ایرانیوں میں مشتمل تھی۔ حضرت علی کو امام سمجھتی تھی اور خارجی حضرت علی کو کافر سمجھتے تھے۔

خارجیوں نے حضرت علی کا ساتھ چھوڑ دیا

صفین کی جنگ کے بعد بارہ ہزار خارجیوں نے حضرت علی کے ساتھ کوفہ واپس ہونے کے عوض مقام حروراء میں جاکر قیام کیا۔ شیث بن ربعی کو اپنا سردار اور کمانڈر انچیف منتخب کیا اور حضرت علی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ یہ بھی اعلان کیا کہ حضرت علی سے فتح حاصل کرنے کے بعد خدائے عزوجل کے ہاتھ پر بیعت ہوگی۔ اللہ اور رسول کی ہدایات پر عمل ہوگا۔ خلافت کا کام مشورے سے طے پائے گا۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل ہوگا۔ اللہ کے علاوہ اسلام میں کسی کا حکم نہیں چلے گا۔

اس کے برعکس شیعانِ علی نے کوفہ پہنچ کر حضرت علی کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی کیونکہ ان کے خیال کے مطابق وہ اللہ کی طرف سے پیدائشی امام تھے۔ ان کے خیال میں خلافت کا قیام اجماعِ اُمت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ صفین کے میدان میں شامیوں نے حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اسی لئے شیعانِ علی نے ان کی دوبارہ بیعت کی اور اقرار کیا کہ ہم اس شخص کو دوست رکھیں گے جسے آپ دوست رکھیں اور ہر اس شخص کے دشمن ہوں گے جسے آپ دشمن رکھیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت علی نے تمام اہل قریش کو اپنا دشمن سمجھا کیونکہ انہوں نے ان کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا کہ خلافت ان کی وراثت ہے۔ انہوں نے مدینہ ترک کرکے کوفہ کی ہجرت اختیار کی اور جیتے جی عرب مملکت میں قدم نہیں رکھا۔ انہوں نے حج کے لئے بھی مکہ اور مدینہ کا رُخ نہیں کیا۔ اسی لئے مقدس سرزمینِ حجاز نے بھی ان کی لاش تک کو قبول نہیں کیا۔ آج تک لوگ یہ نہیں جان سکے کہ حضرت علی کی قبر ہے کہاں۔

حضرت علی نے بھی خارجیوں کو کافر بنا کر اپنا بدلہ لیا۔ صحاح ستہ میں حضرت علی رضؓ کی روایت کردہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ان سے فرمایا کہ آخری زمانے میں لوگ بیکی عقلوں کے پیدا ہوں گے۔ وہ کلمہ گو ہوں گے نماز روزہ کے پابند ہوں گے۔ بات بات میں خدا کا کلام

اور رسول اللہ کی حدیث بیان کریں گے۔ مگر وہ دین سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان کا ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ جہاں وہ تمہیں ملیں انہیں مار ڈالو کیونکہ مارنے والوں کو ان کے مارنے کا قیامت کے دن بڑا اجر ملے گا۔ حضرت علی کی حدیث کی تائید میں حضرت ابو سعید خدریؓ نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں ایک قوم نکلے گی جن کے مقابلے میں تم نماز روزے اور اعمال کو حقیر سمجھو گے لیکن وہ قرآن پڑھے گی۔ جو ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے وہ ایسی نکل جائے گی جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ لوگ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے کسی نے پوچھا کہ ان کی نشانی کیا ہے تو آپ نے فرمایا سر منڈانا۔ (بخاری)

خارجی اپنے سر منڈاتے تھے۔ لہٰذا آج بھی جو سر منڈاتا ہے وہ خارجی ہے۔ اللہ کا دوست اور علی کا دشمن۔ !!!

لیکن اسی بخاری میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت موجود ہے کہ قبیلۂ جہنیہ کے خلاف جنگ میں ایک شخص ان کے مقابلے پر آیا۔ اور جب اس پر نیزہ کا حملہ کرنا چاہا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ میں نے اس کو نیزہ مارا اور مار ڈالا۔ پھر نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا تو پھر تو نے اسے کیوں قتل کیا۔ میں نے کہا،" یا رسول اللہ۔ اس نے تو محض اپنے آپ کو بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل دیکھا تھا؟ یہ حدیث مسلم میں بھی پائی جاتی ہے۔

جندب بن عبد اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب کلمۂ لا الہ الا اللہ جھگڑتا ہوا آئے گا اُس وقت تو کیا جواب دے گا؟ کئی مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔ (مسلم)

ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس بندے نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی حالت میں مر گیا تو وہ جنتی ہو گا۔ ابو ذر نے کہا اگرچہ زنا کرے یا چوری کرے تین دفعہ رسول اللہ نے کہا اگرچہ زنا کرے یا چوری کرے۔ تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خارجیوں کے خلاف گھڑی ہوئی حدیث جھوٹی ہے۔ ہر کلمہ گو جنتی ہے بشرطیکہ کلمہ دل کی گہرائی سے پڑھا ہو اور اس پر عقیدہ رکھتا ہو۔

حضرت علی جنتی تھے

مگر خارجیوں کا کہنا کہ حضرت علی کافر ہیں بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہلِ بدر سب کے سب جنتی ہیں اور ان کی نسبت کہا " اعلموا ما شئتم فقد غفرت لکم " یعنی تم جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہوں۔ حضرت علی بھی جنگ بدر میں شریک تھے۔ ان کو کافر بنانا قرآن کی اس آیت کی خلاف ورزی ہے۔

حاطب بن بلتعہ بدری صحابی تھے۔ مگر انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ کے مشرکوں کو خط لکھا کہ ہوشیار رہو۔ تم پر حملہ کرنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ خط پکڑا گیا۔ بخاری میں حدیث موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ حاطب بن بلتعہ کی گردن مار دوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اے عمر! تجھے معلوم ہے۔ اللہ نے اہل بدر کے متعلق اطلاع دے دی کہ جو چاہو کرو۔ تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی۔

مسلم میں حدیث موجود ہے کہ جابرؓ کہتے ہیں کہ حاطب بن بلتعہ کا ایک غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے حاطب کے خلاف شکایت کر کے کہا کہ وہ دوزخی ہے۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا اس لئے کہ وہ بدر اور حدیبیہ کے لوگوں میں شریک رہا ہے۔

حضرت علیؓ بھی بدر اور حدیبیہ کے لوگوں میں شریک رہے۔ حالانکہ وہ بیعتِ رضوان سے پھر گئے۔ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ اس کے باوجود اللہ تعالے ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ممکن ہے کہ بدری صحابہ کی مغفرت والی قرآن کی آیت اور رسول اللہ صلعم کی تفسیری حدیثوں نے کہ "بدری صحابہ جو چاہیں کریں' ان کو جنت واجب ہو چکی ہے"۔ حضرت علیؓ کو ان مشتبہ اعمال پر دلیر کر دیا۔ جن کا بیان تاریخی کتابوں اور احادیث میں ہوا ہے۔ واللہ عالم

جنگ نہروان

حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا اگر مان جاتے تو خلافت ترک کرنا ضروری ہوتا جس کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے دو خلیفوں کو قتل کروایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ثالثوں نے انصاف سے کام نہیں لیا اور خارجی لیڈروں اور ان کے ساتھیوں کو خط لکھا کہ چونکہ ثالثوں نے اپنے نفس کی خواہش کے مطابق فیصلہ کیا ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ اب ہم اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتے ہیں اور اپنے اور تمہارے دشمن کے خلاف لڑنے چلتے ہیں تم آؤ اور ہمارا ساتھ دو۔ خارجیوں نے جواب دیا کہ اس معاملہ میں اللہ کے دین کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تو تمہارا اپنا ذاتی معاملہ ہے اور تم نے اس لئے ثالثوں کا فیصلہ ماننے سے انکار کیا کہ وہ تمہارے مفاد کے خلاف ہے

حضرت علی کا مراسلہ اور خارجیوں کا جواب طبری جلد ۶ صفحہ ۴۲ پر اور مہری لامن کی کتاب "خلیفہ معاویہ" بزبانِ فرانسیسی کے صفحہ ۱۲۷ پر درج ہے۔ اسی اجنا پر شاہ ولی اللہ شاہ محدث دہلوی نے کہا "مقاتلات وے برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام یعنے حضرت علی کی تمام جنگیں اپنی خلافت کے لئے تھیں نہ کہ اسلام کی بزرگی و برتری کے لئے

(ازالتہ الخفاء جلد اول)

جب خارجیوں نے حضرت علی کی مدد سے انکار کیا تو اپنے مجوسی مشیروں کے مشورے پر انہوں نے اپنی فوج کو جو امیر معاویہ کے خلاف جنگ کے لئے تیار کی تھی خارجیوں کے خلاف استعمال کیا۔ خارجیوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کیا اور بارہ ہزار لوگوں کے ساتھ نہروان کے پل پر جمع ہوگئے۔ یہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے تحکیم ۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ نہروان کی جنگ میں عبداللہ بن وہب مارا گیا اور اس کے ساتھ پانچ ہزار سے زیادہ خارجی مارے گئے۔ جس کی وجہ سے کوفہ اور اس کے اطراف اکناف میں حضرت علیؓ کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ بلاذری کی ایک روایت کے مطابق حضرت علی کے قرآن خوان اور زہد کیش ساتھیوں نے ان سے بغاوت کی۔ حضرت علی ان سے لڑے اور انہیں نہروان کی جنگ میں قتل کر ڈالا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے لشکر والے اور بہت سے اہل کوفہ جن کے ساتھی نہروان میں قتل ہوگئے حضرت علی سے بگڑ بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو جب

خبر ہوئی تو انہوں نے علی کے طرفداروں سے خط و کتابت کی۔ انہیں عزت و منزلت کے سبز باغ دکھائے تو وہ لوگ حضرت علی سے ٹوٹ کر امیر معاویہؓ کی جانب مائل ہوگئے۔ اسی بنا پر حضرت امیر معاویہؓ کہا کرتے تھے کہ جنگِ صفین کے بعد علی سے لڑائی میں نہ لشکر کی ضرورت پڑی نہ سامانِ جنگ کی۔

فوج کا معاویہ کے خلاف لڑنے سے انکار

خارجیوں کو تہ تیغ کر دینے کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ شام کی طرف کوچ کریں۔ لیکن فوج کے سپاہیوں نے بہانہ کیا کہ ان کے ہتھیار قرآن خوانوں کے گلے کاٹتے کاٹتے کند پڑ گئے ہیں۔ اس لئے کوفہ واپس چلنا چاہیئے تاکہ ہتھیار تبدیل کئے جا سکیں۔ مگر جب وہ کوفہ واپس ہوئے تو اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ امیر معاویہ کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ حضرت علی ان کو پکارتے پکارتے تھک گئے۔

محمد بن علی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ کوفہ میں جنگ نہروان کے بعد ان کے والد بزرگوار نے پانچ مرتبہ جھنڈا اکھڑا کیا کہ لوگ وہاں آکر جمع ہوں لیکن ہر مرتبہ طویل انتظار کے بعد اسے اکھاڑ دینا پڑا کیونکہ کوئی ان کی بات نہیں مانتا تھا اور کوئی فوج میں بھرتی کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا تھا۔ کتاب نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کا ایک خطبہ درج ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

"کیا یہ امر قابل تعجب نہیں کہ معاویہ تو اعانت اور عطا کے بغیر جفاکاروں کو دعوت دیتا ہے اور وہ سب اس کی پیروی دل و جان سے کرتے ہیں اور میں تم کو اعانت اور عطا کے ساتھ دعوت دیتا ہوں تو تم میرے پاس سے متفرق ہو جاتے ہو اور میرے سامنے اختلافات کرتے ہو؟"

ایک دوسرے خطبہ میں جو اسی نہج البلاغہ میں ہے حضرت علی کہتے ہیں کہ میں اپنے سو نافرمان سپاہیوں کا تبادلہ معاویہ کے دس فرمانبردار سپاہیوں سے کرنے کے لئے تیار ہوں۔

حضرت علی کی اپنے شیعوں سے بیزاری

طبری خلافت راشدہ حصہ سوم میں حضرت علی کا ایک خطاب درج ہے جو انہوں نے اپنے شیعوں سے کیا۔

"ایسی جماعت کہ جسے جب میں حکم دوں تو اطاعت نہ کرے اور جب میں پکاروں تو میری پکار کا جواب نہ دے۔ مجھے خدا نے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ آخر اپنے حق پر ہونے کے باوجود تم جہاد سے کیوں متنفر ہو؟ لِلّٰہ بتاؤ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا دین بھی تمہیں جمع نہیں کر سکتا، کیا حمیت تمہیں اُبھار نہیں سکتی؟ حالانکہ تم سن رہے ہو کہ دشمن تمہارے شہروں میں گھس آیا ہے۔ اور اس نے تمہارے بھائیوں پہ غارت گری شروع کر رکھی ہے کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ معاویہ ظالموں اور سرکشوں کو دعوت دیتا ہے اور یہ ظالم اور سرکش کسی مالی امداد اور بخشش کے بغیر اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن تم میری آواز سن کر میرے پاس سے اُٹھ کر چلے جاتے ہو۔ میری نافرمانی کرتے اور مجھ سے اختلاف کرتے ہو۔"

میں ایک کام کا اقدام کرتا ہوں تمہیں چیخ چیخ کر پکارتا ہوں اور ایک مدد کرنے والے کی طرح گھبرا کر مدد کے لئے تمہیں آواز دیتا ہوں۔ لیکن تم میری کوئی بات نہیں سُنتے۔ نہ میرے کسی حکم کی اطاعت کرتے ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام کام مجھے میرے انجام پر پہنچا دیتے ہیں۔ تم ایک ایسی قوم ہو کہ تمہارے ذریعہ کسی سے بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ تمہارے بھروسہ پر مہموں کی رسیاں نہیں توڑی جا سکتیں۔ پچاس راتوں سے زیادہ گزر چکی ہیں کہ میں تمہیں پکار رہا ہوں لیکن تم لوگ اونٹ کی طرح منہ کھولے زمین پر پھیل جاتے ہو۔"

بصرہ کے والی کو پچھاوے کا خط

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو جب وہ بصرہ کے گورنر تھے لکھتے ہیں۔

میرا تو اللہ سے یہی سوال ہے کہ وہ مجھے کسی طرح ان لوگوں سے چھٹکارا دیدے اور ان سے علیحدگی کا کوئی ذریعہ پیدا کر دے۔ خدا کی قسم اگر میری یہ آرزو نہ ہوتی کہ میں دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاؤں تو میں یہ بات پسند کرتا کہ میں ان کے ساتھ ایک دن بھی نہ گزاروں۔

لیڈر کے مرجانے کے بعد پچھاوا

حضرت علی کو پچھاوا اس وقت ہوا جبکہ ان کا پیر مرشد آقا سرغنہ استاد مالک اشتر نخعی مر گیا۔ اس کے قبل حضرت علی کو پچھاوے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ کیونکہ علی کے سارے کام علی کی

اجازت کے اور علم کے بغیر سر انجام پا جاتے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھا حضرت کا قسمت کا ستارہ نہایت بلند و روشن تھا۔ جیسے ہی اس کی موت واقع ہوئی حضرت علی کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔

مالک اشتر کی موت

مالک اشتر نخعی مصر کا گورنر بن کر جا رہا تھا کہ راستہ میں مر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شہد کا شربت پی کر بیمار ہوا اور اسی بیماری میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حضرت علی نے قیس بن سعد الانصاری کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور وہ راستہ میں لوگوں کو دھوکہ دے کر کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کا قاصد ہے اور ان کا خط لے جا رہا ہے مصر کے فوجی گارڈ سے بچ کر نکل گیا اور مصر پہنچ کر محمد بن ابی حذیفہ سے حکومت سنبھال لی۔ وہ مصر میں بہت اچھی طرح حکومت چلا رہا تھا مگر اس نے وہاں کے عربوں کو حضرت علی رضؓ کی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔ کیونکہ وہ لوگ کہتے تھے کہ اگر مدینہ کے لوگ حضرت علی کی بیعت کر لیں تو وہ بھی بیعت کریں گے وہ دس ہزار کے قریب لوگ تھے وہ نہ علی کے معاونین میں سے تھے نہ مخالفین میں سے مگر حضرت علی کے مجوسی مشیروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ قیس بن سعد کو لکھیں کہ وہ ان عربی عناصر کو بیعت پر مجبور کریں اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ قیس بن سعد کو یہ بات پسند نہیں آئی اس لئے اس نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔

اس کی جگہ حضرت علی رضؓ نے مالک بن اشتر نخعی کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا مگر راستہ میں موت کے فرشتہ نے اسے پکڑ لیا۔ اس کی موت کے بعد حضرت علی کے سارے کام بگڑ گئے اور ان کی قسمت کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔

محمد بن ابی بکر کی موت

پھر حضرت علی نے اپنے پالکڑے اور ربیب محمد بن ابی بکر کو والئ مصر بنا کر بھیجا۔ وہ کم عمر ناتجربہ کار اور مصر کی ولایت کے لئے بالکل ناموزوں شخص تھا۔ اس نے مصر پہنچتے ہی عرب عناصر کو حضرت علی کی بیعت کرنے پر مجبور کیا تو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امداد کی درخوست کی۔

امیر معاویہ رضؓ نے فوراً حضرت عمرو بن العاص رضؓ جیسے تجربہ کار سپہ سالار اور مدبر سیاست دان کو جو مصر کے گورنر رہ چکے تھے۔ ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر روانہ فرمایا تاکہ قاتل عثمان رضؓ کا سر

وہ اپنے ساتھیوں اور فوجیوں کی نافرمانی کا شکوہ کرتے۔ انہیں بددعا دیتے اور کہتے

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا و شحنتم صدری غیظا۔ — نہج البلاغہ

اللہ تم کو ہلاک کرے۔ تم لوگوں نے میرے دل کو غم سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے۔

مصر پر حضرت امیر معاویہ کا قبضہ

حضرت علی ہر گھاٹ سے آدمی بھیجنے کے لئے گھاٹ گھاٹ کی خاک چھان رہے تھے کہ اتنے میں خبر ملی کہ مصر پر حضرت امیر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا ہے۔ وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور خاص طور پر محمد بن ابی بکر کے قتل پر اور خود بھی نادم ہوئے کیونکہ ان کا پروردہ بیٹا اس قابل ہی نہیں تھا کہ مصر کی امارت اس کے حوالے کی جاتی۔

امیر معاویہ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے

ثالثی فیصلہ کے مطابق حضرت علی اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں کو انتخاب لڑنا چاہیے تھا۔ نیا خلیفہ چننے کا حق اصحاب بدر اور دیگر صحابۂ رسول کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ مگر حضرت علی نے تحکیم کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر انتخاب کیسے عمل میں آتا؟ تحکیم کے فیصلے کے بعد ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا مگر حضرت علی شام میں امیر معاویہ سے لڑنے کے لئے فوج جمع کرنے میں لگے رہے۔ اس دوران میں صوبۂ شام و فلسطین کے باشندوں نے امیر معاویہ کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کرنا شروع کر دیا اور جب مصر فتح ہوا تو مصریوں نے بھی انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور امیر المومنین کے الفاظ سے خطاب کرنے لگے اور ان کی دیکھا دیکھی مملکت اسلامیہ کے سارے باشندوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور حضرت علی کف افسوس ملتے رہ گئے۔

علی کی خلافت میں معاویہ کا امیر الحج

حضرت علی کی حکومت کی باگ اتنی کمزور پڑ گئی کہ ان کو کوئی خلیفہ ہی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ "جب حضرت علی خلیفہ تھے، امیر معاویہؓ نے یزید بن شجرہ ہادی کو امیر الحج بنا کے شام سے بھیجا کہ وہ لوگوں کا حج کرائے۔ ان کے مکہ میں داخل ہونے تک حضرت علی کو ان کی آمد کا پتہ نہ چلا۔ جب وہ مکہ میں اپنی جماعت کے ساتھ داخل ہوئے تو مکہ کا گورنر قثم بن عباسؓ ڈر گیا۔ یزید نے اسے امان دی۔ پھر انہوں نے

ابو سعید خدری کو درمیان میں رکھا کہ وہ لوگوں کی مرضی سے حضرت علی کے گورنر کے علاوہ کسی اور کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کریں تاکہ تمام لوگ ایک ساتھ نماز پڑھیں۔ اس سے لوگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے علی کے گورنر کے عوض عثمان ابن ابی طلحہ عبوری کو پسند کیا چنانچہ نماز انہوں نے پڑھائی اور حج کے رسومات یزید بن شجرہ الہادی نے ادا کئے۔ اور حج کا موسم بخوبی گزر گیا۔"

"حضرت علی کو جب یزید بن شجرہ کے مکہ آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے مکہ والوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو مکے سے نکال دیں۔ لیکن مکہ والوں نے ان کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ آخر میں حضرت علی نے معقل بن قیس کو فوج دے کر بھیجا مگر وہ مکہ میں اس وقت داخل ہوا جبکہ حج کے مراسم ادا کر کے یزید بن شجرہ مکہ سے شام روانہ ہو چکے تھے۔" (ڈاکٹر طہٰ حسین)

امیر معاویہ نے مہلت نہیں دی

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی کے سارے صوبوں میں اپنے لشکر پھیلا دیئے اور آہستہ آہستہ انہیں فتح کر کے اپنے زیر اقتدار لاتے رہے۔ ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر نے عین التمر پر حملہ کیا اور اس کا چکر لگایا تاکہ اندازہ ہو کہ وہاں کی حالت کیا ہے اور فوجیوں کے [illegible] سوتے ہیں کہ جاگتے ہیں۔

پھر انہوں نے بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کا لشکر دے کر حجاز و یمن پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس وقت حضرت ابو ایوب انصاری مدینہ کے گورنر تھے۔ جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حضرت علی سے ملاقات کے لئے کوفہ کا سفر باندھا۔ بسر بن ارطاۃ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو سارے باشندوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ پھر وہ یمن کی طرف بڑھے۔ یہاں عبید اللہ بن عباسؓ علی کی طرف سے گورنر تھے۔ بسر بن ارطاۃ جب یمن میں داخل ہوئے تو وہ یمن چھوڑ کر کوفہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت علی نے جاریہ بن قدامہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا۔ علی خود اس لئے نہیں آئے کہ انہوں نے جیتے جی مکہ اور مدینہ میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھائی تھی۔ قدامہ کے لشکر نے بسر بن ارطاۃ سے مقابلہ کر کے انہیں دمشق لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

پکل دیا جائے۔

جب عمرو بن العاص رضؓ اپنی فوج کے ساتھ مصر پہنچے تو مصر کی ایک بڑی جماعت ان کے استقبال کے لئے پہنچی۔ حتیٰ کہ محمد بن ابی بکر کی فوج کے لوگ بھی اس کا کیمپ چھوڑ کر حضرت عمرو بن العاص رضؓ کے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر گھبرا گیا۔ اس نے فوراً حضرت علی سے امداد طلب کی۔ اس کے خط اور حضرت علی کے جوابی خط کا مضمون ابن جریر طبری کی خلافت راشدہ حصہ سوم (اردو ترجمہ) کے صفحہ ۴۵۰ پر درج ہے جو حسب ذیل ہے۔

قاتلِ عثمان رضؓ کا خط

اما بعد! ابن العاص مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور مصر کے جو لوگ معاویہ کے ہم خیال تھے وہ اس کے پاس جمع ہو چکے ہیں۔ اور میرے ساتھیوں میں سے بھی بعض لوگ پھسل چکے ہیں۔ اگر آپ کو سرزمین مصر کی کوئی حاجت ہے تو فوراً سواروں، دستوں اور مال سے میری مدد کیجئے۔ والسلام علیک۔

حضرت علی کا جواب

اما بعد۔ مجھے تیرا خط موصول ہوا جس میں تو نے ذکر کیا ہے کہ تیرے ساتھیوں میں سے بعض لوگ پھسل گئے۔ لیکن تو ہرگز نہ پھسلنا خواہ تیرے شہر کے محافظ بھی کیوں نہ پھسل جائیں اپنے پاس اپنے حامیوں کو جمع کر لے اور اپنے ساتھ کنانہ بن بشر کو ملا لے۔ جو نیکی، سخاوت اور جنگ میں مشہور ہے۔ میں تیری مدد کے لئے ہر گھاٹی سے آدمی بھیج رہا ہوں۔ تو اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہ۔"

کنانہ بن بشر حضرت علی کا قابل اعتماد جگری دوست تھا۔ یہ ان قاتلوں میں سے تھا جنہوں نے محمد بن ابی بکر کے ساتھ مل کر حضرت عثمان شہید رضؓ کو اس حالت میں قتل کیا تھا جبکہ وہ اپنے مکان میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس خط سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت میں حضرت علی کا ہاتھ تھا۔ اگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی تو حضرت علی کو قاتلین عثمان پر اس قدر بھروسہ کیسے ہوتا کہ وہ اپنے ربیب کو مشورہ دیتے کہ تو ان قاتلوں کی مدد حاصل کر لے؟ ان کو اپنے ساتھ ملا لے؟

محمد بن ابی بکر کا اقبال جرم

اسی تاریخ طبری خلافت راشدہ حصہ سوم کے صفحہ ۴۵۱ پر

ایک خط درج ہے جسے محمد بن ابی بکر نے امیر معاویہ رضؓ کے ایک مراسلہ کے جواب میں لکھا جبکہ وہ والی مصر تھا اس خط میں اس نے اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

اما بعد۔ تمہارا خط مجھے ملا جس میں تم نے عثمان رضؓ کا ذکر کیا ہے۔ میں قتل عثمان کا تم سے کوئی عذر نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب میری آرزو یہ ہے کہ تم پر لشکر کشی کروں اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دوں۔

محمد بن ابی بکر جنگ میں گرفتار ہو کر جب معاویہ بن خدیج کے سامنے پیش ہوا تو ان سے مکالمہ کے دوران بھی اس نے حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنے کے جرم کا اعتراف کیا۔ اس نے کہا

تیرا عثمان سے کیا تعلق؟ عثمان نے ظلم پر عمل کیا اور قرآن کے حکم کو پس پشت ڈال دیا حالانکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون" اور جو لوگ اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔ ہم نے اس کے جرم کی سزا دی اور اسے قتل کر دیا۔ (ص ۴۵۳)

حضرت علی کا واویلا

حضرت علی نے اپنے ربیب کو یقین دلانے کے بعد کہ میں تیری مدد کے لئے ہر گھاٹی سے آدمی بھیج رہا ہوں، کوفہ کے در در کی خاک چھانی کہ کسی طرح ان کو محمد بن ابو بکر کی حمایت کے لئے مصر بھیجا جائے۔ لیکن ان کے شیعوں نے صاف جواب دے دیا کہ تحکیم کے فیصلہ کے مطابق تم خلیفہ نہیں ہو تو تمہیں مصر کی فکر کیوں لاحق ہوئی۔

ابن ابی الحدید نے عبدالملک بن عمیر کے ذریعے عبدالرحمٰن بن بکرہ کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی کو یہ فرماتے سنا کہ انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے پیش آئی ہے یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔

(شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید)

وہ اکثر کہتے رہتے تھے کہ لوگ تو اپنے حاکموں کے ظلم سے ڈرتے ہیں اور میں اپنی رعیت کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔ (نہج البلاغہ ص ۳۵۴) میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو دیکھا کہ سوائے میرے گھر والوں کے میرا معاون و مددگار کوئی نہیں ہے۔ (نہج البلاغہ ص ۴۷)

باب ۱۸

کوفہ میں حضرت علیؓ کی مصروفیت

جنگ صفین سے حضرت علی کوفہ گئے اور اسی کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ تحکیم ۳۷ھ میں ہوئی اور آپ کی موت رمضان ۴۰ھ میں واقع ہوئی۔ اس طرح وہ اپنی حکومت کے تقریباً ساڑھے تین سال کوفہ میں اپنے مذہبی عقائد کی اشاعت میں گزارے۔ ان ایام میں انہوں نے اپنی فوج کے سرداروں اور سپاہیوں سے خطاب کیا۔ ان کی مستقل فوج کے لوگ سب کے سب ان کے اپنے شیعہ تھے۔ شاہ ولی اللہ شاہ اپنی مشہور تصنیف حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے ساری دنیا میں اس لئے مشہور ہوئے کہ انہوں نے ہر مسئلہ کو جو ان سے دریافت کیا گیا رسول اللہ صلعم کے اصحاب کے سامنے پیش کیا حالانکہ وہ خود اس کا جواب سب سے بہتر جانتے تھے۔ جب سب لوگ مسئلہ کے ہر پہلو پہ غور کرنے کے بعد ایک امر پر متفق ہو جاتے تو حضرت عمرؓ فیصلے دیتے اور انہیں فیصلوں کے مطابق ہر صوبہ کو احکام جاری کرتے تاکہ ان کی عام اشاعت ہو جائے۔ اس کے برخلاف حضرت علیؓ کے فیصلے ان کی فوج کو درپیش مسائل کے متعلق تھے۔ اس لئے ان کی عام اشاعت نہیں ہوئی اور لوگوں نے ان پر توجہ نہیں دی۔

حضرت علیؓ کے اکثر خطبات ان کے فوجی سرداروں اور سپاہیوں کے مجموعوں میں دیئے گئے۔ عام لوگ ان خطبوں سے لاعلم رہے۔ شیعی حضرات کا دعویٰ ہے کہ ان خطبات کے نوٹس لئے گئے اور یادداشتیں لکھی گئیں۔ جو ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں۔ امام جعفر صادق نے ان یادداشتوں کی مدد سے پانچسو سے زیادہ خطبے تصنیف فرمائے۔ بعد میں الرضا اور المرتضیٰ دونوں بھائیوں نے ان الگ الگ اور چیدہ چیدہ خطبات کو ایک کتاب میں اکٹھا کر دیا جس کا نام "نہج البلاغہ" ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان خطبات کے خطیب خود حضرت علی ہیں۔

لہٰذا حضرت علیؓ کے دینی عقائد کا عکس ان کے خطبات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ انہیں عقائد کی اشاعت میں وہ ہر وقت سرگرم رہے لیکن اہل سنت حضرات کہتے ہیں کہ ایک نبی کا پروردہ دیسے عقائد کا حامل نہیں ہو سکتا جو نہج البلاغہ کے خطبات میں پائے جاتے ہیں۔

ابن سیرین کی رائے ہے کہ اکثر روایتیں جو حضرت علیؓ سے منقول ہیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔

(بخاری جلد دوم حدیث ۱۰۲)

ملا علی قاری فقیہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ مناقب علی میں تقریباً ایک لاکھ حدیثیں اور روایتیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے صرف تین صحیح ہیں۔ باقی سب موضوع ہیں۔ ابوبکر و عمر اور دیگر اصحاب نبی کے بارے میں قرآن میں آیات موجود ہیں۔ علی کے بارے میں ایک آیت بھی نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے دیباچہ میں درج ہے کہ حضرت علی کی حدیثیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے ان سے سن کر بیان کیں سب کی سب مان لی گئیں۔ باقی تمام حدیثوں کو جو علی کی فوج میں شامل لوگوں نے بیان کیا کسی نے صحیح نہیں مانا۔

حضرت علی تقیہ کے بانی

غرض حضرت علیؓ نے کوفہ میں اپنی فرصت کے ایام اپنے خاص برانڈ اسلام کی تبلیغ میں گزارے۔ جسے لوگ باطنی اسلام کہتے ہیں۔ باطنی اسلام کا سب سے بڑا اصل تقیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی تقیہ کرتے ہوئے گزری مثلاً

مجھے اس کالے خبیث سے کیا تعلق

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے جو تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک دن حضرت علیؓ کے پاس آکر بیان کیا کہ میں ابھی ایک مقام سے آ رہا ہوں جہاں چند آدمی جن میں عبداللہ بن سبا بھی تھا۔ یہ بحث کر رہے تھے کہ آپ کی رائے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں اچھی نہیں ہے۔ لیکن بتقاضائے مصلحت آپ اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ "مجھے اس کالے خبیث سے کیا تعلق؟ معاذ اللہ میں ان دونوں کے بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ اور کہوں"۔

اگر حضرت علیؓ جو خلیفۂ وقت تھے اپنے انکار میں مخلص ہوتے تو فوراً عبداللہ بن سبا اور دوسرے لوگوں کو جو بحث میں شریک تھے اپنے پاس بلاتے، اصل واقعہ کی تفتیش کرتے اور مسلمانوں کے دینی و مذہبی اعتقادات میں گڑبڑ کرنے والوں کو مناسب سزا دیتے

ایسا کرنا خلیفۂ وقت کا فرضِ منصبی تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے عہد خلافت میں صبیغ نامی ایک عراقی مدینہ آیا اور لوگوں سے متشابہاتِ قرآن کے متعلق سوالات کرنے لگا۔ حضرت نافع جو حضرت عبد اللہ بن عمر رض کے غلام تھے کہتے ہیں کہ صبیغ مصر میں اجنادِ مسلمین سے متشابہاتِ قرآن کے متعلق سوالات کرتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اسے مدینہ بھیجا۔ جب یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو خلیفہ نے دریافت کیا۔ کیا تم لوگوں سے متشابہاتِ قرآن کے متعلق سوالات کرتے پھرتے ہو؟ اس نے کہا "ہاں" آپ نے چھڑیاں منگائیں۔ اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ جب وہ خون آلود ہو گیا تو اسے قید میں بھیج دیا۔ جب وہ اچھا ہوا تو اسے بلایا اور مارنا شروع کیا اور جب وہ خون آلود ہوا تو اسے چھوڑ دیا۔ تیسری دفعہ جب وہ پیش ہوا تو کہنے لگا۔ یا امیر المومنین اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو ایک ہی دفعہ قتل کر دیجئے۔ اگر آپ میرے عقائد کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو واللہ اب میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے وطن عراق کو بھیج دیا اور ابو موسیٰ اشعری رض کو لکھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے نہ پائے یہ امر اس شخص پر بڑا شاق گزرا۔ بعد ازاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رض نے لکھا کہ اب اس نے اپنے اعتقادات درست کر لئے ہیں۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمانوں کے ساتھ ملنے جلنے کی اجازت دیدی۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت علی رض بھی بحیثیت خلیفہ وہی اختیارات رکھتے تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے تھے۔ لیکن انہوں نے عبد اللہ بن سبا کو کھلی چھٹی دیدی تھی کہ وہ لوگوں کے اعتقادات بگاڑتا پھرے کیونکہ وہ ان کا داعی تھا۔ اور ان کے اشاروں پر ان کے باطنی عقائد کی تبلیغ لوگوں میں کر رہا تھا۔ واقعات کچھ بھی ہوں لیکن تاریخی کتابوں میں وہ جس طرح لکھے گئے ہیں ان سے لازماً وہی نتیجہ نکل سکتا ہے جو اُوپر درج ہے۔ یعنے حضرت علی تقیہ کرتے تھے۔

فتنہ وضع حدیث

یوں تو منافقوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا سلسلہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں شروع کر دیا تھا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوڑوں سے وہ دب گیا۔ پھر یہ سلسلہ حضرت علی رض کے عہد خلافت میں چل پڑا۔ عراق اور ایران کی

فتح کے بعد مسلمانوں میں منافقین کی تعداد بے حد بڑھ گئی تھی اور بصرہ و کوفہ کے نام نہاد مسلمان قصائی، ابو جریر طبری کے بیان کے مطابق، بکریوں کو گھسیٹ کر مذبح لے جاتے۔ پھر ذبح کرنے کے لئے ان کے گلے پر چھُری رکھتے اور اللہ اکبر کہنے کے بجائے " نفاق نفاق" کہتے یہاں تک کہ وہ ذبح ہو جاتیں۔ ایسے ہی لوگ حضرت علی رض کی پارٹی میں شریک تھے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو شاید ان کے اشاروں پر عراق اور ایران میں وضع حدیث کی فیکٹریاں قائم ہوئیں۔ جن میں حضرت علی اور ان کی اولاد کے مناقب میں ہزارہا حدیثیں تیار کی گئیں۔ جو آج تک صحاح ستہ کے اُوراق کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ جھوٹی حدیثیں زیادہ تر ایران اور عراق میں پھیلائی گئیں۔ کوفہ میں بھی جھوٹی حدیثیں بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو مسلمانوں نے حضرت علی کو مجبور کیا کہ وہ ان موضوع روایات کا سلسلہ بند کریں حضرت علی نے لوگوں کو آنحضرت صلعم کی حدیثیں سنانی شروع کیں تاکہ لوگ خود ہی غلط اور صحیح حدیثوں میں تمیز کر لیں۔ مگر موضوع احادیث کو روکنے اور غلط روایات کی تشہیر کرنے والوں کو سزا کی طرف قدم نہیں بڑھایا کیونکہ وہ ان کی مفاد کے خلاف تھا۔

علامہ ابن حزم الملل والنحل کے ص۹۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت علی رض نے پانسو چھیاسی (۵۸۶) حدیثیں بیان کیں جن میں صرف پچاس صحیح ہیں۔ (باقی سب غلط) جب خلیفہ ہی غلط بیانی سے کام لے رہے تھے تو ان کے وزیروں اور داعیوں کو جھوٹی احادیث کا چرچا کرنے سے کون روکنے والا تھا۔

حضرت علی خلیفۂ راشد نہیں تھے

شاہ ولی اللہ شاہ محدث دہلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد رُشد خلافت کیا، خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوت کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانۂ شر شروع ہو گیا تھا۔ پھر جس سال حضرت معاویہ رض خلیفہ ہوئے اس سال کو اُمت نے "عام الجماعت" کا نام دیا۔ اور اس کے بعد سے پھر" زمانِ خیر" شروع ہوا وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رض اصحاب ثلٰثہ یعنے حضرت ابو بکر صدیق رض حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے ہم مرتبہ نہیں تھے۔ فتنۂ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مبداء ایں فتنۂ خلافت حضرت مرتضیٰ است (ازالۃ الخفا جلد اوّل)

وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت عملاً وفعلاً قائم ہی نہیں ہوئی اور وہ خلا
متمکن نہ ہوسکے۔ اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ متمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ا
او نافذ نگشت۔ (جلد دوم ص ۲۲۹)

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے ابو جعفر الاسکافی کے الفاظ میں وہ
اور تاثرات بیان کئے ہیں جو مختلف صوبجات کے لوگ ان کے متعلق رکھتے تھے۔

" کل اہل بصرہ حضرت علی سے متنفر تھا۔ کوفہ اور مدینہ کے اکثر لوگ اور مکہ کے سب
ان سے نفرت کرتے تھے۔ قریش کے سارے قبیلے ان کے خلاف تھے۔ جمہور مطلق ا
مخالف تھی اور بنی امیہ کا ساتھ دیتی تھی۔"

حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خبردار!
بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ (لا ترجعوا بعد
مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت علی کی تلوار صرف مسلمانوں کے گلے کاٹنے کے لئے مخصوص کر د
تھی اسی لئے ان کی خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فت
ہوا اور " شام اور مشرق (عراق وایران) کے کفار و نصاریٰ و مجوسیوں کو جو اس
کے دشمن تھے ان کے تباہ کر دینے کی طمع پیدا ہوئی۔" منہاج السنۃ جلد دوم ص ۱۳۸)

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ اسلام میں پہلے خلیفہ ہوئے ہیں۔ جن کے
میں سب سے اول رسول اکرم کے صحابہ میں تلوار چلی۔ تمام اسلامی صوبوں میں آپ
مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ سب سے پہلے مدینہ یعنے جائے قیام رسول آپ کا مخال
اور مخالفت کی حد یہاں تک ہوئی کہ آپ کو ایسی جلدی میں وہاں سے نکلنا پڑا کہ
اپنا سامان بھی ساتھ نہ لاسکے۔

انتظامی امور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کا انتظام وہی تھا جو ان
کے قبل کے خلیفوں کے زمانے میں تھا۔ حضرت علی رضؓ نے اس میں کچھ ردو بدل نہیں کی
اپنی خلافت عربوں سے منوانے کے سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں کا خون بہانے کا جو سلسلہ

شروع کیا ان کی وفات تک وہ ختم ہی نہیں ہوا۔ پھر ان کو انتظامی امور میں دخل دینے
یا ان میں ردوبدل کرنے یا پرانے طریقہ کی جگہ کوئی بہتر طریقہ ایجاد کرنے کی انہیں فرصت
ہی کہاں تھی۔

ماہ محرم میں شیعی اخبارات کے کالم حضرت علی رضؓ کے طرز حکومت کے متعلق بڑے بڑے
مضامین شائع کرتے ہیں مگر ان مضامین میں وہی طریقہ حکومت کی تعریف ہوتی ہے جسے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا تھا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے زمانے میں مستقیم
نظام حکومت وہی ہے جس کے قیام کی کوشش صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضؓ کے عہد میں ہوئی
تھی۔" (ص ۲۱)

البتہ حضرت علی نے اپنے عامل مقرر کئے تھے۔ جن میں سے اکثر حضرت عباس رضؓ کے بیٹے تھے
جو سب سے زیادہ رشوت خور اور پیسہ سمیٹنے والے تھے۔ مثلاً حضرت عباس رضؓ کے نامور بیٹے اور
مشہور عالم دین حضرت عبداللہ تھے جن کی ایک ہزار پانسو سے زیادہ روایتیں کتب احادیث
میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تربیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ جن کے قدموں میں بیٹھ کر
وہ عالم دین ہوئے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیا۔ کیونکہ
وہ بڑے شخص شناس تھے وہ جانتے تھے کہ مبلغ کے معاملے میں وہ قابل اعتبار نہیں۔ معرکہ جمل
کے بعد حضرت علی نے ان کو حضرت زیاد بن ابی سفیان رضؓ کے مشورے پر کوفہ کا گورنر مقرر
کیا، اور زیاد بن ابی سفیان کو عامل خراج بنایا۔ جیسے ہی ان کو موقع ملا وہ بیت المال کی رقم
جو ان کے ہاتھ لگی کھا گئے۔ اس سلسلے میں حضرت زیاد بن ابی سفیان رضؓ نے حضرت علی کو لکھا کہ

" آپ کے بھائی اور آپ کے گورنر آپ کے علم واطلاع کے بغیر وہ رقم کھا گئے جو ان کے
ہاتھ میں تھی اور میں یہ بات آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ خدا کا فضل آپ کے شامل حال رہے۔
آپ فوراً ادھر توجہ فرمائیے۔ والسلام "

حضرت علیؓ نے ابن عباس رضؓ کو لکھا

اما بعد۔ مجھے تمہارے بارے میں ایک بات کا پتہ چلا ہے اگر وہ صحیح ہے تو تم نے اپنے
رب کو خفا کر دیا۔ اپنی امانت برباد کی، اپنے امام کی نافرمانی کی اور مسلمانوں کے خائن بنے۔ مجھے

معلوم ہوا ہے کہ جو رقم تمہارے قبضہ میں تھی وہ کھا گئے۔ پس میرے سامنے حساب پیش کرو اور جان لو کہ اللہ کا حساب زیادہ سخت ہے۔"

عبداللہ بن عباس رضؓ نے جواب دیا

اما بعد ــــ آپ کو جو اطلاع ملی وہ بالکل غلط ہے میں اپنے زیر تصرف رقم کا اوروں سے زیادہ منتظم اور محافظ ہوں۔ آپ بدگمانی کی باتوں میں نہ آئیں۔ والسلام

حضرت علی کا دوسرا خط

اما بعد ــ میں تم سے اس وقت تک درگزر نہیں کرسکتا جب تک تم مجھ کو یہ نہ بتا دو کہ تم نے جزیہ کی کتنی رقم لی۔ کہاں سے لی۔ اور کس مد میں اس کو خرچ کیا۔ اگر تم کو امانت سونپی گئی ہے تو اللہ سے ڈرو۔ یہ دولت جس کا بڑا حصہ تم نے سمیٹ لیا ہے۔ حقیر ہے لیکن اس کی ذمہ داری بڑی سخت ہے۔

ڈاکٹر طٰحسین لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے خیال کیا کہ ان کے ساتھ بھی دوسرے گورنروں کے مانند برتاؤ کیا گیا۔ پس انہوں نے کام چھوڑ دیا۔ نہ امام کو استعفیٰ دیا نہ منظوری کا انتظار کیا۔ خود ہی کام چھوڑ کر ترک مستقر کر دیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ کوفہ نہیں آئے، نہ عراق میں قیام کیا اور نہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے کہ امام حسابات کی پیشی یا مواخذہ یا معزولی سے پہلے کچھ بازپرس کر سکے بلکہ مستقر چھوڑ کر سیدھے مکہ چلے گئے جہاں امام کا اقتدار اپنا کام نہیں کرسکتا۔ جہاں امام ان کو وہ سزا نہیں دے سکتا جو وہ مستحق تھے اور حرم میں جاکر مقیم ہو گئے۔ اپنے امام کی گرفت سے بھی آزاد اور اپنے حریف امیر معاویہؓ کے خطرے سے بھی بے خوف۔

ابن عباس نے اسی غلطی پر اکتفا نہیں بلکہ اپنے بھائی کو ایسا خط لکھا جو ان کے دل میں چبھنے والا غم اور بے چین رکھنے والا درد بن کر رہ گیا۔

ابنِ عباس کا خط علی کے نام

وہ لکھتے ہیں کہ "اللہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ مسلمانوں کے کچھ مال کی ذمہ داری میرے سر پر ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں بہے ہوئے خون کی

ذمہ داری مجھ پر ہو۔" اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ان معرکوں میں مسلمانوں کا خون بہانے کی ساری ذمہ داری کا بوجھ حضرت علی کے سر پر ہے۔

حضرت علی رضؓ خون میں نہا گئے

بلاذری میں یہ روایت ہے کہ ایک دن حضرت حسین رضؓ نے اپنے بہنوئی اور چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ پر اپنی فوقیت کا اظہار کرتے ہوئے بڑے فخر سے کہا کہ تمہارے والد میرے والد سے درجہ میں کم ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کی بیٹی زینب بنت فاطمہ کے خاوند تھے۔ اس لحاظ سے ان کا درجہ حضرت حسین سے بہت اونچا تھا۔ انہوں نے جواب دیا "میرے والد تو جنت کی سیر کرتے ہیں اور تمہارے والد تو خانہ جنگیوں کے خون میں نہا گئے تھے۔

"غرق الدماء فی الفتنة" (تحقیق مزید)

حضرت علی کی شہادت

۴۰ھ میں کوفہ میں ماہ رمضان میں ہوئی۔ تین اشخاص نے جو خارجی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کے درمیان آپس کے کشت و خون پر بحث کی۔ پہلے تو انہوں نے جنگِ جمل میں مسلمانوں کی شہادت کا ذکر کیا۔ پھر جنگ صفین میں مسلمانوں کی تباہی پر آنسو بہائے اور پھر جنگِ نہروان میں مسلمانوں کے مارے جانے کا افسوس کیا اور آپس میں کہا کہ ان تین گمراہ اماموں کو قتل کر دیں گے تو عالم اسلامی میں امن اور چین رہے گا۔ اس وقت کے تین گمراہ امام ان کے خیال کے مطابق حضرت علی امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص تھے۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک ہی دن ان تینوں کو بیک وقت قتل کر کے مسلمانوں کو ان کی گمراہی سے نجات دلائیں گے۔

عبدالرحمٰن ابن ملجم اس کام کے لئے حضرت علی کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مصر کا باشندہ تھا۔ وہ خالد بن ملجم کا بھائی تھا جو حضرت علی کی سبائی پارٹی کا رکن اور حضرت علی کا جگری دوست تھا۔ خالد بن ملجم حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں میں سے تھا لہٰذا اس کا بھائی سبائی سرگروہ کو قتل کرنے کا عزم لے کر کوفہ گیا۔ معینہ دن کوفہ کی جامعہ مسجد میں جب حضرت علی صبح نماز پڑھانے کے لئے داخل ہو رہے تھے۔ تو اس نے ان پر تلوار سے حملہ کیا۔ چوٹ سخت آئی،

جس کی وجہ سے حضرت علی نے شہادت پائی :- اسی دن دمشق میں برک بن عبداللہ نے
امیر معاویہؓ پر تلوار کا وار کیا جب کہ وہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں داخل ہو رہے
حضرت معاویہ نے تلوار اپنے ہاتھ سے پکڑ لی جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ میں چوٹ لگی
گرفتار کر لیا گیا۔

اسی دن عمرو بن بکر نے مصر کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھانے والے کو
قتل کر دیا کہ وہ مصر کے گورنر عمرو بن العاص ہیں۔ مگر وہ اس دن بیمار تھے۔ نماز پڑھانے
دوسرے شخص کو بھیج دیا تھا جو مارا گیا۔

حسن اور حسین نے قاتل کے ساتھ کیسا سلوک کیا

تاریخ طبری حصہ سوم (ار
نفیس اکیڈمی) کے صفحہ ۱۰۵

درج ہے۔ کہ

"اس کے متعلق حضرت علیؓ کی وصیت یہ تھی کہ اے بنی عبدالمطلب! کہیں
تم میری وجہ سے مسلمانوں کا خون نہ بہا دینا۔ سوائے میرے قاتل کے کسی اور کو
قتل نہ کرنا کیونکہ ایک وار کے بدلہ میں ایک ہی وار ہونا چاہیئے۔ اور اس شخص کا مثلہ
نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تم لوگ مثلہ سے
احتراز کرو خواہ وہ باؤلے کتے کا ہی کیوں نہ ہو۔"

مگر تاریخ خمیس جلد دوم کے صفحہ ۴۱۵-۴۱۴ پر درج ہے کہ حسن اور حسین نے اپنے
باپ کے قتل کے انتقام میں قاتل کا ایک ایک عضو کاٹ کر اسے آگ میں جلایا۔ تفصیل اس
کتاب میں پڑھیئے جو نہایت عبرت ناک ہے عبدالرحمٰن بن ملجم اس وقت حمد و ثنا میں
مشغول تھا۔ حسنین کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پیر کے
پنجے کاٹے گئے تو اس نے اُف تک نہ کی مگر جب اس کی آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائی پھیری
گئی تو اس نے زبان کھولی جب اس کی آواز سنائی دی تو اس کی زبان کاٹنے کی کوشش
کی گئی۔ اس نے کہا اے بھتیجے میری زبان نہ کاٹو کیونکہ میں اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف
ہوں۔ ان دونوں نے ضد کر کے اس کی زبان کاٹ دی۔ پھر کہنیوں اور گھٹنوں تک ہاتھ پیر

کاٹے اس طرح تڑپا تڑپا کر اسے مارا گیا۔

مثلہ کے عمل کو چھپانے کے لئے طبری نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت حسنؓ نے آگے بڑھ
کر اسے قتل کر دیا۔ پھر لوگ اس کی لاش سے چمٹ گئے اور اُس کی بوٹیاں کر کے آگ میں ڈال
دیا۔ (صفحہ ۱۰۵) لہٰذا جنت کے شہزادوں نے دوزخیوں کے عمل کا مظاہرہ کیا پھر بھی جنت
کی بادشاہت انہیں کے قبضہ میں رہی۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

حسنؓ کو خلیفہ بنانے کی تحریک

جندب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے
حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض
کیا۔ اے امیر المومنین اگر آپ ہم سے روپوش ہو جائیں اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو تو کیا
ہم حضرت حسنؓ کی بیعت کر لیں؟

حضرت علیؓ نے فرمایا "نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں
تم لوگ زیادہ مناسب سمجھتے ہو۔"

جندب نے دوبارہ سوال کیا تو حضرت علیؓ نے حسن اور حسین کو طلب کر کے ان
کو وصیت کرنی شروع کر دی۔ انہوں نے جندب بن عبداللہ کو یا دوسرے موجودہ لوگوں کو
تذبذب میں چھوڑ دیا۔

اس کے برخلاف ایسا ہی حادثہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو
پیش آیا تھا۔ جس وقت ابو لولو نے حضرت علیؓ کے پیر و مرشد ہرمزان کے اشارہ پر
صبح کی نماز کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں دو دھاری چھری بھونک
دی جس سے ان کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں تو لوگوں نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ وہ
اپنے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے
بُرا مانا اور فرمایا کہ کیا میں ایک ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کروں جسے اپنی بیوی کو صحیح طریقہ
سے طلاق دینا نہیں آتا۔ اگر خلافت میں کوئی بھلائی ہے تو ہم نے اس کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔
لہٰذا ہمارے گھرانے کو اس کی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس حضرت حسن نے اپنی چالیس سالہ مختصر زندگی میں تین سو سے زیادہ نکاح کئے شام نکاح کرتے۔ شب باشی کے بعد دوسرے روز صبح یا دوسرے ہفتہ اسے طلاق دے دیتے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنے جائز چیزوں میں ناگوار ترین چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ علاوہ ازیں ایک سو سے زیادہ کنیزیں رکھتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو سو کنیزوں کے ذریعے مہر کی رقم روانہ کی اور ہر کنیز کے ساتھ ایک ہزار درہم کی تھیلی تھی۔

(تاریخ الخمیس جلد۲ صـ۳۲۴)

پھر انہوں نے اپنے نانا نبی صلعم کی نصیحت کی مخالفت کرتے ہوئے پیدل چل کر ایک دو نہیں بلکہ پچیس حج کئے۔ (طبقات ابن سعد) مسلم و بخاری میں حدیث موجود ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا، جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے راستہ طے کر رہا تھا۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ اس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی جان کو اس طرح تکلیف میں ڈالنے کی خدا کو پرواہ نہیں ہے پھر بوڑھے کو حکم دیا کہ وہ سواری پر چلے۔ مسلم میں ابوہریرہ کا بیان درج ہے کہ رسول اللہ نے بوڑھے سے فرمایا۔ "اے بوڑھے سوار ہو جا اس لئے کہ خدا تعالےٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے پرواہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ عقبہ بن عامرؓ کی بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل حج کرے گی لیکن وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے سن کر فرمایا کہ تیری بہن کے پیدل جانے کی خدا کو پرواہ نہیں ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ سوار ہو کر جائے۔

حضرت حسنؓ بھی ذیابیطس اور دق کے مریض تھے۔ ان میں پیدل چلنے کی استطاعت کہاں تھی؟ جب حضرت حسن میں پیدل چلنے کی سکت نہیں تھی، جب ان کا وہ عمل اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف تھا اور جب ان میں خلیفہ بننے کی رتی برابر بھی قابلیت نہیں تھی تو حضرت علیؓ نے ان کو خلیفہ بنانے سے منع کر کے خلافت میں وراثت کا غیر اسلامی بیج بویا۔

اگر وہ اسی وقت حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے لوگوں کو منع کر دیتے تو حضرت معاویہؓ اپنے بعد اپنے بیٹے یزیدؒ کو خلیفہ مقرر کرنے کی جسارت ہرگز نہیں کرتے۔ خلافت سے ملوکیت کی طرف پہلا قدم حضرت علیؓ نے اٹھایا۔ جو سمجھتے تھے کہ خلافت ان کی وراثت ہے اور اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سازش کی راہ اختیار کی اور دشمنانِ اسلام سے ساز باز کر کے خلیفہ ثانی اور خلیفہ ثالث کو اپنے راستے سے ہٹایا۔ مگر حضرت علی کو مقدس ہستی تصور کرنے والے مسلم نما یہودی اس حقیقت کو ہرگز نہیں تسلیم کرتے جس کی وجہ سے مسلمان امتِ محمدی اور امتِ جعفریہ میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس طرح حضرت علی نہ صرف اپنے باپ کے لئے منحوس ثابت ہوئے۔ بلکہ دینِ اسلام میں بھی ان کی نحوست آج تک جاری ہے۔

نمازِ جنازہ میں نو تکبیریں

حضرت امام ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ اپنے استاد حماد سے اور وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں کبھی چار اور کبھی پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ جاری رہا پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں اختلاف رہے گا۔ تو آئندہ زمانہ میں لوگوں میں بہت سارے معاملات میں اختلافات پیدا ہوں گے۔ پس چاہیئے کہ تم سب ایک امر پر جمع ہو جاؤ تاکہ تمہارے بعد بھی لوگ ایک بات پر جمع رہیں۔ چنانچہ صحابہ نے اس امر پر اتفاق رائے کیا کہ دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی وفات سے پہلے جو آخری نماز جنازہ پڑھائی تھی اس میں کتنی تکبیریں کہیں۔ اسی کو لے لیا جائے چنانچہ معلوم ہوا کہ آخری جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔

بہیقی نے بھی بروایت سعید بن المسیب اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز جنازہ کی تکبیریں چار اور پانچ ہیں مگر

ہم نے چار تکبیروں پر اجماع کیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مگر حضرت حسن رضؓ نے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں چار نہیں پانچ نہیں بلکہ نو تکبیرات کہیں۔ (تاریخ طبری حصہ سوم خلافت راشدہ حضرت علی)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی چار تکبیریں اسلام کی تھیں اور باقی پانچ حضرت علی کے نئے دین کی جس کا نام باطنی اسلام ہے۔ حضرت حسن بھی باطنی دین کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے نانا کے دین کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

حضرت علی رضؓ کی باطنی شریعت

ڈاکٹر زاہد علی بھورا بی۔ اے۔ ڈی فل (آکسن) سابق وائس پرنسپال، نظامیہ کالج حیدرآباد (دکن) اپنی مشہور و معروف کتاب فاطمینِ مصر (طبع شدہ ۱۹۴۸ء) میں لکھتے ہیں کہ تمام شیعہ فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کے روحانی علوم کا منبع اور سرچشمہ حضرت علی ہیں۔ آپ کے بعد ان علوم کی وراثت آپ کی اولاد کو ملی۔ یہ علوم سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق (متوفی ۱۴۸ھ) تک پہنچے۔ آپ نے ان کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ انہوں نے علم تاویل کے اصول اور طریقے منضبط کئے۔ ان کا قول ہے کہ تاویل کی وجوہ سات بلکہ ستر ہو سکتی ہیں۔ ایک ہی آیت کی مختلف تاویلیں کی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ سامع کی لیاقت، تقاضائے وقت اور حدِ امکان کے لحاظ سے تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔

احکامِ عبادت کی تاویلیں

ڈاکٹر زاہد علی بھورا نے لکھا ہے کہ باطنی شریعت میں جو علی کی شریعت کہلائی وضو کی تاویل حضرت علی کا اقرار کرنا ہے۔ کیونکہ وضو اور علی ہر لفظ میں تین حروف ہیں۔ پس نہ منہ ہاتھ دھونے کی ضرورت ہے نہ سر کا مسح کرنے کی نہ پیر دھونے کی بس دل میں حضرت علی کا تصور کر لیا تو باطنی شریعت کا وضو ہو گیا۔ متوکے حضرت علی کا تصور کر لینے سے غسلِ جنابت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح نماز کی تاویل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ کا اقرار کر لیا جائے کیونکہ لفظ صلوٰۃ

اور لفظ محمدؐ ہر ایک میں چار حرف ہیں۔ نہ مسجد کو جانے کی ضرورت ہے نہ گھر میں مصلیٰ بچھانے کی۔ اولیاء اللہ روزانہ ہزارہا رکعتیں نماز کی اسی طرح ادا کرتے تھے۔

روزہ کی تاویل یہ ہے کہ شریعت کا باطنی علم اہل ظاہر سے چھپایا جائے۔ یعنے کوئی ظاہری شریعت کا پیرو پوچھے کہ کیا آپ روزہ سے ہیں تو کہہ دیا جائے کہ "ہاں"۔ بس یہی باطنی شریعت کا روزہ ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی تاویل یہ ہے کہ استاد شاگرد کو پڑھائے یعنے شریعت کا باطنی علم سکھائے۔ حج کی تاویل یہ ہے کہ امام کی طرف متوجہ ہو کر اس کے سات چکر لگائے جس طرح خانۂ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔

شریعت باطنی کا سب سے اہم راز یہ ہے کہ شریعت کا داعی یا پیر یا ولی مدعو یعنے باطنی شریعت میں داخل ہونے والے مستجیب سے عہد لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی کو وہ بات نہیں بتائے گا۔ جو اس پر ظاہر کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنے امام کی مخالفت کرے گا تو مخالفت کے کفارے میں ایسے بیس حج پیدل کرنے ہوں گے۔

غرض ابتداء میں حضرت حسن رضؓ نے اپنے باپ "امام علیؓ" کی مخالفت کی تھی۔ جس کے کفارے میں انہوں نے اپنے امام کے اطراف پیدل گھوم کر بیس یا پچیس طواف کئے تھے۔ جن کا ذکر طبقات ابن سعد میں پایا جاتا ہے ورنہ حضرت حسن رضؓ میں صحیح معنوں میں پیدل چل کر پچیس حج کرنے کا دم کہاں تھا۔ تین سو سے زیادہ نکاح کرنے کی وجہ سے وہ بالکل کمزور اور لاغر ہو گئے تھے۔ چلنے پھرنے کی سکت بھی ان میں نہیں تھی۔ حضرت علی کی باطنی شریعت کے مطابق انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی نماز جنازہ میں نو تکبیرات کہیں۔ یہ سب باطنی شریعت کے راز ہیں جن کو ظاہری شریعت والے نہیں جانتے۔

علمِ تاویل کے بانی

تاویل کا کام سب سے پہلے ایک عراقی مجوسی گھرانے میں پیدا ہونے والے نے کیا۔ جن کا نام حسن بصری تھا۔ ان کو حضرت علی نے مرتے وقت باطنی خلافت کی خلعت عطا فرمائی جبکہ وہ صرف چار سال کے ہونہار طفل تھے بڑے ہو کر خلافت کا حق انہوں نے ادا کیا۔ انہوں نے اسلام میں سب سے پہلے عقیدۂ قدر کو پیش کیا جس سے اسلام میں فرقۂ معتزلہ وجود میں آیا۔

اس طرح اسلام میں پھوٹ کی بنا پڑی۔ سب سے پہلے انہوں نے کہا کہ قرآنی الفاظ
کے ظاہری معنی بھی ہیں اور باطنی معنی بھی اور باطنی معنی کو سمجھنے کے لئے تاویل کی ضرورت ہے۔
سب سے پہلے انہوں نے علم تاویل کی بنا ڈالی جو امام جعفر صادق کے زمانے میں اپنی عروج کو
پہنچ گیا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ حسن بصری ایک دروغ گو
مفتری عجمی تھا۔ مگر ظاہری شریعت کے پیرو ان کی قدر و منزلت کو کیا جانیں انہوں نے
دینِ مرتضوی کی تشہیر کی علامہ محمد قاسم نانوتوی دینِ مرتضوی کی سہولتوں کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ "دینِ مرتضوی میں وہ وہ آسائشیں اور سہولتیں ہیں کہ منکر بھی اس کے معتقد
ہو جاتے ہیں۔ متعہ کا آوازہ سن کر امیر معاویہ کے ہمراہی بھی ہمراہ ہو جاتے بلکہ جس اہلِ مذہب
کے کان میں یہ بشارت پہنچتی کہ جیتے جی یہ مزے ہیں دینِ مرتضوی میں اور مرنے کے بعد یہ
مرتبے۔ کیسے ہی دین کے پکے کیوں نہ ہوتے، حضرت امیر کی ہمرکابی اختیار کرتے۔ علاوہ ازیں
غسل رجلین کی تخفیف، تراویح سے بے کھٹکے۔ ایسا دین، اور ایسا ایمان تو قسمت سے ہی ملتا
ہے۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۸۲)

حضرت علی کی ازواج و اولاد

تاریخ طبری کے مطابق حضرت علی نے سب سے پہلے حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ سے شادی
کی اور ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت علی کے یہاں فاطمہ سے حضرت حسن،
حضرت حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن کم عمری میں انتقال کر گئے۔ دو صاحبزادیاں
ام کلثوم اور زینب الکبریٰ پیدا ہوئے۔ طبری نے تیسری لڑکی رقیہ کا نام نہیں لیا جو محسن
کی طرح کمسنی میں جاں بحق ہو گئی تھی۔

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے نو شادیاں کیں جن
میں سے دو قابلِ ذکر ہیں۔ ایک اسماء بنتِ عمیسؓ جو ان کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ
شہیدؓ کی بیوی تھیں۔ ان کے مرنے کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح
میں آئیں جن سے ابوبکر صدیقؓ کو ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہوا۔ حضرت صدیق اکبر کی وفات
کے بعد حضرت علی نے اسماء بنتِ عمیس سے نکاح کر لیا اور اس طرح محمد جو اس وقت ڈھائی یا تین

سال کی عمر کا تھا ان کا ربیب بنا۔ یہ لڑکا حضرت علی کی خاص توجہ اور تربیت سے حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کا قاتل بنا۔

ان کی دوسری قابلِ ذکر شادی حضرت امامہ بنت ابی العاص بن الربیع بن عبد العزیٰ
بن عبد شمس بن عبد مناف سے ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اس نواسی کو اپنی گود میں پالا
تھا۔ جب جنگِ بدر کے بعد حضرت ابی العاص نے اپنی زوجہ زینب بنت رسول اللہ کو
مدینہ بھیجا تھا۔ بخاری نے ایک خاص باب میں لکھا ہے کہ یہ وہ لڑکی ہے کہ جسے حضرت رسول اللہ
صلعم نماز کے وقت اپنے کندھوں میں بٹھا لیا کرتے تھے۔ اس لڑکی سے حضرت علی کم از کم پچیس
سال کے بڑے تھے۔ جب ماں باپ سے محروم بچی ان کے قبضے میں آئی تو ان… شاید اس
کی خوبصورتی کی وجہ سے اسے خود اپنے نکاح میں لایا۔ جبکہ ان کے حرم میں نو نکاحی بیویوں کے
علاوہ کئی باندیاں یا لونڈیاں تھیں جن میں سے انتیس ام ولد تھیں۔ علاوہ ازیں حضرت امامہ
بنت ابی العاص حضرت علی کو خالو سمجھتی تھیں مگر وہ تو کچھ اور ہی نکلے۔ غرض حضرت علی
کثیر الازواج اور کثیر الاولاد تھے۔ ان کے اٹھارہ بیٹے اور اٹھا… ان تھیں۔ حضرت فاطمہ
کے انتقال کے بعد وہ ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ … انہوں نے ۲۹ خاتونوں
اور ام ولد کنیزوں کو زوجیت میں لیا۔ وفات کے وقت چار بیویاں اور انتیس ام ولد
لونڈیاں چھوڑیں۔ (الملل والنحل از ابن حزم)

شیعہ مورخ و نساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب ابو طالب لکھتے ہیں کہ
"امیر المومنین کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے اٹھارہ
بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں"۔ حضرت علی کی بیٹیاں زیادہ تر حضرت مروان رضی اللہ عنہ
کے بیٹوں اور پوتوں کے عقد میں آئیں مثلاً حضرت علی کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین
مروانؓ کے فرزند معاویہ کے عقد میں آئیں جو امیر المومنین عبد الملک کے حقیقی بھائی تھے۔
(جمہرۃ الانساب ابن حزم) دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبد الملک کے عقد
میں تھیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص۶۹) تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامر بن کریز
کے فرزند عبد الرحمن کو بیاہی گئیں۔ (جمہرۃ الانساب)

حضرت علی کے بڑے بیٹے حسن رضؓ کی چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں۔
نفیسہ بنت زید بن حسن رضہ کی شادی امیرالمومنین ولید بن عبدالملک بن مروان رضہ سے
ہوئی۔ زینب بنتِ حسن مثنیٰ کی شادی بھی ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوئی۔ اُم قاسم
بنتِ حسن مثنیٰ کی شادی حضرت عثمان رضہ کے پوتے مروان بن ابان سے ہوئی۔ چوتھی پوتی
کا نکاح معاویہ بن مروان بن الحکم رضہ سے ہوا۔ حماد بنتِ حسن مثنیٰ کی شادی مروان رضہ کے
ایک پوتے سے ہوئی۔ سب سے زیادہ مشہور خدیجہ بنتِ الحسین رضہ کی شادی بھی حضرت
مروان رضہ بن الحکم کے بھتیجے اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم سے ہوئی اس
طرح حضرت علی کی بیٹیوں اور پوتیوں کی کھپت امیہ خاندان میں ہوئی اور خوب ہوئی۔

حضرت علی کی قبر

اس کے متعلق شیعی کتب میں مختلف روایات پائے جاتے ہیں۔ کسی روایت میں درج ہے کہ حضرت علی کی میت جامع
مسجد کوفہ کے احاطہ میں دفن کی گئی۔ کسی روایت میں درج ہے کہ حضرت علی کی میت کو ان
کے بھانجے اور داماد [illegible] بن ہبیرہ بن ابی وہب کے مکان میں دفن کیا گیا۔
دوسری روایت کے مطابق حضرت علی کی قبر نواح کوفہ میں ہے، مقام کناسہ میں
مقام توبیہ میں اور مدینہ منورہ میں قبہ اہل بیت میں ہے۔ لہٰذا حضرت علی رضہ کی قبر کسی
ایک مقام میں نہیں ہے بلکہ دس بارہ مقامات میں بتائی جاتی ہے۔ مگر اُمتِ جعفریہ کے
لوگ ان کی زیارت کے لئے مقام نجف جاتے ہیں جو کوفہ سے آٹھ میل دور ایک چھوٹی سی
بستی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ حضرت علی کی قبر افغانستان میں شہر بلخ کے پاس قریۃ الخیر
میں واقع ہے۔ حضرت علی کے اُمتی ان کی لاش کو ایران کی مقدس سرزمین میں دفن کرنا چاہتے
تھے مگر مسلمانوں نے نہیں مانا اور اسے بطور حفاظت جعدہ بن ہبیرہ کے مکان میں دفن کر دیا۔
حضرت علی کے پیرو اس کی تاک میں لگے رہے اور موقع پا کر ایک تاریک رات میں قبر کھود کر لاش
نکالی اور بڑے صندوق میں بند کر کے اُونٹ پر لاد کر عازم شہر مشہد ہوئے۔ جب وہ
منزلِ مقصود کے قریب پہنچے تو لٹیروں نے یہ سمجھ کر کہ صندوق میں سونے ہیرے جواہرات

کا ذخیرہ ہے اسے لوٹ لیا اور نہایت تیزی سے بلخ لے گئے مگر جب صندوق کو کھولا یا توڑا تو
اس میں انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نکلا۔ انہوں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے اسے سپردِ خاک
کر دیا۔

یہ قبر اس طرح دریافت ہوئی کہ ۵۵۱ھ ہجری میں یعنے علی کے مرنے کے پانسو
گیارہ برسوں کے بعد قریۃ الخیر کے چار سو سے زیادہ لوگوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "ابن عمی ابن ابی طالب فی ھٰذا الموضع"
پھر یہ لوگ قماج یعنے حاکم بلخ کے پاس گئے اور خواب بیان کیا وہاں ایک فقیہ بھی موجود
تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علی کوفہ میں شہید ہوئے تھے۔ دو ہزار میل سے زیادہ دور
بلخ میں ان کی قبر کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ سُن کر لوگ چلے گئے۔ مگر رات کو یہی فقیہ اپنے
احباب اور اولاد کے ساتھ حاکم بلخ کے پاس گئے اور آہ وزاری کرتے ہوئے کہا کہ میں
گھر میں سو رہا تھا۔ خواب میں شیعوں کی ایک جماعت میرے گھر میں داخل ہوئی اور
کہنے لگی کہ تو کہتا ہے کہ امیرالمومنین یہاں موجود نہیں مگر دیکھ کہ وہ یہاں موجود ہیں۔
اور وہ مجھے گھسیٹ کر میری لاتوں اور گھونسوں سے خبر لی اور اتنا مارا کہ قریب تھا
کہ دم نکل جائے میں نے امیرالمومنین سے فریاد کی تو علی بن ابی طالب نے ہاتھ سے اشارہ
کیا جس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر میں جاگ اٹھا میرے سب اعضا ایسے تھے
جیسے شکستہ ہوں۔ میں توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے اپنی معافی کا خواستگار ہوں یہ سارا
قصہ کتاب "تحفۃ الالباب" میں درج ہے۔

یہ ماجرا سن کر حاکم آدمیوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس مقام پر گیا۔ وہاں جب
زمین کھودی گئی تو قبر برآمد ہوئی جس پر سفید سنگِ مرمر کی لوحیں تھیں۔ امیرالمومنین
کی میت اسی طرح تھی جیسے ابھی دفن کی گئی ہو۔ رخسار تلے ایک سُرخ تختی تھی جس پر لکھا تھا
"ھٰذا صحب النبی علی بن ابی طالب"۔ حاکم نے قبر کو از سرِ نو بنایا اور اس پر عالیشان
خوبصورت مشہد تعمیر کرا دیا۔ اور سُرخ رنگ کی تختی وہاں لٹکا دی۔ (تحقیق از محمد احمد عباسی)
یہ ایک مہمل حکایت ہے علی بوٹی سے شغل رکھنے والوں کے لئے۔

باب ـــ ۱۹

حضرت علی کی شخصیت پر ایک سرسری نظر

زہد و تقویٰ علامہ ابن حزم نے مال و لذات کے زہد کے بارے میں گفتگو کرتے ہ
لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ازہد الناس تھے۔ زہد و تقویٰ میں حض
علی رض ان کے ہم پلہ نہیں تھے۔ بلکہ زہد میں حضرت ابو ذر غفاری اور حضرت ابو عبید
عنہم دونوں حضرت علی سے بہتر تھے۔ تاریخ طبری حصہ سوم (خلافت راشدہ حصہ سوم) میں
ذیل روایت موجود ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد ناظرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زہد
کے بارے میں اپنی رائے خود قائم کر سکتے ہیں۔

"یونس بن عبدالاعلیٰ نے وہب بن ابی ذئب عباس ابن الفضل مولیٰ بنی ہاشم
کے حوالے سے ابن ابی رافع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں حضرت علی رض کی جانب سے بیت
کا خزانچی تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت علی رض گھر تشریف لے گئے۔ ان کی ایک بیٹ
سنوری سامنے آئی تو اسے بیت المال کا ایک موتی پہنے دیکھا۔ حضرت علی رض نے اس
کو پہچان لیا۔ اور فرمایا کہ اس کے پاس یہ کہاں سے آیا؟ خدا کی قسم اب مجھ پر اس کا
کاٹنا لازم ہے۔

جب حضرت علی رض نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا تو میں نے عرض کیا اے امیر الم
خدا کی قسم میں نے اس کو اپنی بھتیجی کو خود پہنایا تھا۔ اگر میں نہ دیتا تو یہ کہاں سے ح
کر لیتی تب علی رض خاموش ہوئے۔"

جاننا چاہیئے کہ موتی بیت المال کا تھا اور وہ ان کی بیٹی پہنے ہوئے تھی۔ گو اس۔
چوری نہیں کی تھی۔ لیکن خزانچی نے اس کو بیت المال سے چرا کر حضرت علی رض کی بیٹی کو پ
دیا تھا۔ خزانچی نے اس کا خود اعتراف کیا مگر حضرت علی رض نے خزانچی کا ہاتھ نہیں کاٹا کیونکہ
کی چوری سے حضرت علی رض کو فائدہ ہوا، چوری کا مال حضرت علی رض کی بیٹی پہن رہی تھی۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس خزانچی نے بیت المال کے کتنے اموال چوری کئے۔ صرف
ایک حادثہ طبری نے قلمبند کیا ہے۔

← بخاری حصہ دوم باب ۵۲۹، حدیث ۱۴۷۹، میں عبداللہ بن بریدہ اپنے والد
بریدہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو خالد بن ولید
کے پاس خمس لینے کے لئے بھیجا۔ حضرت علی رض نے اس میں سے ایک باندی لے لی۔ میں سمجھا
کہ انہوں نے خیانت کی اور لطف یہ کہ انہوں نے رات کو اس سے خلوت کی اور صبح کو غسل
کیا۔ میں ان کا مخالف بن گیا۔ اور خالد رض سے کہا تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ (کہ علی نے خیانت
کی ہے)، جب ہم نبی صلعم کے پاس آئے تو میں نے آپ سے یہ بات ذکر کی۔ آپ نے فرمایا،
"اے بریدہ کیا تم علی کے مخالف ہو؟ میں نے عرض کیا "ہاں" آپ نے فرمایا مخالفت نہ
کرو اس کا حصہ تو خمس میں اس سے زیادہ ہے۔

بے شک ہوگا مگر خمس میں سے کوئی حصہ رسول اللہ صلعم کے عطا کرنے کے قبل ہی
انہوں نے اپنی پسند کی ایک لونڈی سے خلوت کر کے نہ صرف امانت میں خیانت کی
بلکہ ثابت کر دیا کہ زہد و تقویٰ ان سے کوسوں دور ہے۔

پھر اس حدیث کا آخری فقرہ جعلی معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے یہ بات
کبھی نہیں فرمائی ہوگی۔ بلکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس خیانت کے بعد رسول اللہ
صلعم نے امانت کا کوئی کام ان کے سپرد نہیں کیا۔

بخل و حرص قرآن میں اللہ فرماتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے
کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لئے اچھی ہے۔ نہیں یہ بلکہ ان کے حق
میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے
گلے کا طوق بن جائے گا۔

جب حضرت علی رضؓ خلیفہ تھے تو ان کے پیوند دوز کپڑوں کو دیکھ کر مسلمانوں نے پوچھا یاخلیفۃ المسلمین لِمَ ترقع قمیصَکَ ! اے خلیفۃ المسلمین! اپنے قمیص میں آپ پیوند کیوں لگاتے ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا۔ لا اِنّہٗ یخشع القلب و یقتدی بِہٖ المومنین۔ اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اور مومنین اس کو نمونہ بنا سکتے ہیں۔ (طبری جلد ۲ ص۲۲)

امام مالک بروایت ایوب بن تمیمہ اور وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جب خدائے تعالیٰ اپنے توسیع کرے تو تم اپنے نفس پر توسیع کرو۔ ایسے شخص کے جسم پر چاہیئے کہ اچھے کپڑے دیکھے جائیں۔ نیز امام مالک روایت کرتے ہیں کہ انہیں حدیث پہنچی کہ میں پسند کرتا ہوں کہ قاریوں کے جسم پر اچھے کپڑے دیکھوں۔ (ازالۃ الخفاء)

مسلمان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت علی کے مومنین حضرت علی کو نمونہ بناتے ہیں چنانچہ وہ بحیثیت تاجر نہایت قیمتی لباس زیب تن کرتے ہیں زرین ڈوپٹے سر پر رکھتے ہیں۔

مگر جب نماز کے لئے کراچی کی آدم مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو پھٹے ہوئے اور پیوند زدہ میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر حضرت علی کے اللہ میاں کو نہایت عاجزی سے جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ حضرت علی کی طرح مفلس اور غریب ہیں۔ حضرت علی بھی سالانہ چالیس ہزار دینار زکوٰۃ نکالتے تھے۔ پھر بھی مفلس اور غریب تھے۔ خدا ہر مسلمان کو حضرت علی جیسا مفلس بنائے۔ آمین ثم آمین !!

ہنسی مزاح

حضرت علی رضؓ کے متعلق خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے آخری وقت میں خلافت کی نامزدگی کے سلسلے میں فرمایا کہ اگر عوام ان کو خلافت کے لئے منتخب کریں گے تو وہ طریقۂ حق پر لے چلیں گے مگر ان میں ہنسنے ہنسانے اور مزاح کرنے کا مادہ حد سے زیادہ ہے۔ (طبری جلد ۵) وہ بیٹھے بٹھائے کسی بات کو یاد کر کے خوامخواہ ہنسنے لگتے تھے۔ احمد نے راوی عرنی سے روایت کی ہے کہ

کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضؓ کو ایک مرتبہ ممبر پر بہت زور سے ہنستے دیکھا۔ جس سے زیادہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر آپ نے کہا مجھے ابوطالب کی بات یاد آ گئی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد دوم) کعب بن جمیل نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ میں کوئی قابلِ اعتراض بات تو ہے نہیں سوائے اس کے کہ وہ نئے نئے آدمیوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیتے ہیں۔ وہ نہ خوش ہونے والوں میں ہیں نہ خفا ہونے والوں میں، نہ منع کرنے والوں میں ہیں نہ حکم دینے والوں میں۔ (تحقیق سید سادات ص۳۰۰)

تدبر، دوراندیشی، ثبات و استقلال و پختگیٔ عزم و آمرانہ رعب و دبدبہ کا اگر ان میں فقدان نہیں تھا تو نمایاں نقصان ضرور تھا یہ صفات ایک کامیاب حکمران میں ہونا لازم ہیں۔ ان کے ساتھی اور زیر دست اکثر حکم عدولی و نافرمانی کرتے تھے جس کا شکوہ بار بار انہوں نے اپنی تقریروں میں کیا ہے۔ "میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں کہ حکم دیتا ہوں تو اطاعت نہیں کرتے اور پکارتا ہوں تو پکار کا جواب نہیں دیتے۔" (نہج البلاغہ)

حضرت علی رضؓ کے بیشتر مشیر و معاون و معتمد عراقی اور ایرانی باشندے تھے جو ابن الوقت تھے اور اسلام دشمنی کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے وہ اسلام کو مٹانے اور اپنے قدیم روایات کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے خواہاں و جویاں تھے۔ وہ حضرت علی کو اپنی رائے پر قائم رہنے نہیں دیتے تھے نہج البلاغہ کی ایک تقریر میں خود حضرت علی رضؓ نے شکوہ کیا ہے کہ "تم لوگوں نے مجھے اپنی رائے پر مستقیم رہنے نہیں دیا۔ میری اس قدر نافرمانی کی کہ قریش کے لوگ کہنے لگے کہ ابن ابی طالب بہادر ضرور ہے مگر علم حرب کا نہیں رکھتا۔" کون حق پر تھا۔

حضرت علی رضؓ کی پارٹی نے جن میں مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی وہ اولاد بھی شامل ہے جو آج کل خود ساختہ "سید" بنی بیٹھی ہے، حضرت علی رضؓ کو حق پر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کو باطل پر ثابت کرنے کے لئے رسولِ اکرم صلعم کی زبانِ مبارک سے عمار بن یاسر رضؓ کے متعلق نکلا ہوا کلمہ

"تقتلك الفئة الباغية" (ایک باغی جماعت تجھے قتل کرے گی)
بڑی بے باکی سے استعمال کیا ہے۔ عمار بن یاسر رضؓ سابقون الاولون میں سے تھے اسلام
کی خاطر بڑی تکلیفیں جھیلی تھیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت سب ایک ایک پتھر لاتے
تھے تو وہ بیک وقت دو دو پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ
کا عامل مقرر فرمایا مگر وہ اس کے نااہل ثابت ہوئے۔ اہل کوفہ نے عمار کے بارے میں
شکایات کیں کہ جس منصب پر ہیں اس کی ذمہ داری وہ محسوس نہیں کرتے تو حضرت عمرؓ
نے انہیں واپس بلالیا۔ (طبری جلد ۴ ص۲۶۱)

عمار بن یاسر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت ہمدرد، غمخوار اور ممنون تھے کیونکہ
جہادوں میں شرکت کے لئے ان کے پاس نہ زاد راہ ہوتا نہ سواری کا اونٹ تو حضرت عثمانؓ
ان کی مدد کرتے تھے۔ وہ حضرت عثمان رضؓ کے گرویدہ تھے۔ وہ ان کے خصائل حمیدہ، ان کے
شاندار اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قربت اور دوہری قرابت
اور دیگر حالات سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

جب حضرت علی رضؓ کی خفیہ تحریک کا پروپیگنڈہ بہت زور پکڑ گیا تو لوگوں نے حضرت
عثمان رضؓ کو مشورہ دیا کہ وہ تحقیقات کے لئے مختلف صوبوں کو اپنے آدمی بھیجیں تاکہ وہاں
کی صحیح اطلاعات لے کر واپس آئیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے محمد بن مسلمہ رضؓ کو کوفہ،
اسامہ بن زید رضؓ کو بصرہ، عبداللہ بن عمر رضؓ کو شام اور دوسرے لوگوں کو دوسرے مسلم
علاقوں میں بھیجا۔ اسی وقت حضرت عمار بن یاسر رضؓ کو مصر بھیجا گیا۔ سب کے سب اپنے
اپنے علاقوں کا دورہ کرکے وہاں کے حالات کا بچشم خود معائنہ کرکے واپس آئے اور بتایا
کہ انہوں نے وہاں کوئی قابل اعتراض بات نہیں دیکھی اور نہ وہاں کے عوام کو کوئی ناخوشگوار
معاملہ کا علم ہے۔ مسلمانوں کو اپنے معاملات پر اختیار حاصل ہے ان کے حکام ان کے
درمیان عدل وانصاف کرتے ہیں اور ہر وقت ان کی خبر گیری رکھتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضؓ مصر سے لوٹ کر واپس نہیں آئے۔ آخر کار عبداللہ بن سعد
بن ابی سرح گورنر مصر کا خط موصول ہوا کہ مصر کے ایک گروہ نے عمار بن یاسر کو اپنی

طرف مائل کر لیا ہے۔ ۳۵ھ میں جب تحقیقات کے لئے مصر روانہ ہوئے اس وقت
ان کی عمر نوے برس سے کچھ زیادہ تھی۔ (طبری جلد ۵ ص۹۹)

مورخ طبری اور مورخ ابن خلدون دونوں نے لکھا ہے کہ مصر میں ایک گروہ
نے جن میں عبداللہ بن السوداء، وخالد بن ملجم وسودان بن حمران وکنانہ بن بشر وغیرہ
شامل تھے۔ عمار بن یاسر کو اپنی جانب مائل کرکے روک لیا اور اپنا ہم نوا وہم سفر بنالیا۔

ابن خلدون نے مزید لکھا ہے کہ عبداللہ بن السوداء امیر المومنین حضرت عثمانؓ
پر طعن وتشنیع کرتا اور خفیہ اہل بیت کی دعوت دیتا اور کہتا کہ محمد (صلعم) پھر واپس آئیں
گے جیسے عیسیٰ واپس آئیں گے۔ علی بن ابی طالب وصی رسول اللہ ہیں۔ عثمان رضؓ اور ان
کے پیشوا ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ نے جبراً وغصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی۔ غرض لوگوں
کو اس قسم کی تعلیم دیتا اور امیر المومنین عثمان رضؓ اور ان کے عمال کے خلاف برانگیختہ کرتا
اور ان کو طعن وتشنیع سے یاد کرتا تا آنکہ بعض بعض شہروں میں عوام الناس اس کی باتوں کی
طرف مائل ہوگئے اور ایک دوسرے سے خط وکتابت کرنے لگے۔ اسی گروہ کے ساتھ
خالد بن ملجم، سودان بن حمران، کنانہ بن بشر وغیرہ ہم تھے۔ پس ان لوگوں نے عمار کو
مدینہ جانے سے روک لیا۔ (ترجمہ ابن خلدون جلد دوم ص۱۸۰)

عمار بن یاسر رضؓ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے تحقیقاتی افسر بن کر مصر گئے تھے۔ جب
شیعان علی نے ان کے سامنے اپنے خفیہ عزائم کا انکشاف کیا تو انہوں نے مزید معلومات
حاصل کرنے کی غرض سے اپنی واپسی کا سفر چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ انہوں نے
بہت سارے راز اپنا حامی سمجھ کر ان کے سامنے اگل دیئے۔ ان تمام رازوں کے منکشف
ہونے کے بعد حضرت عمار بن یاسر رضؓ نے مدینہ واپس جانے کا سفر شروع کیا تو
افشائے راز کے خوف سے شیعان علی نے دھوکہ سے انہیں راستہ میں ہلاک کر دیا۔ یہ
بات راوی سیف بن عمر الاسدی الکوفی کے حوالے سے بیان کردہ روایت سے جو طبری
جلد پنجم ص۹۹ پر درج ہے بالکل عیاں ہے۔

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بہت سی روایتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا

ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی عمر ترانوے (۹۳) برس کی تھی۔ جب کہ وہ صفین کی جنگ میں شریک ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ تلوار پکڑتے ہوئے ان کے ہاتھ لرز رہے تھے (جلد ۱ ص۱۱)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شیعانِ علی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر اور حضرت علی رضؓ کو حق پر قرار دینے کے لئے عمار رضؓ کے بے جان اور گلے ہوئے جسم کو قبر سے اٹھا کر صفین کے میدان میں کھڑا کیا۔

اس حدیث کے راویوں کا موقف

عمار بن یاسر کے متعلق حدیث بیان کرنے والوں میں سے حضرت عثمان رضؓ، حضرت حذیفہ رضؓ، حضرت ابو رافع رضؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔ اور جنگِ صفین کے موقع پر وہ حاضر نہیں تھے۔ جنگ صفین میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضؓ بھی مقتول ہوئے۔ باقی راویوں میں سے حضرت ابو سعد خدری جن سے بخاری کی روایت ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں اپنی غیر جانبداری پر قائم رہے اگر جنگ صفین میں عمار بن یاسر حضرت علی کی فوجوں میں شامل ہوتے تو یہ دونوں بھی حضرت علی رضؓ کی فوج میں شامل ہو چکے ہوتے مگر ان دونوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ کبھی انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضؓ کو باطل پر اور حضرت علی کو حق پر قرار دیا۔ بلکہ حضرت علی کے قتل کے بعد ان دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شروع سے حضرت امیر معاویہؓ کے کیمپ میں تھے۔ اگر صفین کی جنگ میں حضرت عمار بن یاسر شریک رہتے تو وہ حضرت امیر معاویہؓ کو باطل پر قرار دیکر ان کا ساتھ چھوڑ دیتے اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاص الخاص معتمدین میں سے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمار بن یاسر جنگ صفین سے قبل مصر سے مدینہ سفر کرتے ہوئے۔

راستہ میں حضرت علی کی تیار کردہ باغی پارٹی کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی کہ عمار بن یاسر ایک باغی جماعت کے ہاتھوں قتل ہوں گے لفظ بلفظ صحیح ثابت ہوئی مگر باغی جماعت حضرت علی کی تیار کردہ سبائی پارٹی تھی۔ جس نے عمار بن یاسر کو قتل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی ہی باطل پر تھے اور حضرت امیر معاویہؓ حق پر۔

حضرت علیؓ کے متعلق چند آراء

حضرت علی جھگڑالو تھے

بخاری جلد اول باب ۱۸، حدیث نمبر ۱۰۵۵ حسب ذیل ہے ـــــ علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک رات ان کے پاس آئے اور فرمایا "تم دونوں نماز (تہجد) کیوں نہیں پڑھتے۔" میں نے کہا یا رسول اللہ ہماری جانیں خدا کے قبضہ میں ہیں۔ جب وہ ہمیں اٹھانا چاہے گا ہم اٹھیں گے۔ جب ہم نے یہ کہا تو آپ لوٹ گئے اور ہم لوگوں کی طرف کچھ بھی متوجہ نہیں ہوئے۔ پھر میں نے سنا آپ پیٹھ پھیر رہے تھے۔ اپنے ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ (انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے)

← صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت درج ہے کہ نبی صلعم نے اپنے مرض موت میں فرمایا۔ اے عائشہ میری طرف سے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلا بھیجو تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی آرزو نہ کرے۔ (یعنے خلافت کی آرزو) اور مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں کہنے والا نہ کہے کہ میں خلافت کا مستحق ہوں۔ اور منع کرے گا اللہ تعالےٰ اور دوسرے مومن لوگ بھی ابوبکر کی خلافت کے سوا دوسرے کو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے

امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" میں حضرت اسماء بنتِ عمیس کی ایک روایت درج ہے۔ اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت بیان ہوئی ہے جو انہوں نے اپنے جانشین یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔ اس روایت کے چند فقرے یہ ہیں۔

میں سب سے پہلے تم کو اتباعِ نفس سے ڈراتا ہوں۔ جب تم اس کی خواہش پوری کروگے تو وہ سرکش ہو جائے گا اور حد سے آگے بڑھے گا۔۔۔ میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب سے ڈراتا ہوں جن کے شکم پھولے ہوئے ہیں۔ اور جن کی نظریں

اُونچی ہو رہی ہیں۔ اور ہر شخص ان میں سے اپنے نفس کو دوست رکھتا ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُن میں سے ہو جاؤ۔ اور جان لو کہ وہ تم سے ڈرتے رہیں گے۔ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے اور جب تک کہ تمہارا طریقہ شریعت پر ہے۔ یہ تم کو وصیت ہے۔ بس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

حضرت علی رضؓ زیادہ خود سر اور ظریف ہیں کسی کام میں لوگوں سے مشورہ نہیں لیں گے۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضؓ کے متعلق جو خیال تھا وہ ان کے حسب ذیل مکالمے سے جو ابن عباس رضؓ کے ساتھ ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضؓ :- عبداللہ بن عباس، علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباس :- مَیں نہیں جانتا۔

حضرت عمر رضؓ :- تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباس :- میں نہیں جانتا

حضرت عمر رضؓ :- لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی۔

عبداللہ بن عباس :- کیوں؟

حضرت عمر رضؓ :- وہ یہ نہیں پسند کرتے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ (تاریخ طبری)

فاضل احمد امین مصری کی رائے

مصری فاضل احمد امین نے اپنی تالیف فجر الاسلام میں حضرت علی رضؓ کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے ان کی تصویر کشی سخت دشوار ہے کیونکہ مبالغات واکاذیب کا وہ انبار لگا دیا گیا ہے کہ مورخ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بقول پروفیسر نکلسن اور ہنری لامن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک تخلیقی شخصیت اصل شخصیت پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ شاہ کی رائے

محدث دہلوی ازالۃ الخفاء جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ حضرت

علی رضؓ نے وعدہ کیا کہ وہ حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کا قصاص ضرور لیں گے۔ وہ قصاص لینے پر قادر تھے۔ اور حضرت عثمان ذی النورین کے مظلومانہ قتل کا قصاص ضرور لے سکتے تھے مگر انہوں نے قصاص نہیں لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰ نے خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

اسی کتاب میں ایک اور صفحہ پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کے مقاتلات بعد شہادت عثمان رضؓ اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں نہ کہ باقرانِ اسلام

ڈے خوے کی رائے

ایک آنادنگار مستشرق مسٹر ڈے خوے نے لکھا ہے کہ حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ شہید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس وپارسائی کا جذبہ ان کے طلب خلافت میں کارفرما نہ تھا۔ بلکہ حصول اقتدار وحب جاہ کی ترغیب تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

علامہ ابن حزم کی رائے

الملل والنحل میں وہ لکھتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے صرف پانچسو چھیاسی (۵۸۶) حدیثیں روایت کیں جن میں تقریباً پچاس صحیح ہیں۔ مسند عائشہ رضؓ میں دو ہزار دو سو دس مسند ابوہریرہ میں پانچ ہزار تین سو تہتر، مسند ابن عمر رضؓ و مسند انس رضؓ میں ایک ایک ہزار مسند جابر بن عبداللہ و مسند عبداللہ بن عباس میں پندرہ پندرہ سو اور مسند عبداللہ رضؓ بن مسعود میں آٹھ سو حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ انس بن مالک اور ابو ہریرہ کے فتاویٰ بھی علی کے فتاویٰ سے زائد ہیں۔ باب العلم کی حدیث موضوع ہے۔ عمر رضؓ کا قول کہ معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (الاعلام زرکلی ص۱۳۶) اس قول میں شیعوں نے معاذ کے بجائے علی کا نام لکھ کر شہرت دی۔

حضرت علی رضؓ کے جہاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ افضل جہاد تو جہاد باللسان ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کے ہاتھ پر اکابر صحابہ اسلام لائے پھر حضرت عمر رضؓ ہیں۔ اس میں علی رضؓ کا حصہ بہت کم ہے

پھر مال سے جہاد ہے۔ اس میں زیادہ حصہ حضرت عثمان رض کا ہے پھر ابوبکرؓ و عمرؓ کا ہے۔ علی رض کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

جہاد کی ایک قسم مشورہ بوقت جنگ ہے اس میں خالص حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو پایا علی کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

جہاد کی چوتھی قسم شمشیر زنی ہے۔ علی رض اس فضیلت میں یکتا نہیں ہیں دوسرے لوگ برابر کے شریک ہیں مثلاً حمزہ، عبیدہ بن حارثؓ، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ سماد بن ابو دوجانہ، حضرت علی کی جہادی نبرد آزمائیاں بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی ہیں۔

مالی و لذات کے زہد کے متعلق ابوبکرؓ کو صحابہ میں "ازہد الناس" ثابت کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے کہ علی یا اور کوئی صحابی ان کے ہم پلہ نہیں تھا بجز ابوذر اور ابو عبیدہ کے۔

علی کی جائداد کے متعلق ابن حزم نے لکھا ہے کہ علی نے وفات کے وقت اتنی جائداد چھوڑی اور باغات چھوڑے کہ ان کے اخلاف اپنی قوم میں اغنیاء میں ہو گئے۔ ایک جائداد ایسی تھی جس کی آمدنی ایک ہزار وسق کھجور تھی۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ان کو چار جاگیر عطا فرمائی تھیں۔ ان میں سے دو ذوالفقیرین میں، ایک الشجرہ میں اور ایک قیس میں جس میں ایک کنواں بھی تھا پھر حضرت عمرؓ نے انہیں دو جاگیریں عطا فرمائیں۔ ینبوع کا سارا علاقہ انہیں جاگیر میں دیا اور پھر ایک اور کا اضافہ کیا۔
(فتوح البلدان ص ۳۵)

علامہ مرزا حیرت دہلوی کی رائے

حضرت علی کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ ہی دنیا میں ایسے شخص ہوئے ہیں جن کی شخصیت عجیب و غریب مختلف پیرایوں میں دیکھی جاتی ہے۔ ایک گروہ آپ کو خداوند تعالےٰ کا مجسمہ مانتا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالےٰ علی کی صورت و شکل میں دنیا میں آئے۔ دوسرا گروہ آپ کو خدا کا چھوٹا بھائی یقین رکھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ خدا کائنات کے کل کام علی کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ جبریل (نعوذ باللہ) بہک گیا۔ وحی تو بھیجی تھی علی کے پاس لیکن لے آیا محمد کے پاس۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی کل صفتیں علی میں ہیں اور اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے حدیثیں بھی بنالی ہیں ایک گروہ کا عقیدہ ہے معرفت، طریقت، ولایت وغیرہ علی کی ذات سے نکلیں اور علی ان اوصاف کے معدن ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ علی باقی تین صحابہ سے افضل اور خلیفہ برحق ہیں پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ سوائے ان کے کوئی خلیفہ رسول اللہ کا حقیقی جانشین نہیں ہوا یہی وصی تھے، یہی سچے خلیفہ تھے اور یہی حامل شریعت اور روحانیت میں رسول اللہ کے رازدار ہیں۔ انہیں کو اللہ نے سب کچھ بتادیا۔ جو یہ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

ایک کتاب بھی انہیں لکھی ہوئی دی گئی اور وہ کتاب قرآن سے دگنی تگنی بڑی تھی اور وہ امام غائب کے زانو پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں جو کچھ دنیا میں اب تک گزر گیا اور جو کچھ آئندہ گزرنے والا ہے سب حال من وعن درج ہے ایک اور گروہ کہتا ہے کہ علی خلیفہ ضرور ہیں مگر ان کا مرتبہ باقی تین خلیفوں سے نیچے ہے۔

یہ تو وہ گروہ ہوئے جو آپ کے مداح ہیں بعض نے مبالغہ اور بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور بعض نے بہت کم مبالغہ ہے۔ مگر ان کے مقابلے میں مسلمانوں ہی میں کئی گروہ ایسے موجود ہیں جو ان کو دشمنِ اسلام، اوّل درجہ کا اسلام میں فساد پھیلانے والا، دشمنِ رسول کافر بلکہ اکفر جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اسی شخص نے سب سے پہلے مسلمانوں پر تلوار چلائی اور اسی شخص نے ہمیشہ کے لئے اسلام میں فساد کا بیج بویا۔ یہ بہت ہی نادان اور لالچی شخص تھا اس نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ عیش و نشاط میں گزارا۔

اس نے ہمیشہ رسول اللہ اور ان کی صاحبزادی خاتونِ محشر کو رنج دیا رسول اللہ دنیا سے علی سے سخت رنجیدہ رخصت ہوئے۔ ان کی صاحبزادی کو مار ڈالا یا زہر دیدیا۔ باوجود خوشحالی اور ثروت ہونے کے بھی بنتِ رسول پر وہ ظلم کرتا تھا کہ الہٰی توبہ! چکیاں پسوائیں، مسالے رگڑوائے، کپڑے دھلوائے مگر پیٹ بھر کر روٹی کبھی نہ دی۔ رات دن تکا فضیحتی رکھی اور بندۂ خدا نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک دم خوشی کا نہیں گزارا۔

اس کی کوشش تھی کہ سب کچھ میں ہی بن جاؤں۔ ابوبکرؓ کے زمانے میں بہت کچھ سازشیں
کیں مگر کامیاب نہیں ہوا۔ پھر عمرؓ کے زمانے میں سازشوں کے جال بچھائے اور آخر عثمانؓ
کے زمانے میں پوری بغاوت کرادی۔

محض اس خیال سے کہ لوگ مجھے قاتل عثمانؓ نہ خیال کریں اپنے دو بیٹوں کو عثمان کی
نگرانی کے لئے اس وقت بھیجا جب باغیوں نے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس پر لطف
یہ کہ ان کے صاحبزادے کھڑے بھی ہوئے تو اس دروازہ پر جہاں پہرہ دینا فضول تھا۔
بایں ہمہ علیؓ کی کم عقلی نے اس بات کو آشکارہ کر دیا کہ عثمانؓ کے خون میں علی کا ہاتھ یقینی ہے
علی جوشِ دشمنی یا طمع خلافت میں اپنے انتقامی جذبہ کو دبا نہ سکے۔ اپنے دو بیٹوں حسن حسین
کو فرضی نگہبان بنا کر ایک دروازہ پر بھیج دیا۔ مگر اپنے پروردہ بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کو
تلوار دیکر بھیجا۔ کہ تو باغیوں کے ساتھ دراتا گھس جا اور عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کی گردن
کاٹ لا۔ چنانچہ حکم ملتے ہی وہ گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

محمد بے شک ابوبکرؓ کا بیٹا تھا مگر ابوبکرؓ کے انتقال پر شاید اس کی عمر دو ڈھائی
سال کی ہوگی ابوبکرؓ کی بیوہ سے جس کے بطن سے محمد تھا علی نے نکاح کر لیا اور اب محمد کی
پرورش کا دارومدار علی پر ہی ہوا گویا محمد علی کا لے پالک بچہ تھا۔ چونکہ بیوی کی خاطر منظور
تھی۔ اس لئے علی نے محمد کو بہت محبت سے پالا۔ محمد حسنین سے زیادہ علی کی اطاعت کرتا تھا
لہٰذا ان تعلقات کی بنا پر ہوشیار تو درکنار، ایک نادان سے نادان شخص بھی نہیں سمجھ
سکتا کہ ایسا خوفناک اور نازک امر یعنے باغیوں کے ساتھ محل خلافت میں گھس جانا اور
سب سے پہلے خلیفہ کی داڑھی پکڑ لینا اور گردن مارنے کے لئے تلوار سوت لینا بغیر علیؓ
کے حکم اور ہدایت کے نہ محمد کی جرأت ہوسکتی تھی نہ وہ ایسا غیر متعلق فعل کر سکتا تھا۔ عثمانؓ
کا محمد سے کوئی تنازعہ نہ تھا نہ اس کے باپ سے کوئی بگاڑ تھا۔ اسے کیا غرض پڑی تھی کہ بیٹھے
بٹھائے ایک مظلوم کا خون اپنی گردن پر لیتا۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو علی کو منافق اور عہد شکن بتاتا ہے۔ اس کا یقین ہے کہ علی
منافقوں سے ملا ہوا تھا۔ چونکہ علی کی بدعہدی کا کھٹکا تھا۔ رسول اللہ نے جب اپنی بیٹی

فاطمہ زہرا کا نکاح علی سے کیا تو یہ اقرار نامہ لکھوایا تھا کہ فاطمہ کی زندگی میں وہ دوسرا نکاح
ہرگز نہیں کریگا۔ مگر علی اس عہد پر قائم نہیں رہا۔ فاطمہ کی زندگی ہی میں ابوجہل کی بیٹی سے
ساز باز شروع کر دی یہاں تک کہ منگنی ہوگئی۔ جب رسول کریم کو معلوم ہوا۔ تو آپ ناراض
ہوئے اور علی پر اپنی سخت ناراضی اور غصہ کا اظہار فرمایا۔ اسی گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ علی کبھی
ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمان نہیں ہوا۔

ان مختلف خیال کے لوگ مسلمانوں میں عرصۂ دراز سے موجود ہیں ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ بات دراصل یہ ہے کہ تیرہ سو برس میں ابھی تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی
جس میں حضرت علی کے حالات صحیح صحیح بیان کئے گئے ہوں۔ جن میں نہ عقیدے کو کام
میں لایا جائے نہ تعصب کو۔ روایتوں کے بے سروپا طوفان نے حضرت علی کی اصل شخصیت کو تاریکی
میں ڈال دیا۔ ان روایات کو پڑھنے والا یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ حضرت علی انسان تھے یا فرشتہ
یا اور کوئی مخلوق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اصل یہ ہے کہ ان کہانیوں سے واقعات کو کچھ بحث نہیں۔ یہ خوش اعتقادیاں بعض اوقات
اصل واقعات کو چھپا دیتی ہیں۔ اگر ہم شیعی کتب سے علی کے صحیح حالات زندگی تلاش کرنا چاہیں تو
یہ بات محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات تک پہنچی ہوئی ہے۔ خوش اعتقادیوں کے پردے در پردے
اس کثرت سے حضرت علی پر پڑے ہوئے ہیں کہ آپ باوجود کوشش بسیار کے ان پردوں سے
برآمد نہیں ہو سکتے۔ یہ ظلم تو شیعی دنیا نے علی پر اتنا کیا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اگر
کوئی اور صحیح نوشتہ نہ ہوتا تو ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ علی کے نام کا جو شخص دنیا میں پیدا
ہوا تھا وہ انسان تھا، فرشتہ تھا یا خدا تھا۔ جس روایت میں دیکھو خدائی طاقتیں زبردستی
خدا سے چھین کر ملا باقر مجلسی اور ان کے رفقا، نے حضرت علی کو عطا کر دی ہیں"۔

(کتاب شہادت)

حرفِ آخر

گذشتہ اوراق میں ہم نے حضرت علی رض کے متعلق جو تاثرات قلمبند کئے ہیں وہ ہمارے اپنے دماغ میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ کتبِ تواریخ واحادیث و سیر اور دیگر مختلف نظریاتی کتابوں میں ان کے متعلق درج شدہ مواد کے بغور مطالعے سے پیدا ہوئے ہیں۔

خدائے تعالےٰ کی توفیق و مدد سے ۱۹۶۸ء میں مجھے حج کرنے کا موقع ملا۔ وقوفِ عرفات و مزدلفہ اور دیگر عبادات منا و مسجد بیت الحرام میں ہر نماز کے بعد میری عام دعاؤں کے ساتھ ایک خاص دعا یہ بھی تھی کہ الہٰی العالمین! مجھے صراطِ مستقیم عطا فرما۔ حضرت علی رض اور ان کی اولاد کے متعلق میرے دل میں جو وہم وگمان کتب بینی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اگر وہ باطل ہے تو اسے میرے دل سے نکال دے اور اس کے عوض مجھے ان کے متعلق حقیقی علم عطا فرما۔

ربِّ زدنی علماً وّ الحقنی بالصالحین۔ آمین

۱۹۶۸ء کا حج حج اکبر تھا۔ وقوفِ عرفات جمعہ کے دن ہوا۔ اس وقوف میں اور علاوہ ازیں حج کے بعد مکۂ معظمہ کے کامل بیالیس ۴۲ دن کے قیام میں ہر وقت یہی دعا مانگتا رہا۔ پھر مدینہ منورہ پہنچا تو وہاں بھی یہی دعا وردِ زبان رہی۔ مسجدِ نبوی میں مجھے دو جمعہ پڑھنے کا ثواب حاصل ہوا۔ آخری دن جمعہ کا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد انفرادی طور پر مَیں نے جو دعا مانگی وہ کچھ اس طرح تھی۔

یَارب العالمین! مَیں تیرے قرآن کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہوں۔ اس میں جو ہدایات واحکام ہیں ان کو بجالانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلعم کو پیغمبر آخرالزمان مانتا ہوں۔ رَضیت باللہ رَبّاً وّ بالاسلام دیناً وّ بمحمدٍ رسولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو نے قرآن میں فرما دیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ (ترجمہ۔ آج مَیں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دینِ اسلام سے میں راضی ہو گیا) اور فرمایا۔ وَتمت کلمت ربّکَ صدقاً وّ عدلاً ط لا مبدل لِکلمتہٖ۔

(ترجمہ۔ اور تیرے رب کے کلمات پورے ہو گئے۔ سچائی اور انصاف کے ساتھ اب کوئی نہیں جو ان کلمات میں تبدیلی کر سکے)۔

اور فرمایا۔ اِنّ الدین عند اللہ الاسلام۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ لیکن لوگ یہ جھوٹ پھیلا رہے ہیں کہ اسلام کی تکمیل میں حضرت علی اور ان کے بچوں کا بھی ہاتھ تھا۔ بلکہ ازالۃ الخفاء کے مولف مقصد دوم میں حضرت علی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "آپ اکثر وحی اور ان اسماء الٰہی کو لکھتے تھے جن کا ظاہر کرنا مقصود نہ ہوتا" اور شیعانِ علی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم ان اسماء الٰہی اور وحی کو صرف حضرت علی پر ظاہر کرتے تھے میرا عقیدہ ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے تو نے قرآن میں پیغمبر کو حکم فرمایا۔ بلّغ ما اُنزلَ اِلیکَ اور رسول اللہ نے تیرے پیغام کو جوں کا توں لوگوں تک پہنچا دیا۔ نہ حضرت علی رض کو رسول اللہ صلعم نے کوئی خاص وحی پہنچائی نہ اسماء الٰہی کے اسرار بتائے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی میں اسرار الٰہی کو سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں تھی۔ ہاں ان میں ایرانی اسرار کو سمجھنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اسلام کی مٹی پلید کرنے کی طاغوتی قوت بدرجہ اتم موجود تھی۔

یاالٰہی العالمین! تو نے فرمایا۔ ھُوَالذی اُنزَلَ علیکَ الکتٰبَ منہُ آیٰتٌ مُّحکمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الکتٰبِ وَ اُخَرُ مُتشٰبِھٰتٌ ط فَاَمَّا الذین فی قُلوبِھِمْ زَیغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابتغاءَ الفِتنَۃِ وَابتغاءَ تَاوِیلِہٖ ج وَمَا یَعلمُ تاویلَہٗ اِلّا اللہ۔

(ترجمہ) وہی ہے اللہ جس نے یہ کتاب تم پر نازل فرمائی اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں۔ اور دوسری متشابہات جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَالرّاسِخُوْنَ فی العلم یقولونَ آمنّا بِہٖ کُلٌّ مِّن عِندِ رَبّنا۔

(ترجمہ) جو لوگ پختہ علم رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔

مگر تیرے وہ بندے جن کے دلوں میں قرآن اور اسلام کے خلاف حسد و کینہ بھرا ہوا ہے کہتے کہ قرآن کے متشابہات کا علم ان کو بھی ہے۔ وہ قرآنی متشابہات کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے کے لیے طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اسلامی عقائد و اعمال میں اختلاف و اختلال پیدا ہو اور اسلام کا شیرازہ بکھر جائے۔

پیروان شریعت علی کہتے ہیں کہ قرآنی الفاظ کے ظاہری معنی بھی ہوتے ہیں اور باطنی معنی بھی اور باطنی معنی کو سمجھنے کے لئے تاویل ضروری ہے۔ قرآنی الفاظ کی تاویل حضرت علی کی اولاد کو وراثت میں ملی۔ کھلم کھلا طور پر تاویل کا کام حسن بصری نے شروع کیا۔ جس کو جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی مرتضیٰ نے تکمیل پر پہنچایا۔ لہٰذا حسن بصری اور جعفر بن محمد دونوں اسلام میں فساد ڈالنے والے تھے۔ اگر میرا یہ عقیدہ غلط ہے تو اے ہادی برحق! مجھے ٹھیک ہدایت دے اور سچے علم کو میرے سینہ میں بھر دے تاکہ میں بزرگوں کو سمجھنے میں غلطی نہ کروں۔

یا اللہ! تو نے مسلمانوں کو ہدایت دی کہ وہ آپس میں متحد اور متفق رہیں مثلاً فرمایا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اور

اِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

(ترجمہ) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ان سے کسی شے میں تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن میں اس طرح کی بہت سی آیات کی موجودگی میں کوئی سچا مسلمان یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اللہ کے رسول نے حضرت علی سے فرمایا ہو گا کہ مسلمان آپس میں تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جب صحابہ نے اہل یہود پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو بہتر فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں تو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ تم ان کے نقش قدم پر ہرگز نہ چلنا اور آپس میں تہتر فرقوں میں نہ بٹ جانا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت علی کی سماعت کی غلطی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ پر بہتان لگایا کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ کر رہیں گے۔

اے اللہ! اگر میرے اس عقیدے میں بطلان ہے تو میں تیری حضور میں توبہ کرتا ہوں کہ تو میری اس لغزش کو معاف فرما دے اور اے نبی کریم صلعم آپ بھی اللہ کے حضور میری معافی کی دعا فرمائیے۔ آمین۔

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ! لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فِيهَا وَاَهْلِ بَيْتِي لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ۔

(ترجمہ) جس نے نماز پڑھی اور اس میں مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ بھیجا تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

لیکن اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

(ترجمہ) بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی کی تعریف و توصیف کرتے ہیں تم بھی اے ایمان لانے والو! اس کی حمد و ستائش کرو اور اس پر سلام بھیجو۔

آپ نے مسلمانوں کو جو نماز سکھائی اس میں صرف اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ کی سلامتی کی دعا کی جاتی ہے۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰةُ وَالطَّيِّبَاتُ اور اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اس میں اہل بیعت کا شمول نہیں ہے پھر ہم دعا کرتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِينَ یعنے ہم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالےٰ کے صالح بندوں پر۔ اس طرح ہم علی اور اولادِ علی میں صالح بندوں کو اپنی دعا میں شریک کرتے ہیں۔

جب ہم آپ ہی کی سکھائی ہوئی نماز پڑھتے ہیں تو وہ کیونکر قبول نہیں ہوگی؛ یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ ہم نمازمیں جو درود ابراہیم پڑھتے ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيمَ"

اس میں آلِ محمد کے معنی علی اور ان کے چہیتی اولادیں سے صرف حسن اور حسین ہیں۔ مگر قرآن میں جہاں کہیں لفظ آل استعمال ہوا ہے وہاں اس کے معنی پیرو کے ہیں۔ ہم درود ابراہیم میں دعا کرتے ہیں۔

"اے ہمارے اللہ! محمد اور ان کے پیروؤں کی ستائش کر اور ان کی ہمت افزائی فرما جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور ان کے پیروؤں کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی اور محمد اور ان کے پیروؤں کو برکت عطا فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور ان کے پیروؤں کو برکت عطا فرمائی تھی۔" قرآن میں لفظ "آل" امت اور پیرو کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اولاد کے لئے لفظ "اہل" استعمال ہوا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب طوفان کی آمد ہو تو تم کشتی میں سب قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا اور اپنے "اہل" کو چڑھا لیجیو۔ اور الصّٰفّٰت میں فرمایا۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (۷۶) وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (۷۷) ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے بچا لیا اور اسی کی نسل کو (دنیا میں) باقی رکھا۔

مگر مفسدوں نے لفظ آل کی تاویل میں علی اور ان کی اولاد کو شریک کر کے مسلمانوں کو نماز میں شرک کرنا سکھایا۔ کیونکہ "آل محمد" پڑھتے ہوئے علی اور ان کی اولاد کا نماز کی حالت میں تصور کرنا سراسر شرک ہے اور مشرک کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

یا نبی اللہ! قرآن میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ (ترجمہ) محمد تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے۔ یعنی محمدؐ کو ہم نے اولاد نرینہ عطا نہیں کی ہے۔

آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کے قبل اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ مگر قرآن کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کو ان کے باپوں سے منسوب کرو۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی اور حضرت زید کو "زید بن محمد" کہنا ترک کر کے "زید بن حارثہ" کہنا شروع کیا۔ اس حکم کی موجودگی میں آپ علی کے بچوں کو میرے بچے کس طرح کہہ سکتے تھے؛ لہٰذا حسن و حسین آپ کی اولاد نہیں ہیں۔ وہ علی کے پوت ہیں جنہوں

نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی جوانی میں اسلام کی شریعت کا مذاق اڑایا۔ جب وہ بچے تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے پھول ہیں اگر ان کی عین جوانی کے ایام میں آپ زندہ ہوتے تو ان کے کرتوت سے آپ ضرور ناراض ہوتے اور فرماتے کہ ان دونوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ فاطمہ بنت رسول بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا اور فرمایا تھا مَنْ سَلَكَ عَلٰى طَرِيْقَتِيْ فَهُوَ اِلَيَّ (جس نے میرے طریقہ کی پیروی کی وہ میری آل ہے)۔ حسن اور حسین نے آپ کے طریقہ کی مخالفت کی۔ پھر وہ دونوں کیسے آپ کے آل (پیروؤں) میں شمار ہو سکتے تھے؛ میری ناچیز رائے میں وہ دونوں آپ کی "آل" میں شامل نہیں ہیں۔

اے اللہ کے نبی! اگر آپ کو میرے اس عقیدے سے کوفت ہوتی ہے تو میں بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے صراطِ مستقیم پر چلا۔ میں نبی کے غصے سے پناہ مانگتا ہوں اور اے نبی میں آپ سے بھی التجا کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت کے لئے بارگاہ ربّ العزت میں دعا فرمائیے۔ اور مجھے بتائیے کہ آپ کے یہ دونوں نواسے آپ کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے جنت کے شہزادے کس طرح بن گئے؟

مزید التجا کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ہمیشہ اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان کے ساتھ اس دنیائے فانی سے اٹھائے اور جب تک میں زندہ رہوں صرف حق کا دامن تھامے رہوں۔ اے اللہ مجھے ہر قسم کے شرکِ خفی سے بچائے رکھ۔ آمین۔

الوداع اے نبیٔ مکرم الوداع!!

نمازِ جمعہ مسجدِ نبوی میں ادا کر کے بس اسٹینڈ پہنچے جہاں بسیں ہم لوگوں کے لئے تیار کھڑی تھیں اور جونہی ہم سوار ہوئے وہ جدہ کی طرف چل پڑیں۔ اس وقت مدینہ پر آسمان ابر آلود تھا۔ میرے ذہن پر بھی غور و فکر کا ابر چھایا ہوا تھا۔ کیونکہ بس میں سوار ہونے کے بعد بھی میں اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ بس مدینہ کی گلیوں میں سے رینگتی ہوئی گزر رہی تھی کہ اچانک آسمان سے ابرِ رحمت برسنے لگا۔ قسم ہے اس ربّ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عین اسی وقت

میرے ذہن پر جو غبار تھا وہ چھٹ گیا۔ اور اللہ نے میرے دل میں یہ بات بٹھادی اور یہ خیال جمادیا کہ علی اور ان کی اولاد کے متعلق میرا جو تصور ہے وہ وہم اور گمان نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ میں فوراً دل ہی دل میں خدائے ذوالجلال کا شکر بجا لایا کیونکہ اس نے اپنے فضل وکرم و رحم و احسان سے حضرت علی اور ان کی اولاد کے متعلق مجھے صحیح فہم و ادراک عطا فرمائی۔ مجھے رسول اکرم صلعم کے تصدق سے وہ حسن بصیرت نوازی کہ میں ان کے گرد آلود چہرے خوب اچھی طرح دیکھ سکوں۔

میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو حضرت علی رضؓ اور ان کے بچوں کو اللہ کا ہمسر اور مدِ مقابل بتاتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیئے۔ ایمان رکھنے والے لوگ صرف اللہ کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ اور دل کی گہرائی سے کہتے ہیں "الحمد للہ رب العالمین!" اسلام شخص پرستی اور توہم پرستی کی لعنت کو مٹانے کے لئے آیا مگر ہمارے عجمی اماموں نے جن میں حضرت علی بھی شامل ہیں اسی لعنت کو باطنی اسلام کی شکل میں ہم پر دوبارہ مسلط کر دیا۔

بے شک حضرت علی رضؓ بدری صحابی ہیں اور اس لحاظ سے وہ جنتی ہیں کیونکہ تمام بدری صحابیوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر ان کے اعمال جنتیوں جیسے نہیں لگتے۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

میں اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا بس بڑی تیزی سے چلتی ہوئی مدینہ سے بہت دور نکل گئی تھی۔ اس وقت میرے دل میں ایک نئی خلش نے اچانک جنم لیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیوں حکم دیا کہ وہ اپنی چہیتی بیٹی فاطمہ رضؓ کا نکاح ان کی خواہش کے خلاف حضرت علی رضؓ سے کر دیں۔ آخر اس حکم میں کیا راز پوشیدہ ہے؟

اس نئی خلش کے بارے میں سوچتے ہوئے اور ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہ "ربِّ زدنی علماً" میں نے دس سال صبر و تحمل سے گزارے۔ آخر کار ایک شب نماز کے قیام کے دوران "لَن تنالوا البر" کی سورت تلاوت کرتے ہوئے جب آیت ——

"اَم حَسِبتُم اَن تَدخلوا الجَنّۃ ولمّا یَعلمِ اللہ الذین جٰھدوا مِنکم و یَعلمَ الصّٰبِرین" پر پہنچا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا یہ آزمائش صرف ان مسلمانوں تک محدود تھی جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ اپنی جانیں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ لڑا رہے تھے یا آج کے مسلمان بھی اس آزمائش میں مبتلا ہیں؟ قرآن کسی ایک خاص زمانہ کے لئے نہیں اترا، وہ تا قیامت آنے والے زمانوں کے لئے نازل ہوا ہے۔ ہر زمانہ کا مسلمان آزمائش کی گھڑیوں سے گزر رہا ہے۔ پھر ہم لوگ کس قسم کی آزمائش میں مبتلا ہیں؟ آج کل جہادی جنگوں کا فقدان ہے۔ جنگ لڑنے کے طریقے بھی مٹ گئے ہیں۔ نیزہ و تلوار کو کوئی نہیں پوچھتا۔ آج کل کی جنگوں میں نئے نئے اقسام کے حربی ہتھیار مستعمل ہیں۔ جن کو ہر کوئی استعمال نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تربیت یافتہ نہ ہو۔ مزدور جثہ کا آدمی فوج میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر آج کل کے مسلمان کے لئے جنت میں داخلے کی اللہ تعالیٰ نے کیا آزمائش مقرر کر رکھی ہے جس میں شمولیت کی راہ ہر ایک کے لئے کھلی ہوئی ہو؟

اُسی وقت معاً یہ خیال دل میں گھر کر گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے اور اپنے پیغمبر کو بھیج کر صراطِ مستقیم اور سواء السبیل کی نشاندہی کر دی جس پر چل کر ایک انسان سیدھا جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے اسلام رکھا یعنے سلامتی کا راستہ۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بہت سارے صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ "یَعلَمُ مَا بَینَ اَیدِیھِم وَمَا خَلفَھُم" جانتا ہے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان سے اوجھل ہے۔ وہ جانتا تھا کہ بہت جلد اسلام کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم کو ٹھکرا کر اپنی خواہش کا ایک نیا راستہ مرتب کرے گی اور پھر اس راستہ کی تصدیق کے لئے ایک ایسے شخص کو تلاش کرے گی جو رشتہ داری میں پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہی میں مبتلا نہیں کرتا۔ مگر جب قوم ہی گمراہی پسند ہو اور اپنے ہی پسندیدہ روش پر چلنے پر تُل جائے تو وہ اسے اس راستہ سے باز رکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا اور کسی قوم کی حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ علی بن ابی طالب میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو اس قوم کی خواہش کے عین مطابق ہیں۔ اس نے علی کو اور زیادہ ممتاز بنانے کے لئے اپنے نبی کو ترغیب دی کہ بچپن ہی سے ان کو اپنی پرورش میں لے لیں۔ پھر ان کی شرافت میں اور اضافہ کرنے کے لئے حکم دیا کہ اپنی چہیتی بیٹی کا نکاح بھی ان سے کر دیں۔ مصری عالم و فاضل ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ اسی سبب سے خاندانِ علی ایرانیوں کی نظر میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسبت رکھتا تھا۔ وہ رسول خدا سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا۔ تنہا اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر تخت و تاجِ کیانی کا مالک بن سکتا تھا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آزمائش کے لئے حضرت علی رضؓ کو ایرانیوں کا منظورِ نظر بنا دیا جنہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے عجمی بزرگوں سے گٹھ جوڑ کر کے اپنا الگ راستہ متعین کیا جو باطنی راستہ کہلاتا ہے اور جس کے مشتہر رسول اللہ صلعم سے ان کی رشتہ داری اور قرابت کا واسطہ دیکر شور مچاتے اور چلاتے رہتے ہیں کہ سسر نے اپنے داماد کو جنت میں داخل ہونے کا ایک خفیہ اور نہایت قریبی راستہ دکھا دیا ہے۔ یہ راستہ نہایت کشادہ اور آرام دہ ہے۔ اس راستہ پر چلنے والوں کو نہ نماز روزے کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں نہ زکوٰۃ اور حج کی خاردار جھاڑیوں میں الجھنے کی مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں اس "شاہراہِ علی" پر چلنے والوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہر قدم پر عجمی حوریں ایک ہاتھ میں گلدستۂ محبت اور دوسرے ہاتھ میں جامِ فلک سیر لبھنگ لئے ہوئے منتظر کھڑی رہتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے مذلت کے اندھیرے کنویں میں دھکیل دیتا ہے۔ مگر وہ صرف ان ہی لوگوں کو ذلیل کرتا ہے جو بھیڑ بکریوں کی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے اپنا راستہ طے کرنا چاہتے ہیں۔

رَبَّنَا ــ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ــ آمین

نذیر احمد شاکر عفی اللہ عنہ
بی ــ ۲۸۲ ــ بلاک اے نارتھ ناظم آباد کراچی ۳۳